

الصلوة والسلام عليك يا نور الله

مکاشیات
صلی اللہ
علیہ وسلم

نظام مصطفیٰ

تصنیف

شیخ القرآن

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری

عمدۃ البیان پبلشرز (پرائیویٹ) لاہور

مُعَاشِيَاتِ نِظْمِ مُصْطَفٰی

مَدَامُ عَلَامُ مُصْطَفٰی

تالیف
مفتی غلام سرور قادری ایم اے اسلامیات
ایم اے عربی و علوم اسلامیہ و شیعہ و فاضل شرعی و قاضی عدالت پاکستان

ناشر

مکتبہ رضویہ، جامعہ رضویہ (ڈرہ)
سنٹرل کمیشن مارکیٹ
— ماڈل ٹاؤن لاہور —

مجلد حقوق نجی ناشر محفوظ میں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	انتساب	۳	۱۹	اس میں ایک ہی مجلس مذہب	۲۹
۲	اخبار خیال	۱۳	۱۷	اسلام کے معاشی اصول	۳۰
۳	تقدیریم	۱۵		قرآن کی روشنی میں	
۴	نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاش	۱۶	۱۸	معاشی حقوق میں سب برابر ہیں	۳۱
۵	کفالت واحدہ	۱۷	۱۹	فتاویٰ	۳۲
۶	اتحاد و اتحاد	۱۸	۲۰	سب کو برابر حقوق معاش فراہم کرنا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے	۳۳
۷	آغاز	۲۱		حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکمت نامہ	
۸	نظام مصطفیٰ اور مسکن	۲۲	۲۱	کو حاکمیت میں تسلیم کرنے کا کام فرمایا	۳۴
۹	اقتصاد و معاش کا مفہوم	۲۳	۲۲	ضرورت اور ضرورت کے مختلف احکام	۳۵
۱۰	مقصود بحث	۲۴	۲۳	مسبقات و ہمدردی کے مواقع	۳۶
۱۱	نظام مصطفیٰ کی معاشی اساس	۲۵	۲۴	اسلامی نظام معیشت میں کوئی بھی مجبور کا نہیں رہ سکتا۔ کیا	۳۷
۱۲	موجودہ معاشی ناہمواری	۲۶		تقریر قائد خدا کی تقدیر سے ہے	۳۸
۱۳	اسلام کی نظریں	۲۷	۲۵	حاکم کا دین و عالم تشریح	۳۹
۱۴	بے ترشہ معاشی خوشحالی	۲۸	۲۶	فلسفہ تفاوت و رجعت بندہ	۴۰
۱۵	موجودہ معاشی ناہمواری کا	۲۹	۲۷	اپنا اپنا فرض	۴۱
	ذمہ دار ملک		۲۸	تنگدستی اور اسلام	۴۲
	اسلام کے معاشی نظام کی خبریں		۲۹	تنگدستی اور اسلام	۴۳
	رجالی خفاکہ			تنگدستی اور اسلام	

نام کتاب: معاشیات نظام مصطفیٰ
مؤلف: مفتی غلام سرور قادری ایچ ایم اسلام آباد
شیر ذوقی شری عدالت پاکستان

صفحات و سائز: ۲۲۲ ، ۲۳ × ۳۲
ایڈیشن: سوم ۲۰۰۷ء

تعداد اشاعت: تیار ہو سو (۱۰۰)

قیمت: 160 روپے
مطبع: مکی مدنی پرنٹرز، بی آر ڈی بازار لاہور

ناشر: مسکت پرنٹریز، جامعہ رضویہ (ٹرسٹ)
سنٹرل کمرشل مارکیٹ، قلعہ قون لاہور

فون: ۵۸۳۶۶۶۴/۵۸۳۶۶۶۵

فون فیکس: ۵۸۳۶۶۶۱

مکاتبت: محمد حسین خانو جامعہ ہند

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۳۰	ضرورت سے زائد مال کا رکھنا	۴۲	اولاد میں حکم مسافرات	۶۲
۳۱	احتکار کی ممانعت کا فلسفہ	۴۳	ترجیحی سلوک کی صورت	۶۳
۳۲	احتکار کی تعریف	۵۰	ہر فرد کو ضروریات زندگی	۶۵
۳۳	اسلام میں جائیداد کے چارہ	۴۵	مفت حاصل ہوں	
	کا احتکار بھی ممنوع ہے	۵۱	اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں	۶۶
۳۴	احتکار کے جواز کی ایک صورت	۵۲	حقوق	۶۸
۳۵	بر وقت ضرورت ذخیرہ اندوزی	۵۳	فقط حق سے قبضہ کا فائدہ	۶۹
	تاجروں کے ذخیروں کو زبردستی	۵۴	ضرورت مندوں کی درتسوں	۷۰
	تفہیم کیا جائے		ایک عیب واقعہ	
۳۶	انفرادی حیثیت	۵۵	حضرت عمرؓ کا دیہا کی خوش حالی	۷۱
۳۷	پری امریدی کو پیشہ بنانا جائز نہیں	۵۶	کے لئے فکر نہ کرنا	
۳۸	مشکل بھیک	۵۶	رحمت کیلئے نقصان کا مساو نہ	۷۳
۳۹	وقف حق	۵۷	سرباہ مملکت کو ہنگامی کی فکر	۷۵
۴۰	بھیک کی ممانعت	۵۸	اسلام کے مالیاتی نظام پر ایک نظر	۷۶
۴۱	اقارب کی کفالت	۵۹	نذاریۃ اور مصارف	۷۶
۴۲	تاکون و نفقہ	۶۰	زکوٰۃ - فلسفہ زکوٰۃ	۷۷
۴۳	وجوب نفقہ	۶۱	نفعی حج سے غریبوں کی آمد و رفت	۷۹
۴۴	تلاش رزق	۶۲	ضرورت مندوں کی ضرورت کو	۸۱
۴۵	عیاشی کی ممانعت	۶۳	پروردگارنا مسجد کی تعمیر سے بہتر ہے	۸۲
۴۶	اخراجات میں میاں سدی کا حکم	۶۴	پاکستان کی قومی آمدنی اور زکوٰۃ	۸۳
۴۷	وصیت پر پابندی	۶۵	اموال کا ہر ذرہ باطلہ	۸۴

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۴۸	نکاحی کا حق	۸۵	مصارف زکوٰۃ کی تفصیل	۸۵
۴۹	فی سبیل اللہ کی تفصیل بحث	۸۶	۱۰۰	۸۶
۵۰	۱۰۰	۸۷	۱۰۰	۸۷
۵۱	۱۰۰	۸۸	۱۰۰	۸۸
۵۲	۱۰۰	۸۹	۱۰۰	۸۹
۵۳	۱۰۰	۹۰	۱۰۰	۹۰
۵۴	۱۰۰	۹۱	۱۰۰	۹۱
۵۵	۱۰۰	۹۲	۱۰۰	۹۲
۵۶	۱۰۰	۹۳	۱۰۰	۹۳
۵۷	۱۰۰	۹۴	۱۰۰	۹۴
۵۸	۱۰۰	۹۵	۱۰۰	۹۵
۵۹	۱۰۰	۹۶	۱۰۰	۹۶
۶۰	۱۰۰	۹۷	۱۰۰	۹۷
۶۱	۱۰۰	۹۸	۱۰۰	۹۸
۶۲	۱۰۰	۹۹	۱۰۰	۹۹
۶۳	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰	۱۰۰
۶۴	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۰	۱۰۱
۶۵	۱۰۰	۱۰۲	۱۰۰	۱۰۲
۶۶	۱۰۰	۱۰۳	۱۰۰	۱۰۳
۶۷	۱۰۰	۱۰۴	۱۰۰	۱۰۴
۶۸	۱۰۰	۱۰۵	۱۰۰	۱۰۵
۶۹	۱۰۰	۱۰۶	۱۰۰	۱۰۶
۷۰	۱۰۰	۱۰۷	۱۰۰	۱۰۷
۷۱	۱۰۰	۱۰۸	۱۰۰	۱۰۸
۷۲	۱۰۰	۱۰۹	۱۰۰	۱۰۹
۷۳	۱۰۰	۱۱۰	۱۰۰	۱۱۰
۷۴	۱۰۰	۱۱۱	۱۰۰	۱۱۱
۷۵	۱۰۰	۱۱۲	۱۰۰	۱۱۲
۷۶	۱۰۰	۱۱۳	۱۰۰	۱۱۳
۷۷	۱۰۰	۱۱۴	۱۰۰	۱۱۴
۷۸	۱۰۰	۱۱۵	۱۰۰	۱۱۵
۷۹	۱۰۰	۱۱۶	۱۰۰	۱۱۶
۸۰	۱۰۰	۱۱۷	۱۰۰	۱۱۷
۸۱	۱۰۰	۱۱۸	۱۰۰	۱۱۸
۸۲	۱۰۰	۱۱۹	۱۰۰	۱۱۹
۸۳	۱۰۰	۱۲۰	۱۰۰	۱۲۰
۸۴	۱۰۰	۱۲۱	۱۰۰	۱۲۱
۸۵	۱۰۰	۱۲۲	۱۰۰	۱۲۲
۸۶	۱۰۰	۱۲۳	۱۰۰	۱۲۳
۸۷	۱۰۰	۱۲۴	۱۰۰	۱۲۴
۸۸	۱۰۰	۱۲۵	۱۰۰	۱۲۵
۸۹	۱۰۰	۱۲۶	۱۰۰	۱۲۶
۹۰	۱۰۰	۱۲۷	۱۰۰	۱۲۷
۹۱	۱۰۰	۱۲۸	۱۰۰	۱۲۸
۹۲	۱۰۰	۱۲۹	۱۰۰	۱۲۹
۹۳	۱۰۰	۱۳۰	۱۰۰	۱۳۰
۹۴	۱۰۰	۱۳۱	۱۰۰	۱۳۱
۹۵	۱۰۰	۱۳۲	۱۰۰	۱۳۲
۹۶	۱۰۰	۱۳۳	۱۰۰	۱۳۳
۹۷	۱۰۰	۱۳۴	۱۰۰	۱۳۴
۹۸	۱۰۰	۱۳۵	۱۰۰	۱۳۵
۹۹	۱۰۰	۱۳۶	۱۰۰	۱۳۶
۱۰۰	۱۰۰	۱۳۷	۱۰۰	۱۳۷

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۲	اموال غنا غلبہ کا نین - دینی	۱۳۹	کی تعلیم و تعلیم پر دقیقہ	۱۳۹	تعلیم قرآن پر تنویر
۱۰۳	سوداری ٹیکس و ٹرانس مرصحات	۱۴۱	تعلیم حضرت کا معاوضہ	۱۴۰	علماء کی کفالت
۱۰۴	برقیات سیاست و زبانت بکار	۱۴۲	دشمن کی ممانعت بدیر کے احکام	۱۴۱	دشمن کی تفریق
۱۰۵	صنعت - کھوٹ غیس	۱۴۳	بمبوری میں رشتہ کا مسئلہ	۱۴۲	بمبوری میں رشتہ کا مسئلہ
۱۰۶	گزارہ الزمیں اور تنخواہیں	۱۴۴	رموز اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل	۱۴۳	رموز اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل
۱۰۷	فرج کی تنخواہیں	۱۴۵	سب مال ضرورت مندوں میں تقسیم	۱۴۴	سب مال ضرورت مندوں میں تقسیم
۱۰۸	شیر خوار پیم کا دقیقہ	۱۴۶	خاروق کا ایک قریبی رشتہ دار سے برادر	۱۴۵	حضرت عمر کا ایک سافرعہ کی بیوی
۱۰۹	بچوں سے بھرداری	۱۴۷	حضرت عمر کا ایک سافرعہ کی بیوی	۱۴۶	فرز کے کدے پر اگر کوئی اولاد
۱۱۰	نمر کے ساتھ چکر کے غلبہ میں	۱۴۸	فرز کے کدے پر اگر کوئی اولاد	۱۴۷	میرا سہ تو نظر اس کا بھی جواب ہے
۱۱۱	خلیفہ وقت کہ جب کسی پیر کی ولادت	۱۴۹	اسلامی ریاست کا نصب العین	۱۴۸	حضرت عمر کا رد
۱۱۲	کا علم برتا تو وہ درخت سے عجب	۱۵۰	حضرت عمر کا رد	۱۴۹	حضرت عمر کا رد
۱۱۳	کئے پیر کو کہ دین جاری کرنا	۱۵۱	اسلامی ریاست کا نصب العین	۱۵۰	حضرت عمر کا رد
۱۱۴	یہیت کا تو کہ وارثوں کیلئے اور اس کے	۱۵۲	حضرت عمر کا رد	۱۵۱	حضرت عمر کا رد
۱۱۵	عیال کا علاج اور وہ جہاد	۱۵۳	حضرت عمر کا رد	۱۵۲	حضرت عمر کا رد
۱۱۶	قرض حکومت کے ذمہ	۱۵۴	حضرت عمر کا رد	۱۵۳	حضرت عمر کا رد
۱۱۷	علاء اسناد و دھند اور	۱۵۵	حضرت عمر کا رد	۱۵۴	حضرت عمر کا رد
۱۱۸	مؤذولہ اور طلباء کے وظائف	۱۵۶	حضرت عمر کا رد	۱۵۵	حضرت عمر کا رد
۱۱۹	فقرا و مساکین اور بے روزگار	۱۵۷	حضرت عمر کا رد	۱۵۶	حضرت عمر کا رد
۱۲۰	کے لئے وظائف	۱۵۸	حضرت عمر کا رد	۱۵۷	حضرت عمر کا رد
۱۲۱	حضرت ابو حمید بن مرثد کا	۱۵۹	حضرت عمر کا رد	۱۵۸	حضرت عمر کا رد
۱۲۲	حضرت عمر کا رد	۱۶۰	حضرت عمر کا رد	۱۵۹	حضرت عمر کا رد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۹	ٹیک اور بیل کی کانیں	۱۶۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۰	ارضی موات کا مسئلہ	۱۶۱	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۱	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۱	جوزی آباد کرے وہی اس کا مالک	۱۶۲	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۲	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۲	زین کا آباد کرنا ضروری خود کرے یا کرے	۱۶۳	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۳	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۳	ذاتی ملکیت کا مسئلہ	۱۶۴	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۴	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۴	مزارعہ کے سبب تجارت و سرمایہ کاری	۱۶۵	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۵	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۵	کی اجازت	۱۶۶	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۶	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۶	غریبوں کا پھر در اسلام ہے	۱۶۷	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۷	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۷	کسی کی جائز کھانی پر اجازت قبضہ	۱۶۸	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۸	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۸	قوی ملکیت کی اصطلاح	۱۶۹	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۶۹	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۳۹	تحدید ملکیت	۱۷۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۰	نظام وراثت - محمد تقی امینی	۱۷۱	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۱	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۱	کی غلط فہمی	۱۷۲	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۲	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۲	ارضی موقوفہ	۱۷۳	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۳	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۳	امام نووی کا سلطان مصر کو جواب	۱۷۴	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۴	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۴	کی زمین کو مزارعت پر تبدیل میں	۱۷۵	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۵	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۵	لینے سے منع کرنا	۱۷۶	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۶	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۶	تقی امینی کی ایک اور خیانت	۱۷۷	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۷	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۷	زمین کو مزارعت پر تبدیل میں	۱۷۸	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۸	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۸	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۹	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۷۹	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۴۹	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۸۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۸۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ
۱۵۰	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۸۱	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ	۱۸۱	مزارعت میں صاحب زمین کے قول پر فتویٰ

بیشمار	مضرون	صفحہ	بیشمار	مضرون	صفحہ
۱۶۱	مراعت میں اختلافی حدیثوں کی تطبیق	۲۳۴	۱۶۹	نیت کے بدل جانے عقد کا حکم	۲۳۹
۱۶۲	آب پاشی	۲۳۵		بدل جانا ہے	
۱۶۳	مسلمان عین چیز دینے میں برابر کے شریک ہیں	۲۳۶	۱۷۰	سود سے بچنے کی تدابیر	۲۵۱
۱۶۴	معاشرہ میں نیچے والا رت قیامت خدا کے	۲۳۸	۱۷۱	بیلک	۲۵۳
	فصل سے محروم ہوگا۔		۱۸۲	کو آپریش سوسائٹیاں	۲۵۵
۱۶۵	آسیاب	۲۳۹	۱۸۳	نظام مصطفیٰ کا اقتصادی نقشہ	۲۵۷
۱۶۶	مشترک صنعت و حرفت	۲۴۰	۱۸۴	امداد باکی کے اجتماعی ادارے	۲۵۸
۱۶۷	صنعت و حرفت کی دو قسمیں	۲۴۳	۱۸۵	جاسرو میکا دی	۲۵۹
۱۶۸	اقوام عالم سے مفاد پر کام	۲۴۶	۱۸۶	غیر ملکوں سے لین دین	۲۵۸
۱۶۹	مستحق ترانہ اخراجات کے دو درجے	۲۴۷		جنگوں میں بیادہی تبدیلیاں	
۱۷۰	سود کا خاتمہ	۲۴۸	۲۵۹	شرکت و مضامین	۲۵۹
۱۷۱	سود پر برابر	۲۴۱	۲۶۰	جنگوں کی حیثیت	۲۶۰
۱۷۲	نفع کی شرط سے قرض حرام ہے	۲۴۲	۲۶۱	حضرت البرموسی اشعری (دبیرہ کے)	۲۶۱
۱۷۳	قرض واپس لینے پر کے کچھ زیادہ دینا	۲۴۳		گورنر کا دو تاجروں کو بیت المال	
۱۷۴	قرض بلا سود کا ثواب	۲۴۳		سے قرض دینا۔	
۱۷۵	میسوری کی صورت میں سود	۱۹۱	۲۶۲	حضرت عمر کا حضرت جند روم	۲۶۲
	غیر ملک قرضوں کا حکم			حضرت اوسینیان کو ضمانت پر قرض دینا	
	فلسفہ حرمت سود		۱۹۲	حضرت عثمان کا مضارب پر سرمایہ دینا	۲۶۳
۱۷۶	مشترک سود میں ایکسا بنیادی قاعدہ	۲۴۴	۲۶۴	عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے	۲۶۵
۱۷۷	بھٹن کا مطلب	۲۴۵		پیشے مشرب اور اجروں کو دیات	
۱۷۸	سود سے بچنے کی تدابیر	۲۴۶	۱۹۳	مردم محصول چوکنگ	

بیشمار	مضرون	صفحہ	بیشمار	مضرون	صفحہ
۱۷۵	قیوتی پر کنٹرول	۲۴۹	۲۱۱	معاشی حالات کو بہتر بنانے	۲۸۳
۱۷۶	عمران فروشی کا سبب	۲۴۸		کے تین قیمتی اصول	
۱۷۷	اخراجات	۲۴۰	۲۱۲	عزت اسلام سے ہی ہے	۲۸۵
۱۷۸	پیمانہ کا مسئلہ	۲۴۱	۲۱۳	حکومت کے اعلیٰ کی چار شرطیں	۲۸۶
۱۷۹	سود پر کیا	۲۴۲	۲۱۴	دور حاضر کے کچھ اہم سوالات	۲۸۸
۲۰۰	جس پر قبضہ نہ کیا اس کا قبضہ	۲۴۳		اور ان کے جوابات	
	بھی ضروری		۲۱۵	نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق	۲۸۹
۲۰۱	بول کا حکم	۲۴۴	۲۱۶	قرض میں کٹوتی اور پینڈی	۲۹۰
۲۰۲	مہنگائی کے بنیادی اسباب	۲۴۵	۲۱۷	حوت خرید میں کمی بیشی	۲۹۲
۲۰۳	مہنگائی کے متحرک طریقے	۲۴۶		بورہ حکومت کا فرض	
۲۰۴	بیع باطل اور بیع فاسد	۲۴۷	۲۱۸	قرض اور شرح سہولت میں تبدیلی	۲۹۳
۲۰۵	بیع مکروہ - بیع سلم	۲۴۷	۲۱۹	قرضوں کی جدید نوعیت	۲۹۴
۲۰۶	عیاشی اور تکلفات کی دو قسمیں	۲۴۸	۲۲۰	مستردہ میں شرط	۲۹۵
۲۰۷	عیاشی کر خیراتے دو گروہ	۲۴۹	۲۲۱	مشکو آشورٹس (بیمہ)	۲۹۷
۲۰۸	عیاشی کی دو قسمیں تمام کا حق قانونی	۲۵۱	۲۲۲	انسانی باڈی	۲۹۸
۲۰۹	حکومت کے اعلیٰ اختراک	۲۵۲	۲۲۳	لوٹ	۲۹۹
	کھینچے دیات قانونی			فاضل بریلوی کے معاشی	
۲۱۰	گاندھی کی اپنے مشیروں اور	۲۵۳		نکات جدید معاشیات	
	دوروں کو نصیحت			کے آئینہ میں	
			۲۱۵	اتمام محبت	۳۰۲

تعارف مصنف

بہر طریقہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب تو ایسی شخصیت ہیں۔ جو کہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ لیکن میری سوچ میں جناب کی زندگی سے متعلق کچھ اہم معلومات موجود ہیں جن پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اکثر و بیشتر عام انسان کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس بین الاقوامی شہرت یافتہ شخصیت کی بنیادی تعلیم کون سی خوش نصیب درسگاہ میں ہوئی کہ جس نے ایسے عظیم انسان تخلیق کئے۔ ہر انسان کی سب سے پہلی درسگاہ اُس کی ماں کی گود ہی ہوتی ہے۔ جتنی دیر گود مقدس و مکرم ہوگی اتنی ہی اُس کی اولاد کی تربیت اعلیٰ ہوگی آپ آج کسی بھی تاریخ کا مطالعہ کریں تو یقیناً آپ کی نظر سے بڑی بڑی شخصیات کے تذکرے ضرور گزرتے ہوں گے۔ وہاں ان شخصیات کی تربیت کی پہلی بنیادی چیز اور عظیم درسگاہ 'ماں کی گود' کے ہی ثمرات ملتے ہیں جو کہ ایک عام انسان کو عظیم انسان بنانے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت میں اُس پہلی درسگاہ کی تربیت کے ہی اثرات ہیں کہ آپ بہترین عالم دین باعمل، بہترین مفتی، بہترین مدرس، بہترین محقق و مصنف، بہترین شیخ الطریقہ و شیخ التفسیر اور بہترین شیخ الحدیث ہیں آپ کی طبع شریف میں انتہائی نرمی، حلم بردباری برداشت اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ سابق صوبائی وزیر برائے مذہبی امور و اوقاف پنجاب اور بانی و مہتمم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کرسٹل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف اور قرآن مجید کے مترجم بھی ہیں آپ جناب

حضرت صاحب کی بنیادی تعلیم کے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کو علم ہو جائے کہ آپ نے تعلیم و تربیت اور روحانی تربیت کہاں سے حاصل کی۔

ولادت :- آپ کے آباؤ اجداد سادات و شرفاء بخارا سے ہیں جو حضرت سید جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کے ہمراہ بخاری سے کشمیر آئے پھر اہل شریف ضلع بہاولپور آکر آباد ہوئے۔ آپ کی ولادت موضع کی لعل نزد اوج شریف تحصیل بٹگرام ضلع مظفر گڑھ میں بروز جمعرات مورخہ ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو خدا بخش علیہ الرحمۃ کے گھر میں ہوئی۔ آپ کے دادا بزرگوار محمد موسیٰ علیہ الرحمۃ اور پردادا محمد جوہر علیہ الرحمۃ تھے۔

ابتدائی تعلیم :- آپ نے سب سے پہلے ناظرہ قرآن مجید اپنے پڑوسی بزرگ عالم مولانا غلام نبی خورشیدی علیہ الرحمۃ سے عرصہ تین چار ماہ میں پڑھ کر مکمل کیا۔ اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول موضع بن والا میں حاصل کی اور نڈل تک کی تعلیم کے لئے موضع گلکس کے گورنمنٹ سکول میں داخلہ لیا وہاں سے نڈل کا امتحان انتہائی اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا بعد ازاں دیگر دینی تعلیم کے لئے مخدوم حسن محمود بن غلام میراں شاہ کے گاؤں جمال الدین والی علاقہ صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں استاذ العلماء و الفضلاء حضرت علامہ حکیم غلام رسول علیہ الرحمۃ سے اکتساب فیض کیا اور ان کے لئے درجہ نظامی کی ابتدائی کتب کے ساتھ شرح تہذیب قطبی کے اوائل شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار اور علم طب کی میزان طب، طب اکبر و موجز وغیرہ پڑھیں۔

1958ء میں ذریعہ غازی خان میں استاذ العلماء علامہ مولانا غلام

جہانیان صاحب سے نور الانوار، شرح جامی، مولانا عبد الغفور صاحب سے قطبی، میر قطبی، ملا جلال، حمد اللہ شرح وقایہ اخیرین، میبذی القصر، تقلید، مشکوٰۃ شریف

جلالین ہدایہ اولین، جامی، مقامات حریری، حماسہ، مثنوی، نقصوف، لوائح جامی، لوائح جامی اور مشکوٰۃ شریف پڑھیں۔

1961ء ملتان میں غزالی زمان رازی دوران حضرت علامہ سید احمد سعید

کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مدرسہ انوار العلوم میں داخلہ لیا۔ استاذ العلماء جناب مولانا عبد الکریم سے تفسیرات احمدیہ پڑھی اور حضرت مفتی امجد علی خاں صاحب سے توحید و تلوغ، مسلم الثبوت و ہدایہ اخیرین پڑھیں۔

پھر مفتی اعظم حضرت مفتی سید مسعود علی قادری سے جلالین و علم میراث پڑھا اور فتویٰ نویسی سیکھی۔ آخر میں حضرت علامہ قبلہ کاظمی شاہ صاحب سے مناظرہ رشیدیہ، شرح عقائد، خیال اور دورہ حدیث شریف پڑھ کر سند فراغت علم حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز :- علوم و فنون اور فتویٰ نویسی کے علم سے فراغت کے بعد قبلہ

کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نظر عنایت و التفات نے بطور نائب مفتی آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد ہی حکومت پاکستان نے قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو بہاولپور یونیورسٹی میں بطور پروفیسر حدیث مقرر فرمایا تو قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے جن قابل ترین تلامذہ کو بہاولپور ساتھ لے جانے کے لئے منتخب فرمایا ان میں آپ بھی شامل تھے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب نے بہاولپور یونیورسٹی سے

1965-1966ء میں ایم اے اسلامک لاء یعنی تخصص فی الفقہ والقانون

الاسلامی کی سند حاصل کی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فرماں پر اپنی مادر علمی مدرسہ انوار العلوم واپس آکر استاذ الحدیث، مفتی، بصدور شعبہ افتاء کے فرائض

سنجالیے۔ 1977ء میں حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ کی خواہش

پر قبلہ مفتی صاحب جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور شیخ الحدیث شیخ الادب

السرہانی مقرر ہوئے اسی دوران صدر انجمن تہذیب الاسلام مین مارکیٹ گلبرگ آپ کو جامعہ مسجد غوثیہ گلبرگ لے آئے۔ جہاں عرصہ 12 سال تک جامع مسجد غوثیہ کے خطیب رہے اور یہاں جامعہ غوثیہ کے نام سے مدرسہ قائم کیا اور 1990ء تک اسی درسگاہ کے ناظم اعلیٰ و شیخ الحدیث رہے اور انتہائی خوش اسلوبی محنت خلوص اور لگن سے کامیابیوں اور کامیابیوں سے ہم کنار ہوئے۔ بعد ازاں جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر نقشبندی قادری نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی سے چار کنال کا رقبہ حاصل کر کے قبلہ مفتی صاحب کے سپرد کیا اور اُن کے پُر خلوص تعاون کے ساتھ آپ نے ماڈل ٹاؤن سنٹرل کمرشل مارکیٹ میں اپنی ذاتی دینی درسگاہ کا آغاز فرمایا جو کہ تقریباً عرصہ 17 سال سے انتہائی کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جامعہ رضویہ ٹرسٹ سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن میں درج ذیل شعبہ جات کی انتہائی کامیابی کے ساتھ سرپرستی فرما رہے ہیں۔ یہ جامعہ رضویہ ایک ٹرسٹ کے زیر اہتمام چل رہا ہے جس کے مینجنگ ٹرسٹی حضرت قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب آپ کے بڑے بیٹے ڈاکٹر احمد سعید قادری ڈپٹی مینیجنگ ٹرسٹی اور جناب پروفیسر ظہیر الدین احمد بابر سیکرٹری جنرل ہیں حضرت قبلہ مفتی صاحب کے دوسرے صاحبزادے جناب علامہ محمد وحید قادری جامعہ کے ناظم اعلیٰ تعلیمات و مالیات ہیں۔ شعبہ جات:- شعبہ تحفیظ القرآن، شعبہ تجوید و قراءات، شعبہ درس نظامی، شعبہ کمپیوٹر سسٹمز، شعبہ تخصص فی الفقہ، الحدیث و القانون الاسلامی اور شعبہ نشر و اشاعت شامل ہیں حضرت قبلہ مفتی ڈاکٹر غلام سرور قادری کی جتنی بھی تصانیف ہوگی ان کی اشاعت کے لیے مستقل عمدہ البیان پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور کے نام سے ادارہ معرض وجود میں لایا گیا ہے جس کے زیر اہتمام آپ کی تمام تصانیف اشاعت

ہوگی اور دینی ادارہ آپ کی تمام مطبوعات کے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ آپ کی تصانیف تقریباً 55 کے قریب ہیں جن میں خاص اہمیت کا حامل ترجمہ قرآن مجید، عمدۃ البیان فی ترجمۃ القرآن ہے جو کہ اس صدی کا ایک عظیم الشان تجدیدی کارنامہ ہے جلد چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔ انشاء اللہ ایمان افروز اور تحقیقی شاہکار و تصانیف خود مطالعہ کریں اور عزیز و اقارب میں تھکنہ پیش کریں یہ آپ کی سعادت ہو گی اور اس سے خیر و برکت کا وافر حصہ نصیب میں آئے گا انشاء اللہ۔

آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں!

- (1)۔ درود و سلام و شانِ خیر الانام ﷺ
- (2)۔ رد امکان کذب باری تعالیٰ
- (3)۔ مقام علم و علماء
- (4)۔ شرح "الفضل الموهب"
- (5)۔ خلافت اسلام اور مغربی جمہوریت
- (6)۔ مغز و شوقِ اہقر
- (7)۔ قاضی اور سربراہ مملکت
- (8)۔ بیعت کی اہمیت و ضرورت
- (9)۔ مسئلہ اصالہ ثواب
- (10)۔ مسئلہ تصویب (تصویر کا جواز)
- (11)۔ اندائے محمد یا رسول اللہ ﷺ
- (12)۔ نماز سے متعلق تین اہم مسئلے
- (13)۔ پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ (14)۔ تفسیر اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
- (15)۔ شہید غصہ میں دی گئی طلاق کا شرعی حکم (16)۔ تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم
- (17)۔ مسئلہ صلوٰۃ دوستانہ قبل اذان
- (18)۔ اسلام میں میکوں کی شرعی حیثیت
- (19)۔ سورۃ نساء مع اردو ترجمہ و تفسیر
- (20)۔ حج اور قربانی
- (21)۔ عید اسلام
- (22)۔ نوحۃ الاولادین المرحومین

- (23)۔ معرفت خداوندی
(24)۔ پردہ کی شرعی حیثیت
(25)۔ سورہ ملک مع ترجمہ و تفسیر
(26)۔ ذکر و وسیلہ
(27)۔ الشاہ احمد رضا بریلوی
(28)۔ عالم برزخ
(29)۔ مسئلہ علم غیب و وسیلہ
(30)۔ الخلفاء اللہاء
(31)۔ قرآن کیسے جمع ہوا؟
(32)۔ فضائل اہل بیت
(33)۔ مجموعہ حیات اولیاء
(34)۔ عمدۃ البیان فی ترجمہ القرآن
(35)۔ شرح جامی کا اردو ترجمہ
(36)۔ حالات امام بخاری علیہ الرحمۃ
(37)۔ مسئلہ رفع یدین
(38)۔ چہار اسلامی (اردو۔ انگلش)
(39)۔ مخدرات مصطفیٰ ﷺ
(40)۔ مسائل والدہ کل ذکوہ و صدقات (اردو۔ انگلش)
(41)۔ انصافیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
(42)۔ اسلام کا قانون شہادت
(43)۔ معاشیات نظام مصطفیٰ ﷺ
(44)۔ لباس مسنون
(45)۔ انکیشن یا سلیکشن
(46)۔ علماء اور حکمرانوں کے درمیان تعلق کی اہمیت
(47)۔ اسلام میں دائرگی کی شرعی حیثیت
(48)۔ محمد مکیہ
(49)۔ تہتر اسلامی فرستے اور ان کی جہت و عقائد (50)۔ تین اہم مسئلے (نئی ملی اخبار پر کھڑا ہوا)
(51)۔ محمد مومن
(52)۔ شدید غصہ کی طلاق
(53)۔ قیام نظم
(54)۔ پختہ القادری تلمذ ابی الشراہ
(55)۔ شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(رداء کان کذب)

ان درج بالا کتب کے علاوہ حضرت کا ماہانہ مجلہ ماہنامہ البر لاہور کے نام سے عرصہ ۷۷ سال مکمل اور اٹھارویں سال کا آغاز ہو چکا ہے جو کہ امت مسلمہ کے لئے بالخصوص شائع ہو رہا ہے انتہائی اہم موضوعات پر مضامین، تبصرے اور حالات حاضرہ پر ادارے اور لوگوں کے بزنس کی تشہیر اس کے حسن و قدر میں اضافے کا باعث ہو رہی ہے آج ہی اخبار ہا کر یا ایک اسٹار سے نام لے کر ماہنامہ البر لاہور طلب فرمائیں تاکہ آپ اپنے گھریلو ماحول کو دینی، روحانی اور اصلاحی پہلو میں خود کفیل بنائیں۔ یوں تو آپ کی ہر کتاب علم کا ایک خزانہ ہے مگر وہ کتابیں جو آپ نے کسی کے جواب میں "علمی و تحقیقی جائزہ" کے نام سے لکھیں یا کسی کی علمی و تحقیقی اغلاط کی نشاندہی میں لکھیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں مثلاً "درو و اسلام شان خیر الامام" جناب جسٹس نقی عثمانی دیوبندی عالم کے جواب میں لکھی گئی اور "ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کی کتاب تو حید اور وجود باری تعالیٰ کا علمی و تحقیقی جائزہ" بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے آپ کی کتب ایک عرصے سے کراں ہیں دینی روحانی اصلاحی علم حق کے مستاشی ان کتب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے علم نحو کی مشہور کتاب الکافیہ کی عربی شرح الوانیہ پر چار جلدوں پر مشتمل عربی میں تحقیق و تخریج لکھی، الکافیہ جو کہ پورے عالم اسلام کے دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی عربی زبان میں شرح فرما کر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی (دکتورہ) کی ڈگری حاصل کی

نیز طبیب کا کچ لاہور میں چار سالہ طب کا کورس کر کے گورنمنٹ سے طبیب کی ڈگری بھی حاصل کی۔

علمی و دینی ذوق :- آپ کے علمی و دینی ذوق کا یہ حال ہے کہ اپنی آبائی زمینیں اور مکانات جو آپ کے ورثے میں آئی تھیں سب بیچ کر مدرسہ اور لائبریری پر خرچ کر دیا اور سارا دن لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ اور تحریر و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے صاحبزادوں کو بھی ایسی لائسنس پر چلایا آپ کے بڑے صاحبزادے احمد سعید قادری ہونیوڈا کنڑ اور بہترین عالم ہیں جامعہ کے وائس چانسلر اور دس نکھائی پڑھاتے ہیں اور دوسرے صاحبزادے علامہ محمد وحید قادری درس نکھائی کے فاضل اور یونیورسٹی سے ایم۔ اے ہیں وہ بھی جامعہ کے استاذ و ناظم اعلیٰ و تعلیمات ہیں اور تیسرے صاحبزادے علامہ محمود عبید قادری درس نکھائی سے فارغ و انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی لاہور اینڈ شریعہ ہیں جو تھے بیٹے محمد حماد قادری نے ایف۔ اے کے بعد درس نکھائی شروع کیا جو درس نکھائی کے دوسرے سال میں زیر تعلیم ہیں اور پانچویں سب سے چھوٹے بیٹے محمد باذل قادری قرآن پاک حفظ کر رہے ہیں۔

تفصیل غیر ملکی تبلیغی دورے :- قبلہ ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری صاحب مصنف کتب کثیرہ، دینی خدمات کے جذبے سے اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں۔ صدر جنرل ضیاء الحق شہید کے زمانہ میں آپ نے چین کا انتہائی کامیاب سرکاری دورہ کیا۔ جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی درخواست پر آپ جنوبی افریقہ کے

کئی دورے کر چکے ہیں بلکہ ۱۹۸۶ء میں جنوبی افریقہ کے دورے کے دوران (شہر کیپ ٹاؤن) مرزا نیوں کے ساتھ تین دن تک مناظرہ و مناظرہ با آخر میں مرزا کی لیڈر سلیمان ابراہیم لا جواب ہو کر مرزا نیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح کے کئی مناظروں میں حضرت کاظمی علیہ الرحمۃ نے آپ کو بھیجا تو ان کی دعا سے ہمیشہ آپ کامیاب و فتیاب رہے۔

(لیڈی سمٹھ) میں دیوبندی مولانا عبدالرزاق سے خاتم دیوبندی گستاخانہ عبارات پر مناظرہ ہوا جس پر انہوں نے اقرار کیا کہ واقعی یہ عبارات گستاخانہ و کفریہ ہیں اس مناظرہ کی بھی کیسٹ موجود ہے آپ برطانیہ کا بھی چار دفعہ تبلیغی دورہ کر چکے ہیں ایک موقع پر آپ سلطان باہوٹرسٹ یو۔ کے ٹھہرے ہوئے تھے کہ مرزا طاہر احمد نے (جنگ) لندن میں فتنہ نبوت کے حوالے سے ایک بیان دیا جس پر گرفت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے اسے بھی مناظرہ کا چیلنج کیا جو کہ برطانیہ (جنگ) اخبار کی شہ سرفی سے یہ خبر شائع ہوئی جس پر مرزا طاہر احمد نے مناظرہ کرنے اور گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح آپ متحدہ عرب امارات کی مرتبہ تبلیغی دورے فرما چکے ہیں۔ یورپین ممالک جرمنی، ہالینڈ، انگلینڈ، سکاٹلینڈ افریقہ اور متحدہ عرب امارات کے بھی دورے کر چکے ہیں ان ممالک کے علاوہ تقریباً اکثر ممالک میں آپ کے کثیر تعداد میں سریدین ہیں علاوہ انہیں پاکستان میں بھی اراد مندوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے چونکہ کویت میں علاقہ اراوت ہے وہاں ایک مرتبہ تشریف لے گئے تو دورہ کویت کے دوران کویت کے سابق وزیر برائے مذہبی امور

طریقت علامہ سید یوسف ہاشم الرفاعی جو دین اسلام اور خصوصاً مسلک اہل سنت کی مثالی خدمات سر انجام دے رہے ہیں ان کی موجودگی میں قبلہ مفتی صاحب نے عربی میں خطاب فرمایا اور اعلیٰ حضرت کے کچھ فقہیہ کلام حدائق بخشش کا بھی عربی میں ترجمہ کر کے اس کی تشریح فرمائی۔ جس پر قبلہ رفاعی صاحب بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے فقہیہ کلام حدائق بخشش کا عربی ترجمہ فرمادیں۔ جو کہ مسلک حق اہل سنت کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور اہل عرب اس سے خوب استفادہ کر سکیں گے۔ آپ نے پاکستان میں بھی کئی مناظرے کئے جبکہ بیچہ وطنی میں ایک مشہور عیسائی پادری سعید اسکا سے دن مناظرہ کیا آخر میں وہ بھی آپ کے علمی دلائل کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا اور توبہ کر کے مشرف باسلام ہو گیا جو عیسائی پادری تاب ہوا اس کا نام احمد سعید رکھا گیا آج کل وہ کراچی میں ایک مبلغ اسلام کی حیثیت سے خدمات سر انجام دے رہا ہے علاوہ ازیں موضع کبیر میں دربار شریف حضرت پناہ سے مایحہ مسجد میں ایک قابض راجہ بندی خلیفہ نے مناظرے کا چیلنج کیا جب حضرت مفتی صاحب علماء اہل سنت کی معیت میں وہاں پہنچے تو مذکورہ مولوی صاحب میدان سے بھاگ گئے۔ آخر میں ۱۱۳۱ ہجریوں کے اسماء گرامی جن سے آپ کو خلافت ملی ہے۔

شریعت و طریقت کی سندیں و خلافتیں

- ۱۔ حضرت قبلہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ قادریہ و نقشبندیہ و سہروردیہ کی خلافت۔
- ۲۔ استاذ العلماء و شیخ طریقت حضرت غلام جہانیاں علیہ الرحمہ (ذہری) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ چشتیہ معینیہ فریدیہ کی خلافت۔
- ۳۔ مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان دہلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ نوریدیہ کی خلافت۔
- ۴۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کی سند کے ساتھ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مظاہریہ مجددیہ کی خلافت۔
- ۵۔ مفتی عرب و عجم قاسم مدینہ منورہ ضیاء الامت حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ کی و سلسلہ اشرفیہ پکچوچہ شریف و سلسلہ جہانویہ کی اور حضرت قاسم مدینہ منورہ ضیاء الامت حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ اور امام یوسف بن اسماعیل بن ابی علیہ الرحمہ سے باہر امت خلافت حاصل تھی۔
- ۶۔ استاذ العلماء فقیہ امت حضرت مفتی محمد اعجاز ولی خان علیہ الرحمہ (لاہوری) سے علوم شریعت کے ساتھ سلسلہ عالیہ قادریہ حنفیہ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کی خلافت۔
- ۷۔ حضرت سیدنا طاہر عابد الدین بخاراوی علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ کی خلافت۔

۸۔ شیخ الاسلام حضرت امام محمد بن زکریا مدنی انصاری (مدینہ منورہ) سے علوم شریعت کے ساتھ چاروں سلسلوں کی خلافت۔

۹۔ شیخ الاسلام حضرت امام سید محمد بن سید علوی مانگی مکی (مکہ مکرمہ) سے چاروں سلسلوں کے علاوہ جملہ بلاد عرب و عجم کے مشائخ کبار کے جملہ مسائل شریفہ کی اجازت و خلافت۔

۱۰۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سر دار احمد علیہ الرحمہ (فیصل آبادی) سے خلافت۔

۱۱۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی ابو برکات سید احمد الوری رحمۃ اللہ علیہ لاہور سے خلافت۔

۱۲۔ سلطان الفقراء والصلوٰیہ حضرت قاسم رسول ریاض آبادی (مانڈلی) خلیفہ حضرت ابو سید مر علی شاہ گلاوی علیہ الرحمہ سے خلافت۔ یہ نہیں آپ سے متعلق معلوماتی گزارشات جو کہ خطا تحریر میں لائی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت ایسے پاکان امت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے امین

دعائے

بہجنگ و از بکمر

عبد القیوم پبلشرز (رجسٹرڈ) لاہور

اظہار خیال

استاذ الاشراف، رئیس الخطباء، حضرت

علامہ مولانا سید **عبد القادر شاہ** صاحب

حکیمانی ایما سے، ایل ایل بی و فاضل مسقطی

یونیورسٹی، اوپنٹھی۔

باسمہ تعالیٰ

ناچیز نے کتاب کے جسے جتنے عنوانات اور زیر بحث مسائل کا مطالعہ کیا۔ قلم تحت کے پیش نظر بالاستیعاب دیکھنے کی سعادت تو حاصل نہ ہو سکی، تاہم جس جس مسئلہ پر غور کیا، اس میں حضرت مصنف کو تحقیق کا درجہ سے موجزن پایا۔ حضرت مفتی صاحب قدیم و جدید علوم سے بہ تمام و کمال خبر رکھتے ہیں۔ آپ جہاں دینی علوم میں ایک استاد الحدیث و استاد الادب العربی اور ایک مفتی اسلام کا مقام رکھتے ہیں، وہاں معاشی و اقتصادی علوم میں ایک بلند پایہ مفکر اور چوٹی کے محقق کا درجہ بھی رکھتے ہیں، زیر مطالعہ کتاب کی بے بہا تحقیقات اس حقیقت کی دلیل وافی ہیں۔ معاشیات پر جسے خشک مضمون کو حضرت مصنف نے اپنے طرز نگارش اور حسن اداسے بڑا رنگین و

حسین اور دلچسپ اور دلربا بنا دیا ہے۔ دو برعاصر میں جس قدر کتب اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں انہیں سے اس کتاب کا امتیاز اس کی حسین زبان، فقہی تحقیق اور شرعی موقف و شرعی اصولوں کے میزان پر دو برعاصر کی معاشیات کو پرکھنا ہے۔

اللہ کریم حضرت معصوم کو توفیق رفیق فرماتے کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح کی دینی خدمات اور اپنی بلند پایہ تحقیقات سے ملاحشیانِ علم و آگہی کو فیض یاب فرماتے رہیں۔ آمین۔

ہاجرت سید عبدالقادر علانی ایم اے ایل

ایل بی فاضل محکمہ یونیورسٹی خلیفہ

(دادلپنڈی چھاؤنی)

قطب

تقدیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ گرامی! کیا یہ حقیقت بھی محلِ شک ہو سکتی ہے کہ آپ کے دکھوں کا علاج کارل مارکس اور سٹین کے نظریات نہیں، کتابِ الہی اور سنتِ سید المرسلین ہے آپ کے زخموں کا مرہم ماسکوپیکنگ اور واشنگٹن میں نہیں۔

گنبدِ خضر کے سایہ رحمت میں ہے

آپ کی غربت و افلاس اور فاقہ کی دوا دشمنانِ اسلام کے ساختہ کیشیل ازم، شیل ازم اور کمیز ازم نہیں، فلاحی تحقیق کا دیا ہوا نظام "نظامِ مصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور کیا یہ حقیقت مسلمہ نہیں کہ یہ نظام ہر گز بھی ہے اور فطری بھی جو ہر دوز میں ہر انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے۔

ایک مسلمان جو نے کج حیثیت سے اپنے دل کی کہیے کہ جب یہ حقیقت شک و شبہ سے بالا اور مسلمہ ہے تو مغرب کی تہذیب و روشنائی اسلام کے بین الاقوامی وسیع پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات سے ہمارے دور جو نے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اگر ہم میں عقل و شعور کے نام کی کوئی چیز موجود ہے، تو ہمیں اس حقیقت کا اعتراف و یقین کرنا پڑے گا کہ جو ہم اقوام عالم میں اپنا مقام جہان بینی و جہان گیری کھو کر مسلسل آلام و مصائب سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روگردانی کر کے یورپ کے باطل اور یہود و نصرانیہ کی تائید ہو چکے ہیں۔

یورپ کی غلامی پر رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو گونج سے ہے یورپ سے نہیں

نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالعہ
آئیے! نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا
مطالعہ کیجئے کہ آپ کو از خود محسوس ہوتا
چلا جائے گا کہ نظام مصطفیٰ کا شفقت میرا ہتھ آپ کی مشکلات و مصائب کی بعض کی رفتار
پر پوری طرح حاوی ہے۔

جس نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عادلانہ طرز عمل اور مساوات محمدی کا منصفانہ
طور و طریقہ جاری و نافذ ہوگا، تو ہمارا جہن جیات بہر مطلق العنان آمدن کی ذاتی اغراض اور
ہوئی پرستی سے پر مملو ہو چکا ہے، کھل اٹھے گا اور پرہیزگار ہو جائے گا۔

ظلم و ستم اور افلاس و فاقہ کے گھاٹوں پر اندھیروں میں مبتلا اٹھنے والے

نظام مصطفیٰ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے تھامو۔ واعتصموا بحبل اللہ
پر عمل کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آ جاؤ، جہاں آپ روشنی ہی روشنی دیکھیں گے۔

انصاف کی روشنی، حقوق انسانی کی روشنی، امن و اخوت، باہمی انس و الفت
اور محمود و ایاز کو ایک صف میں لاکر کھڑا کرنے والی سادات حقیقی کی روشنی ہے
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رانا نہ کوئی بندہ نواز

برادران محترم! حالاتِ حاضرہ کا مطالعہ تو کرو، آنکھیں کھول کر تو دیکھو زور
میں انسانیت دم توڑ رہی ہے، محنت کشوں، کمزوروں اور کاشت کاروں سے کولہو
کے پیل کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے، تنقید و احتجاج کی زبان پر فہر سکت رگادی گئی
ہے، دہلی کے باسیوں کا حال تو معلوم کرو کہ ڈکیتروں کی ڈکیر دہشت ہے، انہیں دلی کی
بات کہنے کے فطری حق سے محروم کر دیا ہے۔ وہ انسان نما جانور بنا دیئے گئے ہیں۔

خدا را! آئیے اپنے خالقِ حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے دیے ہوئے ضابطہ حیات
یعنی نظام مصطفیٰ کو اپنا کر خاہری و معنوی جہان گیری کا لطف اٹھائیں اور یقین جانیں کہ
اس نظام کو اپنائے بغیر بیماری و معاشی اور معاشرتی زندگی کسی نہیں سدھ سکتی۔ البتہ اس
کے برعکس بے دینوں کا پیچہ اسٹنداد اپنی ظلم گرفت میں لے کر عین زور کا محتاج کر کے
رکھ دے گا۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار و جہم

آج بمطابق الکفر ملتہ واحدة
کفر ملت احد ایک حقیقت مسلمہ

منظم طریقے سے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ یہ طاغوتی طاقتیں نظام مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرنے اور اسے مٹانے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کر رہی
ہیں اہل کفر کو نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زبردست خطر ہے، وہ آپس میں
شورے کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

الحمد آتین پیغمبر سے سو بار الحمد
 حافظ ناموس زن امرہ آزاد میں
 چشم عالم سے ہے پوشیدہ آتین خوب
 یہ غیبت کہ خود مومن ہے محروم نفس
 نور دین جسکی تجسیریں طلسم شش جہاں
 ہونہ روشن اس خدا پیش کی ابریکات
 تم اسے بیگانہ کہو عالم کو دار سے
 تا بساط زندگی میں ایکے سب کے میں راہ

سرت دکھو ذکر و فکر صیوگا ہی میں اسے

پختہ ترک و مزاج خالق ہی میں اسے

گزشتہ دنوں سرزمین پاکستان میں غیر مسلم اقوام کے ایجنٹوں کا سوشلزم کا نعرہ لگانا اور
 نظام مصطفیٰ پر کھلی تنقید کرنا اسی سازش کی ایک کڑی تھی اور بلاشبہ رٹنی پکڑے مکان کی
 پرفریبے مکارانہ صدا نظام مصطفیٰ کو روکنے کی ایک کردہ کوشش تھی۔

آج دوحید الشہداء اور اوی کر بلا سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ بڑی صفت سرا یا ظلم و تم اور دین
 دشمن اور ظالین عناصر کا ساتھ دینے کی بجائے انکا ساتھ دیجیے جو امام اعظم حضرت ابو حنیفہ شاہ عبدالحق
 محدث دہلوی و حضرت مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جرات
 کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے تن من و دھن کی بازی لگانا
 کریدان عمل میں آئے ہوئے ہیں۔ ایسی کٹھن گھڑی میں خالقوں اور جبروں میں بیٹھ جانے
 کی بجائے اسلام اور وطن کی حفاظت کے لئے سراپا سنی عمل بن کر نسبت شہیری کو زندہ کیجیے
 نکل کر خالقوں سے ادا کر دین شہیری کہ فخر خالق ہی ہے فقط اند وہ دگیری

اسلام کے سنہری نظام کی ترویج و تنقید کے لئے کوششیں کی جا رہی
 اسکا امداد میں اس سلسلے میں باہمی اتحاد و اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان

کوششوں میں شرکت عمل جو چاہیے۔

خدا تعالیٰ صدیق پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو اسلام کے نظام کو مشکل
 دہ بلا تاجر نافذ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

شہ از ساقی نہ از پیانہ گفتیم حدیث عشق بیجے باکانہ گفتیم
 تشنیدم آنچہ از پاکان امت ترا با شوخی زندانہ گفتیم

وقت فرصت کہاں کام ابھی باقی ہے

نور توحید کا اچھا کام ابھی باقی ہے

منقہ غلام سرور قادری ایم اے اسلامک ایم اے
 عربی ایم اے علوم اسلامیہ پرنسپل جامعہ غوثیہ
 مارکٹ گبرگٹ لاہور

فقط

۲۱
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغاز

کبھی اے نوجوان مسلم تدبیر بھی کیا تو نے
وہ کیا گروں تھا تو جس کا ہے اک ٹٹا ہوا تارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے وہ صحرانشین کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہان بان و جہان آرا

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
شریاء سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

نظام مصطفیٰ اور مسلمہ اقتصاد و معاش

آج جبکہ اقوام عالم اقتصاد معاش کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے ہیں بلکہ ان کے حل کے لئے تمام ممکنہ معاشی بروئے کار لائے ہوئے ہیں۔ لیکن ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق اقتصاد و معاش کے مسائل کا بحران روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔

اس امر کی ضرورت ہے کہ پیغمبر آخر زمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کی روشنی میں اقتصادیات و معاشیات کے بحران کا حل تلاش کیا جائے ہمیں یقین ہے کہ زندگی کے باقی مسائل کی طرح اقتصاد و معاش کے مسائل کا حل بھی نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی موجود ہے۔ بشرطیکہ طلب صادق اور جذبہ عمل شامل حال ہو۔

تجھ سے میری زندگی سوز و تپ درد و داغ
تو ہی میری آرزو تو ہی میری جستجو

اقتصاد و معاش کا مفہوم

اقتصاد و قصد سے اخذ ہے اور قصد کے معنی ارادہ کرنے اور میانہ روی اپنانے

کے ہیں۔ چنانچہ حضرت شریف ہیں ہے الْقَصْدُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى یعنی تنگ دستی اور خوشحالی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا پریشانیوں سے نجات دلانا ہے اقتصاد (Economy) اور معاش و معیشت (Livelihood) اگرچہ دو مختلف لفظ ہیں اور ان کے معنی بھی لغوی طور پر الگ الگ ہیں تاہم علم الاقتصاد (Economics) کی دوسرے دونوں "میانہ روی" اور بھی گزر بسر کے ساتھ زندگی گزارنے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہمیں چونکہ اس کی لفظی بحث کی بجائے اس کی عملی صورت پیش کرنا ہے اور ساتھ ہی اس کے نفاذ میں جو برکتیں مضمر ہیں ہمیں انکی نشاندہی کرنا اس لئے اس کے مقصود بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مقصود بحث

یہ ہے کہ نظام مصطفیٰ جسے دوسرے لفظوں میں

اسلامی نظام بھی کہا جاتا ہے وہ بے مثال نظام

ہے جو بلاشبہ خوشحالی اور خوش عینی کی مکمل ضمانت (SURETY) دیتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ نظام مصطفیٰ کے سوا کوئی نظام ایسا نہیں جس کے ماننے والے اپنی دولت ہاتھوں پر لے پھرتے ہوں لیکن پوری ریاست میں کوئی لینے والا ہی نہ ملا جو

نظام مصطفیٰ کی معاشی اساس

یہ ہے کہ ہر فرد کو جملہ معاشی

ضرورتیں میسر ہوں اور کوئی فرد کسی بھی معاشی ضرورت سے محروم نہ رہے۔

اس لئے یہ نظام ایسے اسباب و علل کا قلع قمع کرتا ہے جو معاشرہ کے افراد کے باہمی

نعم اسبہ اور بوٹ کھوٹ کا موجب بنیں یا جن کے ذریعے کوئی فرد یا جماعت دولت کے ذرائع و وسائل پر قابو پا کر اسے اپنے ہاتھوں میں سمیٹ سکنے کے قابل ہو جس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر معاشی توازن قائم نہ رہ سکے۔

موجودہ معاشی ناہمواری اسلام کی نظر میں

انسانوں کے درمیان اس قدر معاشی کی نظر میں لائق بڑاشت نہیں البتہ لوگوں میں اس حد تک معاشی فرق ایک فطری بات ہے کہ کسی طرح بھی اجتماعی زندگی افرادیت کی تیغ سے گھائل نہ ہونے پائے اور عوام کی فلاح و بہبود کسی صورت میں بھی چند افراد یا ایک خاص طبقے کی اغراض کے تابع ہو کر نہ رہ جائے

رزق کی وسعت و تنگی بلاشبہ خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ مانی اور معاشی اعتبار سے اس قدر تفاوت کہ کوئی محروم معیشت نہ ہو مگر کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ ہو یہی ذکر شدہ قدرت ہے۔

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

اس میں ارشاد انت البیہ لا یخطیہون

اللہ یبسط الرزق لمن یشاء

و یقدر

واللہ فضل یفضل من یشاء

بعض فی الرزق (درعدا)

دوسرے پر فضیلت دے دیتا ہے۔

مندرجہ بالا ارشادات الہیہ سے اس بات پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے کہ مال و دولت میں معمولی تفاوت ایک فطری اور قدرتی بات ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی تحریر مصلحت پر مبنی ہے۔

سب کھیلے بے تحاشا معاشی خوشحالی
خدا تعالیٰ کی مصلحت تکوینیہ کی خلاف ورزی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے :

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ

أَوْ رَزَقَهُمُ الرِّزْقَ الْفَاحِشَ لَفُتِنُوا بِهِ

لَا يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

الرِّزْقَ الْفَاحِشَ وَلَا يَتَّبِعُونَ

تک کہ اکثر کی وکیل نہ ہو بھی اسی فطری تعادلات کو مٹانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔
لیکن ان کا نعرہ مساوات محض قریب اور حصول اقتدار کے لئے ہوتا ہے تاکہ
جسے چاہے بے شعور لوگ ان کے دام فریب میں آکر ہمیشہ کے لیے ان کی غلامی میں آ
جائیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر روز روشن کی طرح واضح ہے جسے خدا تعالیٰ
نے ضیاء شعور بخشی ہے۔

خداوند ہم کو ضیائے شعور دے
چشمِ قہر کو اپنی جہت سے نور دے

موجودہ معاشی ماحموری کا ذمہ دار کون
دراصل ملکی نظام حکومت جو
سرمایہ داروں اور جاگیرداروں

کے ہاتھ رہا ہے جس کے فیصلے میں میر میر تراز و غرب غریب تر ہوتا چلا گیا۔

(ب) عدم مساوات یعنی موجودہ معاشی ماحموری کا ذمہ دار غیر اسلامی معاشرہ
ہے یہ ماحموری رسول کے زمانہ سرمایہ داری نظام کا شاخسانہ ہے جو اس وقت برطانیہ
فرانس اور امریکہ وغیرہ میں رائج ہے۔ اس آمرانہ نظام کے کل پُرزوں نے معاشی نظام اور
باقی ساری آبادی کو معاشی بد حالی کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ اس طرح سے اشی
فیض آبادی کا ہر فرد افلاس و غربت کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

قیدی ہوں اور قفس کو چین جانتا ہوں میں
غربت کے غمگین سے کو وطن جانتا ہوں میں

ایک طرف تو بڑے زمیندار اور جاگیردار ہیں جن کے پاس اتنی اراضی ہے کہ ان سے
سنبھالی نہیں جاتی۔ ان کے کتے دودھ پیتے اور سرخ و بیز رنگ کے گوشت سے پتے ہیں اور

دوسری طرف ایسے مزارعین، کسان اور کاشت کار ہیں ان کے بچوں کو دودھ اور گوشت
تو کجا خشک پانی اور تازہ روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی اسی طرح ایک طرف تو بڑے بڑے گھانا
صنعت کار اور سیٹھ صاحبان ہیں جن کی بابائے آمدنی لاکھوں روپوں سے متجاہز ہے اور
دوسری طرف وہ بد قسمت مزدور کم آمدنی والے لوگ ہیں جنہیں مزدور ریات زندگان کہتے ہیں
جنہیں اور وہ معاشی الجھن کے بھنور میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ خوشحالی کی منزل کا کوئی نشان
نہیں دیکھ پاتے

منزل کا اشتیاق ہے کم کردہ راہ ہوں
اے شمع! میں سپر فریب نگاہ ہوں

ایک طرف تو ایسے افسرانِ حکام عالی مقام ہیں جو بابائے تنخواہوں والاؤں ہوں اور
رہائش گاہوں کی صورت میں قومی خزانے سے ہزاروں روپے پارہے ہیں اور دوسری
طرف وہ ادنیٰ ملازمین ہیں جن کی بابائے تنخواہیں ان کی روزمرہ کی ضروریات تک کے لئے
ناکافی ہیں۔!

مزید برآں سیاسی رشتہ توں رات پریشوں ایمپورٹ لائسنسوں اراضی کے عطیات یعنی
جاگیر بخشوں، صنعتی اجارہ داروں اور صنعتی تنظیمات نے سرمایہ داروں کی سزناؤں کی
اور دولت مندوں کی دولت میں مزید اضافہ کیا ہے اور دوسری طرف ناجائز گرانہوں اور
رشتہ ستائینوں نے ملک بھر کے عوام کی کمر بخت توڑ کر ان کی آمدنوں کا خون کر کے رکھ دیا ہے
آرزوں کے خون سے رنگس ہے لی کی داستان انسان سرمایہ اضطراب انتشار و پریشان
سرمایہ دارانہ نظام کے مخالفوں کی حکومت نے بھی ملک عوام کو جس طرح
مجبوریت سے دوچار کیا اس سے ملک کے غریب عوام ایک اور خطرناک معاشی بحران میں

پھنس کر رہ گئے، بلکہ ان کی زندگی جانوروں کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔
 ہٹکنے والے مسافر جب یہ ہستی ہے
 جو اوج ایک گاہے دوسرے کی ہستی ہے

آخر حوام کو اس بات کا شدت سے احساس ہو گیا ہے کہ یہ معاشی ماحول ہی یعنی یہ
 فرعون سامانی اور فاقہ کشی خدا تعالیٰ کی مرضی و پسند پر ہرگز مبنی نہیں ہے، بلکہ یہ غیر
 اسلامی معاشرہ کا نتیجہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَصَحَّحْنَا فِی السَّبْتِ وَالْبَعْضِ
 تَخْشَىٰ اَدْرِیٰ مِیْنُ فِیْهِ فِیْهِ لَیْسَ
 بِمَا حَضَرَتْ اَیْدِی النَّاسِ لَیْسَ
 بِطَعْنِ السَّوْءِ عَمَّنْ الْعَبْدُ
 یَزِجُّوْنَ ۝ ۱۰ ۝

عرض کیا کہ اسلام کے معاشی نظام میں زمیندار اور مزدور اور صنعت کار مزدور
 کی طبقاتی جنگ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی اسلام کے معاشی نظام میں اس غیر نظری
 اور پچھلے کا کوئی تصور ہے کہ ایک طبقہ بے پناہ سرمایہ و دولت کا مالک ہو جائے اور دوسرا
 ملک کی آبادی کا اتنی فیصد طبقہ فقر و فاقہ کا شکار ہو کر دولت و رسوائی کی زندگی گزارنے
 پر مجبور ہو، بلکہ اسلام کا معاشی نظام لوگوں کو معاش کے سلسلے میں مساوی حقوق دے کر
 انہیں طبقاتیت کی کشمکش سے بالاتر کر کے ان میں اخوت و محبت کی فضا پیدا کرتا ہے
 نتیجتاً وہ صرف خوشحال ہی نہیں، بلکہ نفسی نفسی اور جوس پرستی سے بھی پاک ہو کر آپس میں
 بھائی بھائی ہو جانے لگتے ہیں۔

جو کس نے کر دیا ہے مگر سے مگر سے نوح انسان کو
 اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

اسلام کے معاشی نظام کی خوبوں کا ایک اجماعی الفاظ کہ
 انحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی پیش گوئی

قَوْلُ اللَّهِ لَيُؤْتِيَنَّكَ اللَّهُ الْغَنَاءَ ۚ
 يَغْنِيكَ فِيمَا رَزَقَكَ اللَّهُ ۚ
 مَا تَعْنِي دَارُ الْمَالِ ۚ
 كَثْرَتُكَ مَالًا ۚ
 كَثْرَتُكَ مَالًا ۚ
 كَثْرَتُكَ مَالًا ۚ

کے مطابق خلافت راشدہ کے اواد میں انوار میں عام خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ مسلم و کافر
 مومن و مشرک امرو و عورت چھوٹے اور بڑے کو امتیاز کیے بغیر اس وسکون کی ایسی زندگی
 میسر تھی کہ لوگ صدقات کے مال کو لیے لیے پھرتے مگر اسے قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا

مرد و بن شیعہ و ایت ہے کہ حسب سے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ

کو عین کا گورنہ بھیجا وہ چند ہی رے اختی کے خلافت حدیقہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ
 عنہ کے تحت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد واپس آئے تو حضرت عمر نے بھی انہیں
 واپس سابقہ خدمات پر بھیج دیا تو ایک مرتبہ حضرت معاذ نے حضرت عمر کے پاس امر کر کے
 عین کی زکوٰۃ کا تیرہ حصہ بھیجا حضرت عمر نے اعتراض کئے تو فرمایا کہ میں نے تمہیں مال
 جمع کرنے پر زکوٰۃ و جزیرہ وصول کرنے کو نہیں بھیجا تھا، بلکہ اس لئے کہ وہاں کے امیروں سے بے
 کہ امر کو بھیجے کی بجائے وہاں کے ہی ضرورت مندوں میں بانٹو۔

اس پر حضرت معاذ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کے ہاں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جسے قبول کرنے والا یہاں موجود ہو، پھر اگلے سال اُدھی ذکوۃ بھیجی، پھر حضرت عمر اور حضرت معاذ میں حساب لگفتہ ہوئی اور تیسرے سال کے بعد مین کی ساری ذکوۃ مدینہ آگئی۔

حضرت عمر نے وہی بات کہی تو حضرت معاذ نے جواب دیا کہ یہاں مین میں ایک حضرت مند بھی نہیں ملتا جو مجھ سے صدقہ و ذکوۃ لینے والا ہو۔

کتاب الاموال ص ۳۷ ج ۲۔

اسلام کے معاشی اصول قرآن کی روشنی میں | قرآن کریم نے اپنی روش

طرح معاشی مسائل کو گھبراہٹ اور کلیاتی انداز میں سمجھنا اور اشتعال و جارحیت کے ساتھ بیان کر کے ان کی تفسیر و تشریح "لتعبدنہ" للآس اور الذی یستعظونک کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور فقہاء کرام کے اجتہاد و استنباط کے سپرد کر دیا گیا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ فِي الْأَرْضِ إِنَّ
عَلَى اللَّهِ وَرَدُ خَيْبًا (ھمیں)
وَجَعَلْنَا لَكُمُ فَيْسًا مَعَكُمْ شِئ
فَمَنْ لَكُمْ لَهُ بَرَاءٌ بَيْنَ (حجر)
۱۶۱ قَدْ مَرَّ فِينَا مَقَرُّكُمْ
أَمْ لَكُمْ آيَاتٌ مَعَكُمْ إِلَّا لِلنَّاسِ
(خروج سجدہ)

۱۶۱ کا ترجمہ اس احتمال کی بنا پر ہے کہ سوانہ بمعنی مستویہ ضمیر سے حال ہوا و رلت بدین
اس سے مشتق ہوا سوانہ بمعنی مستویہ مبتدئ سے حذف کی خبر ہو چنانچہ روح المعانی میں ہے
وَقِيلَ مَنْعَنْقُ بِسَوَاءٍ عَوْنِي
بِقَدِّ الْحَالِ مِنَ الصَّبِيحِ وَالْمَعْنَى مَقَرُّكُمْ
مَهْلِكَةٌ لِلَّهِ خَلَّاجِينَ السَّيِّئِينَ وَتَعْمَلُونَ
مِثْلَ الْمُحْسِنِينَ إِلَيْهِ جَاءَ الْبَشَرُ
(۱۶ ص ۲۲)

واضح ہو کہ یہاں برابر سے مراد نفس حقوقی معاشی میں برابری
ہے درجات میں نہیں تاکہ تفاضل فی الرزق والی آیات سے تعارض

نہ ہو۔

غرضیکہ آیات بالا سطورہ میں تمام لوگوں کے درمیان خواہ مسلمان ہوں یا کافر حق

معیشت میں مساوات کا جس قدر عصارہ اور صریح بیان ہے وہ کسی عقل مند اور اہل علم
سے پوشیدہ نہیں ہے

اے کریمے کہ از خزانہ نعیمت گبر و ترسا و ظیفہ خور داری
دوستان را کجا کنی محروم تو کہ باد شمنان منظر داری

سب برابر حقوق معاش فراہم کرنا سربراہ مملکت کی ذمہ داری ہے

تعالیٰ کے اس مقصد عظیم کی تکمیل کا ذمہ دار ظیفہ وقت اور سربراہ مملکت ہے، سربراہ مملکت
اور ظیفہ وقت کی قلمرو میں ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو معیشت کے خدا و حقوق سے محروم ہو
اور جو سربراہ مملکت اس ذمہ داری کو پورا کرنے اور عامۃ الناس کو معاشی حقوق فراہم کرنے
سے قاصر ہو، وہ تیاست الہیہ یعنی اقدار کا اہل نہیں ہے، چنانچہ جناب میدنا فاروقی اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر میری حدود سلطنت میں ایک انٹ بھی بھوک سے مر گیا
تو میں روز قیامت خدا کے حضور اپنے آپ کو اس کا جواب دہ سمجھتا ہوں۔

غرضیکہ بندہ و مولا حقوق معاش میں برابر کے مستحق ہیں، کسی کو کسی پر تفضیل و تفریق
نہیں، یہی قرآن کریم کے معاشی اصول کا مقتضی و مدعی ہے

پیش قرآن بندہ و مولا یکھے است

بزرگ و مسند و دیب یکھے است

مشکوٰۃ شریف میں مسلم قرآن

کے حوالہ سے حضرت ابوسعید

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

خصوصاً صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے زائد مال

کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا

کُلَّ لَاصُغَابِ لَیْ

کی ترغیب ہے۔

غریبکہ ہمدردی و احسان کی ترغیب پر معنی بہت سی آیات و احادیث میں چہ نہیں
اشتراک لوگ نا انہی سے مساوات کی بجائے غیر فطری مساوات پر محمول کرتے ہیں۔

مساوات و ہمدردی کے مواقع

مساوات اور ہمدردی کے مواقع الگ
الگ ہیں حقوق واجبہ و ضروریہ میں مساوات

ضروری ہے مثلاً کسی کی دو بیویاں ہیں تو اس پر فرض ہے کہ انہیں مساوات و برابری سے
رکھے، لیکن باہمی ہمدردی و صلہ رحمی اور سلوک و احسان میں مساوات و برابری ضروری
نہیں۔ مثلاً ایک شخص خیرات و صدقہ میں ایک درویش و فقیہ کو دس روپے دیتا ہے اور
دوسرے کو بیس روپے اس میں سرح نہیں ایسا کرتے سے وہ گناہ گار نہ ہوگا مگر حقوق واجبہ
کی صورت میں برابری نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا

یہ فرق ذہن نشین رکھنا چاہیے لیکن اشتراک کی اس حقیقت سے اغماض کر کے خود بھی
ٹھوکر کھاتے ہیں اور دوسرے ناواقف لوگوں کو بھی فریب دیتے ہیں۔

از فریب عصر نو ہستیارباش

وہ فتنہ اہر و ہستیارباش

اسلامی نظام معیشت میں کئی بھوکا نہیں رہ سکتا

مولانا ابی صاحب

نے علامہ ابن حزم

ظاہری کے حوالے لکھا ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اسلام کے
بیت ائمال میں اس قدر رنجائش نہ ہو کہ محتاجوں کی کفالت ہو سکے تو خلیفہ وقت یعنی
سربراہ مملکت ارباب دولت کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کے لیے

اپنے فاضل مال سے اس قدر دے دیں جس سے انہیں ضرورت کے مطابق کھانا، گرمی و سردی
کا لگب لگب لباس اور رہنے کے لیے بارش و دھوپ اور سیلاب ایسے حوادث سے محفوظ
مکان فراہم کیا جاسکے۔

اُسٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ غلاتی

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فقر و فاقہ اور انہما
کیا فقر و فاقہ خدا کی تقدیر سے ہے؟

خدا کی تقدیر امرضی اسے ہے اگر وہ
چاہتا تو ان کو بھی دولت عطا کرتا تو جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں بھی محتاج و فقیر رکھا
ہے، اسلام کا نظام معیشت انہیں کیونکر فارغ البال کر سکتا ہے۔ اور یہ تقدیر الہی پر
موقوف ہے ہم تقدیر الہی کو کیسے چھو سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعینہ وہی سوال ہے جو کھانے کی بات میں ہے:

خَلَاذِ قِلْ لَہُمْ اَنْفَعُوا لِمَا ذَرَفْتُمْ

اللّٰہُ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا ذَرَفُوا

اَمْ نَطْعِمُہُمْ اَمْ لَیْسَ اِلَیَّہِمْ اَنْفَعُ

اَمْ نَطْعِمُہُمْ اَمْ لَیْسَ اِلَیَّہِمْ اَنْفَعُ

یہ سوال اسلام کی ایک اہم بات کو فراموش کر دینے سے پیدا ہوتا ہے اگر اسے یاد رکھیں

تو کئی الجھن نہ ہو اور تقدیر الہی کو بیاد نہ بنا کر معاشی بد حالی میں مبتلا افراد کی ابداد و امانت

ایسے بہترین عمل صالح سے حرماں نصیبی بھی نہ ہوے

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریضی یا خود فریضی؟ عمل نافرمان ہو مسلمان بند کے تقدیر کا بیاد نہ

عالم تکوین و عالم تشریح

اور یہ بات عالم تکوین و عالم تشریح میں فرق کرنا ہے
فقد افلاس هذا کی تقدیر و تکوین سے مراد ہے۔ مگر
اس کی تشریح ہدایات یہ ہیں کہ ہم افلاس و فقر کے مارے ہوئے لوگوں کی امداد و امانت کریں
جیسے ایک بیمار کی بیماری خدا تعالیٰ کی تحریک و تقدیر سے ہے۔ لیکن ہمیں اس کا تشریحی حکم ہے
کہ ہم دوا کے ذریعے اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کریں جیسے ترک دوا اس بیمار کے
ساتھ جذبہ ہمدردی کے منافی، بلکہ اس بیمار کے ساتھ غم ہے ایسے ہی مفلسوں کے افلاس کو
ختم نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے جس کی اجازت اسلام کا نظام معیشت ہرگز نہیں
دے سکتا کہ اسلام معیشت انسانی کے روزیہ صحیح و اقیست رکھتا ہے۔

جانتا ہوں آہ! میں آلام انسانی کا راز ایا

ہے نوائے شکوہ سے خالی میری فطرت کا ساز

غرضیکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نظام تحریکی پر ایمان اور نظام تشریحی پر نظر رکھنی چاہیے۔
ہم نظام تشریحی کے مکلف ہیں تحریکی کے نہیں تو جس کے ہم مکلف ہی نہیں اسے موضوع سوال
بھی نہیں بنایا جاسکتا۔

فلسفہ تفاوت درجات رزق

اسلام کے معاشی نظام سے متعلق قرآن
کریم نے بنیادی اصولوں پر روشنی
ڈالی ہے ان میں سے دوسرا یہ ہے کہ اگرچہ حق معیشت میں انسان برابر ہیں تاہم درجات
معاش و مراتب رزق میں فرق ایک فطری بات ہے اور یہ بھی اس حد تک کہ بالاطبقہ زیریں
جنبہ کا استحصال نہ کر کے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں اور یہ تفاوت

معمولی فریقین کے حق میں ابتداء امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

رَزَقَ بَعْضَهُمْ فَخْرًا وَبَعْضَهُمْ
ذِلَّةً يَوْمَ تَبْيَضُّ بُيُوتُهُمْ خُضْرًا وَكُنُوزُهُمْ
(انعام)

اس آیت میں جس تفاوت درجات کا بیان ہے اس سے رزق میں تفاوت درجات
مراد ہے۔ چنانچہ تفسیر امام ابن جریر میں ہے۔

رَزَقَ بَعْضَهُمْ فَخْرًا وَبَعْضَهُمْ ذِلَّةً
یعنی خدا نے تمہیں ایک دوسرے پر
يُبْقِلُونَ فِي الْبَرِّ رَزَقَ ۝ ۸ ص ۸۴

علامہ مولانا شبیر عظیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ
عنه پر اپنی تفسیر غزائن العرفان میں فرماتے ہیں۔

یعنی خدا نے رزق میں مختلف ہے جسے اس نے رکھے کہ تمہیں، آزمانش میں
ڈالے کہ تم نعمت و جاہ و جلال پا کر شکر گزار رہتے ہو اور باہم ایک دوسرے
کے ساتھ کس قسم کے سلوک کرتے ہو احوال تاج لکھنی ص ۷۴

تَحْنُ تَتَعَبًا يَبْتَغِيهِمْ مَعِيشَتَهُمْ
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ ذِلَّةً يَوْمَ تَبْيَضُّ بُيُوتُهُمْ خُضْرًا وَكُنُوزُهُمْ
سُخْرِيًا۔ (نحس)

یعنی ہم نے مال و دولت میں لوگوں کو مختلف بنایا تاکہ وہ اس مال کے ذریعے ایک دوسرے
سے خدمت کر سکیں یعنی اگر ایک غریب و بے مال ہے یعنی مال کا محتاج ہے تو امیر و دولت کا

محتاج ہے اسے خادم کی محتاجی ہے اس طرح باہمی تعاون سے دنیا کا نظام درست ہو کر
غریب کو ذریعہ معاش ہوتا ہے اور مال دار کو کام کرنے والے بہیم پہنچیں تو اس پر کون
اعتراض کر سکتا ہے کہ فلاں کو کیوں غنی کیا اور فلاں کو اس کے برابر کا امیر کیوں نہ کیا۔ دنیا میں
معاشی تقسیم ہوں ہی انکلی پچوسے نہیں بلکہ ایک خاص نظام کو مبنی سے چل رہی ہے اسلام
غنیوں اور محنت کشوں پر امیروں اور بالادست لوگوں کے جوہر و جہاد اور استیصال کو روکتا
ہے لیکن مہول کہ تک چھوٹے بڑے کا فرق تو ایک فطری امر ہے۔ اسلام کے نظام میثیت
کا پر اعجاز ہے کہ اس نے معاشی مسائل میں نہایت ہی بدشئی اور مستحکم اصولوں سے انسانیت
کی ایسی رہبری کی ہے جس سے ہر وقت دہر زمانے کی پروا نہ کارخ صیغہ سمت کی طرف بدل
جاتا ہے۔

چیرتی ہوں میں تیری تصویر کے اعجاز کا!

رنگ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پڑا کا

اپنا اپنا فرض
اس قدرتی اور فطری فرق مراتب کے پیش نظر اسلام نے امیر و
غریب پر الگ الگ فرض عائد کیا ہے جن کی رو سے غنی اور
امیر کا فرض ہے کہ دولت کو محض انفرادی اور شخصی مفادات کے حصول کا ذریعہ بنا کر نہ رکھے
بلکہ اسلام کی ہدایت کے مطابق حاجت مندوں پر زکوٰۃ و صدقات اور عطیات کی مدد
سے عرف کر کے معاشرہ کی ترقی کا باعث بنے اور غریب کا فرض ہے کہ وہ مال دار کے مال
کو حسد کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ ان فقر و تنگ دستی کو برکاتِ فردی کا ذریعہ تصور کرے
حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں فقر و تنگ دستی کے خلاف نفرت اور مالی فراوانی کا
جذیرہ پیدا ہو جائے ان کے دلوں سے سکون و طماننت کی روحانی دولت چھین گئی ہے۔

یہ فقر و مسلمان نے کھو دیا جیسے
دہی نہ دولتِ سلطانی و سلیمانی

قرآن کریم میں ہے:

قُلْ لَا تَمْنَعُوا لِلْفَقْرِ سَعًا ۚ
بِمِ مَّا رَزَقْنَاهُ يُقْبَضُ ۚ (النساء)

بہر صورت تم کا یہ ان فقر و افلاس و اہل غربت کو اپنی ایمانی دولت کی بقا اور
آخری کامرانی کی آرزو ہوئی جیسے اور ذل و نگاہ میں غیروں کے مال و متاع کا کوئی طمع و
لاچ نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و الفقہ فخری کہ مجھے اپنے اختیار ہی فقر و
فاقر پر ناہ ہے کہ مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اسلاف کی طرح اپنے فقر اضطراری پر غیور و مستحضر
ہونا چاہیے۔

سماں الفقر فخری کا رہا شاہانِ امارت میں
گمراہی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے

بائب نگے خال و خلیجِ حاجت تھے زیار
کر نعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یار

فقرم ساز و سامانم رنگا ہیست!!
پیشم کو ہ یاراں برگ کا ہیست

تنگ دستی اور اسلام
جیسا کہ پہلے گزرا ہے اسلام تنگ دستی کو اچھا تصور
نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں ہے: كَادَ الْفَقْرُ أَنْ
يَكُونَ كَقَفَرٍ ۚ (رواه ابن ماجہ) ۚ الخلیفۃ من الناس بسد حقیقت اگر ضروریات
زندگی میں تنگ دستی قریب ہے کہ کفر پر منتج ہو جائیگا۔ تاہم اس پر صبر و شکر کرتے ہوئے خدا
تعالیٰ کو شکر و تقدیر پر راضی رہنا اور مال و داروں کا مال پر نگاہ حسد ڈالنے کی بجائے بھلائی

ارشاد باری تعالیٰ یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعٰشِيَ كُمْ هٰرَاسَانِ اِيْنِىْ كُوشِشْ كَا هِىْ پھل پاتا ہے
اپنے لیے خود معاشی وسائل کا انتظام کرنا گناہوں کا کفارہ اور بندگی و درجات کا باعث ہے
جیسے بیماری اسلام کے نزدیک اچھی نہیں تاہم بیمار کا دوا دینا کرنے کی بجائے صبر و شکر
کے ساتھ شفا کے حصول کے لئے دوا استعمال کرنا ضروری ہے اور بیماری میں صبر و شکر
کرتے ہوئے حصول شفا کے لئے عالم انبیا کے سخت کوشش کرنے والا خدا کا محبوب قرار پاتا
ہے اس کے گناہ بخیرتے اور دوسرے بندہ جوتے ہیں اس طرح فقر و افلاس پر صبر و شکر کرنے
والے کی جزا بھی جنت ہے۔ حدیث میں ہے کہ فقر و افلاس داسے اکثر جنت میں اور
عفی و مالدار اکثر دوزخ میں دیکھے گئے۔ فقر و افلاس والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ
اپنے سے اوپر والوں کو نہیں نیچے والوں کو دیکھیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے:
اَنْظُرُوْا اِلَیْ مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْكُمْ
مِنْكُمْ وَ لَا تَنْظُرُوْا اِلَیْ مَنْ هُوَ
فَوْقَکُمْ (مسلم)
یعنی آنکھ کو نگاہِ حسد اور زبان کو حرفِ بے صبری سے پاک رکھنا ایمان و اسلام
کا تقاضا ہے۔

پاکت رکھ اپنی زبان تلخ نہ رہانی ہے تو

جو نہ جانتے دیکھنا تیری صدا بے آبرو

اور حدیث میں ہے کہ میری امت کے تگ و دست صبر و شکر کرنے والے لوگ اہل دولت سے
پانچ صد سال پہلے جنت میں جائیں گے اور پانچ صد سال دنیا کے ہیں جو آخرت کے نصف
یوم کے برابر ہوں گے۔ گویا غریب لوگ امیروں کی نسبت خدا کے دیدار سے پہلے ہی مشرف

ہوں گے۔

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے!

زندہ کر دے دل کو سو بھر گشتار سے!

زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر نیکی ممانعت
اسلام کے اصول معاشیات میں سے تیسری اصل یہ ہے

کہ اسلام کسی ایسے طریق کو برداشت نہیں کرتا جس سے ملک کی دولت چند ہاتھوں میں
مترکز و مجتمع ہو کر رہ جائے اور اسی وجہ سے اسلام نے اشتکار و اکٹناڑ کو جائز قرار نہیں
دیا۔ چنانچہ سورہ توبہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے
ہیں اور اسے راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے، اسے نبی انہیں دردناک عذاب کی اطلاع
کر دے گی اور سورہ حشر میں فرمایا کہ فقر اور مسکین و قرابت داروں اور یتیموں وغیرہم
پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرچ کرنے کا جو یہ طریقہ بتایا ہے، وہ اس لیے ہے کہ مال صرف دولت
مندوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔

اسی طرح بہت سی آیات ہیں جنہیں مفلسوں اور حاجت مندوں پر فی سبیل اللہ
مال خرچ کر نیکی ترغیبات دی گئی ہیں تاکہ مال کے وہ حقوق و ادوار جو اجتماعی مفادات
کے لئے اس سے متعلق کیے گئے ہیں۔

ضرورتِ زائد مال کا رکھنا
اگرچہ ملائے کرام کا اس بات پر اتفاق
ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ وغیرہ ایسے حقوق

ادا نہ کیے جائیں وہ اکٹناڑ کی تعریف میں آتا ہے اور نہ نہیں اور یہ کہ مال و سرمایہ سے
زکوٰۃ وغیرہ ایسے فریضے کی ادائیگی کے بعد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے

زائد مال رکھنا جائز ہے۔ چنانچہ امام بدرالدین فرماتے ہیں۔ جَسَعُ الْمَالِ عِبْرَةُ مُحَرَّمٍ
وَلَكِنْ لَا اسْتِحْكَارَ عَلَيْهِ وَالْمَخْرُوجُ عَنْ حِدَا الْاِقْتِصَادِ فِيهِ حَالٌ وَالدَّعْوَةُ الْفَادِي
شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۱۲۱ یعنی مال کا اسحق ادا کر کے اجمع کرنا حرام نہیں تاہم
حد اقصاء اور میانہ ورجہ کی دولت سے زیادہ جمع کرنا نقصان دہ ہے۔ حد اقصاء
کا یہی مطلب یہ ہے کہ معمولی مذکور جمع کرنا جائز ہے اور غیر معمولی حد تک جس سے دولت
چند یا بقول میں صحت کر رہ جائے جمع کرنا معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ لیکن افضل لائق
تحقیق یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد مال کو ذخیرہ کرنے کی بجائے اسے ضرورت مندوں
میں بانٹ دیا جائے بلکہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے زاهد ترین حضرات کو اسے ناجائز
قرار دیتے ہیں چنانچہ آیت "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالنَّهْلَ" کی تفسیر میں حضرت
کرام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ضرورت سے زائد مال نگھرایا
بلکہ ان میں جمع کر کے رکھ دینے کے ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم
کر دینے کو فرض سمجھتے تھے الاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت "وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ
الذَّهَبَ وَالنَّهْلَ"

اشتکار کی ممانعت کا فلسفہ | اشتکار کی ممانعت کا فلسفہ بھی یہی ہے
کہ کہیں اشتکار دولت نہ ہو بلکہ اس
میں تحریک گردش رہے تاکہ اس سے معاشرہ کے دوسرے لوگ بھی استفادہ کریں
اشتکار کی تعریف | اشتکار یہ ہے کہ کسی چیز کی کیا بائی و مہنگائی کے زمانہ
میں اسے خرید کر جمع کر کے رکھ دیا جائے تاکہ وہ مزید نایاب
مہنگی ہو تو اس وقت اسے مندانے و مولیٰ سمجھا جائے ایسا کرنا ممنوع و ناجائز ہے جسے

اسلام کے معاشی نظام میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر چیز شامل
ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

مَنْ اخْتَصَقَ طَعَامًا اَوْ لَبَاسًا لِيَلْبَسَهُ
فَقَدْ تَبَرَّأَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
کہ جس نے کھانے پینے کی ضرورت کی چیز
کو مزید مہنگائی اور کیا بائی کی نیست چالیس
(درود شریف شرح قتادہ ج ۲ ص ۳۴۳) بات یہ کہ رکھا وہ اللہ سے اور اللہ
اس سے بری ہے۔

اسلام میں جانوروں کے چارہ تک اشتکار بھی ممنوع ہے | اسلام کے
اقتصادی نظام

کی شفقت عامہ اور رحمتِ عالمہ کا یہ عالم ہے کہ اس جانوروں کے چارہ تک کی ذخیرہ اندوزی
سے منع کیا گیا ہے اور اس بات کو گوارا نہیں کیا گیا کہ جانوروں کے حقوق کا صیاج و
استیصال ہو چنانچہ درمنا میں ہے :
وَيَنْهَى عَنْ اخْتِصَاقِ قَوْتِ الْبَهَائِمِ
یعنی جانوروں کی خوراک کا اشتکار
ممنوع ہے۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ جو نظام جانوروں کا استیصال وداشت نہ کرتا ہو وہ انسانوں
کا استیصال کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ بہر صورت اسلام کے اقتصادیاں نظام نے انسانوں اور
جانوروں کی ضرورت کی ہر چیز میں اشتکار سے منع فرمایا ہے اور اس کے مترکب کو گنہگار
قرار دیا ہے نیز حدیث شریف میں ہے کہ اشتکار و ذخیرہ اندوزی کرنے والا گنہگار ہے
اللہ سال بھر کا گھر لو خرچ گھروالوں کو سپرد کر دینا یعنی ایک سال تک ضروریات جمع کر
کے رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم

ازدواج مطہرات کو سال بھر کا خرچہ جمع کر کے دیتے تھے اسنادی کتاب التفسیر ج ۲ ص ۲۷۵)۔
 لہذا اگر ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا منع نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت کی اشیا
 کو اپنی گھر کی ضرورت کے لئے جمع کر کے رکھنا خلاف توکل ہے البتہ کسی تاجر کا مہنگائی کے
 زمانہ میں مزید مہنگائی کی نیت سے مال ذخیرہ کر کے رکھنا منع ہے جیسا کہ بعض تاجر کہتے
 ہیں۔ بدیہت میں ہے کہ جس نے اس بات کا ارادہ کیا کہ میری امت پر ایک رات کے لئے
 مہنگائی آجائے اللہ تعالیٰ اس کی چالیس سال کی نیکیاں ضائع کر دیگا۔ ارادہ الامام
 (ابن مساکر فی تاء بیخ)

اشکار کے حوازی کی ایک صورت

ہاں اگر ایک چیز عام دستیاب ہو رہی
 ہے اور اس کے ذخیرہ کرنے سے
 لوگوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا تو اس کا ذخیرہ کر سکتے ہیں، چنانچہ درمختار میں ہے۔
 فَإِنْ كُنْ تَصْنَعُ تَصْنِيعًا
 یعنی اگر ذخیرہ کرنے سے لوگوں کو تکلیف
 و پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو ناجائز نہیں ہے

(اصول ۱۰۳، مطبع احمدی دہلی)

یہ صورت کے اعتبار سے اشکار ہے، مگر درحقیقت نہیں ہے اور اس صورت میں بھی
 اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ چوں ہی وہ چیز کیاب ہونے لگے، اسے فوراً مارکیٹ میں لایا
 جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

بوقت ضرورت ذخیرہ اندوز تاجروں کے

ذخیرہ دل کو زبردستی فروخت تقسیم کیا جائے
 میٹنگ کر رہے ہوں تو حاکم وقت انہیں حکم دے کہ وہ اپنے گھر والوں کی ضرورت کے

لئے رکھ کر باقی کو فروخت کر دیں اگر وہ قاضی و حاکم وقت کے حکم کی پروا نہ کریں تو قانون
 اسلام یہ ہے۔

حاکم ان ذخیرہ اندوزوں کو مناسب سزا
 اور ان کی ضرورت سے زائد کو فروخت کر
 دے کیونکہ عوام کو نقصان سے بچانے کا
 یہی واجد طریقہ رہ جاتا ہے اور جن عوام کے
 پاس تو تخرید نہیں انہیں ویسے ہی بیسے
 بچر جب ان کے پاس غلہ آئے تو وہ بٹا بٹا
 لیا ہے واپس کر دیں اور یہ بچر نہیں بلکہ ضرورت
 مجبوری کی بنا ہے، یہ ایسے ہے جیسے ایک شخص
 جاں بلب ہو رہا ہو اور اس کے پاس اپنا کچن
 ہو تو وہ غیر کمال اس کی مرضی کے بغیر اس
 قدر کھائے جس سے اس کی جان بچ جائے

هَذِهِ مِمَّا يَأْتِيهِ وَادْعَانَهُ
 تَبَاعِ الْقَاضِي عَلَيْهِ طَعَامَهُ وَفَاقًا
 عَلَى الصَّحِيحِ وَفِي السَّرَاحِ لَوْ خَافَ
 الْمَوْتَ عَلَى أَهْلِ بَلَدٍ لَمْ يَلْزَمْهُ اسْتِخْدَامُ
 الطَّعَامِ مِنَ الْمُخْتَصِرِينَ وَفَرَّقَ عَلَيْهِمْ
 فَإِذَا أَوْجَدُوا مَعَهُ زَادًا امْتَلَكَ
 هَذَا أَيْسَرُ بِحُجْرَتِ الْبَصْرِ وَرَدَّ
 وَمِنْ أَصْطَحَ إِلَى عَالِي غَيْرِهِ وَخَافَ
 الْمَمْلَكَاتِ شَتَا وَكَلَّمَ بَلَدًا يَصْنَعُهُ

اور المختار ص ۳۰۰ والافتیاح ج ۳ ص ۳۹۹-۴۰۰ طبع اثلیہ

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کا معاشی نظام معاشی بدعالی میں مبتلا عوام سے کس درجہ
 محدود رکھتا اور انہیں ہر طرح کے استیصال سے کس خوبی سے بچاتا ہے، اگر من اسلام کے
 معاشی نظام نے سرمایہ و دولت کے حصول کے لیے کسی ایسے طریقے کو اپنانے کی اجازت نہیں
 دی جس میں ایک فرد کے نفع کا دار و مدار دوسرے کے نقصان یا مجبوری پر ہوا وہ دوسرے
 کی معاشی بدعالی کا باعث بنے جس سے عوام مفلس سے مفلس تر اور امیر تر ہو جاتا ہے
 اس لیے سود و غصب، چوری، ڈاکہ و رشوت، سوا، پال، تول، عین کی، شہ اور لاطری ایسے حصول

سرمایہ کے تمام ذرائع ناجائز قرار پائے اس طرح کے طریقے اپنا کر دولت کمانے والے ممکن ہے نفس و شیطان کے اغواء سے سب کچھ جائز سمجھتے ہوں مگر ایک کلمہ گو کو ایسا کرنا یا سب کچھ جائز ہے کہہ کر گمراہی نہیں دینا یہ اسلام و ایمان کے تقاضوں کے سامنے خالی ہے ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاڑوں اور دل کی نگاہوں میں وہ موسم ہو غرائی

انفرادی معیشت

اسلام انفرادی معیشت پر بہت زور دیتا ہے اور ہر مذہب و ملت و زمانہ و صبح العقل لائق محنت مرد کو اس بات کی دہم داری سوتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کی قوتوں اور دیگر جسمانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر نہ صرف اپنے معاش و روزی کی جستجو کرے بلکہ اپنے آپ کو معاشرے کے ضعیف اقوام اور معذور لوگوں کی معاونت کا بھی اہل بنائے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الْيَدُ الْغَلِيلُ خَيْرٌ مِنَ الْكَيْدِ
یعنی اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۷)

اور بہتر اس لئے ہے کہ انفرادی معیشت کے استحکام پر ہی اجتماعی معیشت کا استحکام قیام ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اس وقت بہتر ہے جب کہ وہ اپنا خزانہ کے لئے لیتا ہو اور اگر وہ دین کے لئے یا دوسرے مستحق کے لئے لیتا ہو تو اس کے برعکس ہو سکتا ہے

جیسا کہ علماء کرام مالداروں سے دین کے لیے بے کفر خرچ کرتے ہیں بہر حال انفرادی معیشت کو اہمیت حاصل ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے۔
كُلُّ مَشْرُوعٍ اِمْنٌ فَضْلُ اللَّهِ
کہ زمین میں پھیل جانے والا اور رزق کی تلاش کرو۔

اور حدیث شریف میں ہے۔

۱۔ طَلِبُ الْكَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْغَرَضِ (طبرانی)
یعنی رزق حلال کی تلاش کرنا فریضہ کے بعد فریضہ ہے۔

۲۔ طَلِبُ الْكَلَالِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (دبیلمی)
کہ ہر مسلمان پر طلبہ رزق حلال واجب ہے۔

۳۔ طَلِبُ الْكَلَالِ جِبَادٌ (الفتح ماعنی والوندیجیم)
طلب حلال جہاد ہے۔

أَوْرَدَ الشَّافِعِيُّ فِي الْمَجْمَعِ الْمُسْتَفِيدِ ج ۲ ص ۵۷۵) ان کی شرح میں امام علامہ علی عزیزی (م سن۶۸۰ھ) علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

طَلِبُ الْكَلَالِ بَيِّنَةٌ لِلنَّفْسِ
وَالْعِيَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَالْعَقْلِ
أَوْ بَعْدَ جَمْعِ مَا فَرَضَ اللَّهُ فَطَلِبُ
مَا يَحْتَاجُ جَهْدًا لِنَفْسِهِ وَوَعِيًا لِبِهِ وَاجِبٌ
بِقَوْلِ مَا دَعَى الْكُفَايَةَ ثَوَابُهُ كَثُوبُ
الْجِبَادِ (الشرح المبرز ج ۲ ص ۵۸۱)
یعنی اپنے اور کنبہ کے لئے حلال کمائی کی تلاش کرنا ایمان اور عاقل یا جمیع شرائض الہیہ کے بعد ایک فریضہ ہے لہذا اپنی اور اپنے کنبہ کا ضرورت کی حد تک تلاش رزق فرض عین اور اس سے زائد فرضیہ کفایہ اور اس کا ثواب جہاد کے برابر ہے۔

اسی افتادی ہیں ہے جو لوگ مناجاد اور تقاضوں میں ایسے و فقیروں کو بھیجے جاتے ہیں اور گزراوقات کے لئے کچھ نہیں کرتے اور اپنے آپ کو متوکل بتاتے ہیں (ان سے رزق حلال کھانے والے بدرجہا بہتر ہیں، یہ کیسے متوکل ہیں) حالانکہ ان کی نگاہیں منتظر رہتی ہیں کہ کوئی ہمیں دے جائے، وہ متوکل نہیں۔ اس سے اچھا یہ تھا کہ کچھ کماتے جس سے گزراوقات کرتے (فتاویٰ عالمگیری، ج ۴، ص ۳۲۹)

تیرے دین و ادب سے آرہی ہے بڑے بہانی

بہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

حدیث میں ہے لا دھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں اس طرح کی گوشہ نشینی کی کوئی گنجائش نہیں۔

پیری میری کو پیشتر بنا جا تا نہیں | اسی طرح آج کل بہت سے لوگوں نے پیری میری کو پیشتر

بنا لیا ہے۔ حریصوں میں دورے کرتے اور ان سے فتنیں بڑھتے ہیں جسے نذرانے وغیرہ کا نام دیتے ہیں اور ان ہی سے ہر سبک ایسے میں جو جھوٹ اور فریب بھی کام لیتے ہیں، یہ ناجائز ہے (مہارشرعیات ج ۱۴، ص ۲۱۸) بہ استثناء غلبۃ علیہا لہ الذی یؤی و دھما فقل قلیلی و قلیل من عبادی اشککوا

مسد بھیکٹ | حدیث شریف میں ہے کچھ انصار کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا اپنے عطا کیا انہوں نے پھر مانگا اپنے عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو تھا سب ختم ہو گیا پھر اپنے فرمایا کہ میرے پاس جو مال ہو تمہارے میں اسے تم لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھتا اور جو شخص

سوال کرنے سے گریز کرے اسے اللہ سوال کرنے سے بچائے گا اور جو سوال کرنے سے بے نیاز رہے گا خدا تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیگا اور جو سوال کرنے سے اپنے آپ کو تنگے گا اور صبر کر لگا خدا اسے صبر سے بڑھ کر وسیع اور بہتر کوئی چیز نہیں ہے جو کسی کو خدا سے عطا کی جائے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۹)

اس حدیث سے کسی ایک مسئلہ معلوم ہوتے ایک یہ کہ ایک ہی سائل کو بار بار دینا جائز ہے دوسرا یہ کہ جب دینے کو کچھ نہ ہو تو اچھے الفاظ میں معذرت کی جائے پھر سوال سے گریز کی فتنیں چونکہ غلطی کے عالم میں صبر کرنیکی ترغیب پانچواں ضرورت کے وقت ملنے کا جو از گواہ اس سے پھر بہتر چھٹا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کہ کمر کا ظہور کہ سائل پر بار بار کرم فرماتے تھے اور سائل کہتا تھا۔

وہ کیا جو دو کرم ہے شہر بلعنا تیرا

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دوسری حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کسی شخص کی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر بکدویوں کا گٹھا اٹھا لانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے پاس جا کر بھیکٹ مانگے آگے وہ اسے دے دے

ایک اور حدیث میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

تم میں سے کسی ایک کا رسی بیکر اپنی پیٹھ پر بکدویوں کا گٹھا لا کر اسے

بیچا پھر اس کے ذریعہ اللہ کا اس کی ابرو بچا لینا اس سے بہتر ہے کہ وہ

لوگوں سے مانگتا پھر سے وہ اسے وہیں یا نہ وہیں (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۹)

امام بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ سوال کرنے یا مانگنے کی چار صورتیں ہیں جن میں سے ایک حرام، دوسری مکروہ، تیسری جائز ہے اور چوتھی واجب حرام اس وقت ہے جب کوئی شخص غنی ہونے کے باوجود سوال کرے یا مانگ سنی کی صورت میں ضرورت سے زیادہ مانگے اور مکروہ اس وقت ہے جب مانگنے والے کے پاس اس قدر مال ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کا کام چل سکتا ہو اور وہ اپنی تنگدستی کا بھی اظہار نہ کرے اور جائز اس صورت میں ہے جب سائل دوستوں کے مطابق کسی قریبی تعلق دار یا دوست سے سوال کرے اور واجب اس صورت میں ہے جب اپنی زندگی کی بقا کا مسئلہ پیش ہو اس صورت میں اپنی جان بچانے کے لئے سوال کرنا واجب ہے اور اگر کسی طمع یا سوال کے بغیر کہیں سے کچھ ملے تو بے نیاز ہونے کے باوجود اس کا لینا جائز ہے (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۹۵)

وضاحت جب جان بچانے کے لئے سوال کرنا واجب ہے تو اسلام و مسکن حتیٰ کے اعیان اور بقا اور حفاظت کیلئے اہل ثروت و غیر حضرات سے سوال کرنا کہیں زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینی ضرورت کے لئے صحابہ کرام سے چندہ جمع فرماتے تھے اس سلسلے میں سیدنا ابو بکر کا واقعہ و عثمان غنی کا ایشارہ حجاج بیان نہیں۔

بھیک کی ممانعت اسلام کے معاشی نظام نے جو نہ کم ہر تندرست و عقلمند کو درزق حلال ملانے کا ذمہ دار ٹھہرا ہے اس لیے انہیں بھیک مانگنے سے بھی منع کیا الا بدقت حاجت شدیدہ مجبوری و معذوری اور بلا ضرورت شدیدہ اپنے لئے سوال کرنا منع ہے فتاویٰ عالمگیری میں فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَفَّاتَ لَمْ يَكُنْ يَدْعُهُمْ اور جس کے پاس ایک دن کا خرچ ہو

لَا يَحِلُّ لَهُ السَّوَالُ وَمَا جَعَلَ الْكَافِرُ
مِنْ اَمْتَالٍ فَمَنْ خَسِيسٌ عَالِي كِبَرٍ
اسے بھیک مانگنا حرام ہے اور اس کے
باوجود جو مانگ کر جمع کرتے ہیں تو وہ
حرام ہے

۵۳ - ص ۱۵۳

حکومت بھیک مانگنے پر پابندی عائد کر رہی ہے جس سے بھیک کے پیشہ رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی مقصود ہے۔ بلاشبہ ہمارے ہاں بھکاریوں نے بھیک کو ایک پیشہ بنا لیا ہے اور یہ قابل مذمت فعل ہے۔ اس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے اس کے لئے ضروری ہے کہ معذروں کی کفالت کی جائے اور تندرستوں کو کوئی ہنر اور کام سکھایا جائے پھر انہیں کام سیکھنے کے بعد ملازمت کے مواقع دیئے جائیں یا اپنا کاروبار کرنے کے لئے تہذیبی سے اس قدر دیا جائے کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔

اقارب کی کفالت اس سلسلے میں اختیار حضرات کو اپنے قریبی معذور
نا وادار رشتہ داروں کی کفالت پر مجبور کیا جائے۔

انہیں ترغیب ترہیب اور بدقت ضرورت جبر و اکراہ کے ذریعے بھی کفیل بنانے سے گریز نہ کیا جائے۔ اگر مالدار حضرات اسلام کی ہدایت کے مطابق اپنے معذور اور نادار رشتہ داروں کے نان نفقہ کی ذمہ داری لے لیں تو پاکستان میں غربت و افلاس کا مسئلہ کافی حد تک خود ہی حل ہو جائے گا اور بہت سے بھکاری خود ہی بھیک سے باز آجائیں گے۔

نان و نفقہ کفالت کے سلسلے میں عام طور پر نان و نفقہ کا لفظ مشہور ہے مگر فقہ کی اصطلاح میں "نفقہ" ہی استعمال ہوتا ہے۔

ہے نفقہ کے لغوی معنی اس چیز کے ہیں جسے انسان اپنے کنبے پر خرچ کرتا ہے۔ اور اصطلاح شریعت میں کھانا لباس اور رہنے کی جگہ کو نفقہ کہا جاتا ہے اور عرف شریعت

میں صرف کھانے پر نفقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

وجوب نفقہ کے اسباب و وجوہ | کسی کے ذمہ کسی کے نفقہ کے واجب ہونے کے تین اسباب و وجوہ ہیں ایک سبب ذمیت

ہے دوسرا قرابت اور تیسرا عیونیت۔ لہذا عاقل و عاقل پر عیونیت کا خرچہ واجب ہے کیونکہ وہ اس کے فائدہ کے لئے اس کے مال رکھی ہوئی ہوتی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جو شخص جس کے مفاد کے لئے رکھا ہوا ہو گا اس کا خرچہ اسی کے ذمہ ہو گا جیسے مفتی، قاضی، موہمی اور عامل وغیرہ۔ جس ادارہ کے مفاد میں مصروف ہوں ان کی ضرورت کا بندوبست اسی ادارہ کے ذمہ ہو گا خواہ وہ ادارہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری۔ اور نایم و محتاج اولاد کا خرچہ بھی باپ پر واجب ہے اور نایم بیٹا معذور و محتاج کا خرچہ اور غیر مالدار نایم لڑکی کا بھی۔ جب تک اس کی شادی نہ کر دے۔ شادی کے بعد شوہر پر ہے اور اگر باپ مفلس ہے تو کمائے اور بچوں کو کھلائے اور اگر وہ معذور و محتاج ہے کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو والد کے ذمہ ہے خود ان کے باپ کا نفقہ بھی اسی کے ذمہ ہے۔

اگر کسی کے مال باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، شکرست ہوں اور وہ مالدار ہو۔ تو ان کا نفقہ اس پر واجب ہے اگرچہ وہ کمانے پر قادر ہوں اور اگر یہ بھی محتاج ہے تو باپ کا نفقہ اس پر واجب نہیں، البتہ اگر باپ پاچ یا مغلوب ہے کہ کما نہیں سکتا تو بیٹے کے ساتھ نفقہ میں شریک ہے اگرچہ بیٹا فقیر ہو اور مال کا نفقہ بھی بیٹے پر ہے اگرچہ پاچ نہ ہو اگرچہ بیٹا فقیر ہو یعنی جبکہ بیوہ ہو۔

باپ اور مال دونوں محتاج ہوں تو دونوں کا نفقہ بیٹے پر ہے اور باپ محتاج نہ ہو تو مال کا خرچہ باپ پر ہے اور باپ محتاج ہے مال مالدار تو مال کا

نفقہ بیٹے پر نہیں۔

باپ خیرہ کا نفقہ جیسے بیٹے پر واجب ہے یونہی بیٹی پر بھی ہے اگر بیٹا بیٹی دونوں ہوں تو دونوں پر برابر برابر واجب ہے اور اگر دو بیٹے ہوں ایک فقط مالک نصیب ہے اور دوسرا مہبت مالدار ہے تو باپ کا نفقہ دونوں پر برابر ہے۔

باپ اور اولاد کے نفقہ میں قرابت و جزئیہ کا اعتبار ہے قرابت کا نہیں مثلاً بیٹا ہے اور پوتا تو نفقہ بیٹے پر واجب ہے پوتے پر نہیں۔ یونہی بیٹی ہے اور پوتی تو بیٹی پر ہے پوتے پر نہیں اور نواسی نواسہ ہے تو دونوں پر برابر اور بیٹی ہے اور بہن یا بھائی تو بیٹی پر ہے اور نواسہ نواسی ہیں اور بھائی تو ان پر ہے بھائی پر نہیں اور ماں باپ یا ماں ہے اور بیٹا تو بیٹے پر ہے ان پر نہیں اور والد ہے اور پوتا تو ایک تنہائی دوا پر اور باقی پوتے پر اور باپ ہے اور نواسی نواسہ تو باپ پر ہے ان پر نہیں:

باپ اگر تنگ دست ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور بچے محتاج ہوں اور بڑا بیٹا مالدار ہے تو باپ اور اس کی سب اولاد کا نفقہ اس پر واجب ہے بیٹا اگر ماں باپ دونوں کا نفقہ نہیں دے سکتا مگر ایک کامے سکتا ہے تو ماں زیادہ مستحق ہے۔

اور اگر باپ محتاج ہے اور چھوٹا بچہ بھی ہے اور دونوں کا نفقہ نہ دے سکتا ہو مگر ایک کمانے سکتا تو بیٹا زیادہ مستحق ہے۔

اور اگر والدین میں سے کسی کا پرہیز نفقہ نہ دے سکتا ہو تو دونوں کو اپنے ساتھ کھلاتے جو خود کھاتا ہے اسی میں سے انہیں بھی کھلاتے۔

اور اگر باپ کو نکاح کرینی ضرورت ہے اور بیٹا مالدار ہے تو بیٹے پر باپ کی شادی کر دینا واجب ہے۔

اور اگر باپ کی دو بیویاں ہیں تو بیٹے پر فقط ایک کا نفقہ واجب ہے مگر باپ کوٹے سے کوڑہ دونوں میں تقسیم کر کے دے۔

باپ بیٹے دونوں مالدار ہیں مگر بیٹا کمانے والا ہے تو بیٹے پر دیا نہ حکم کیا جائیگا کہ باپ کو بھی ساتھ لے لے۔

جو رشتے دار عارم ہوں ان کا بھی نفقہ واجب ہے جب کہ محتاج ہوں اور نابالغ یا عورت ہو۔

اور رشتہ دار بالغ مرد ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ کمانے سے عاجز ہو مثلاً دیوانہ ہے یا اس پر فالج گرا ہے یا پا پاج ہے یا اندھا۔

اور اگر عاجز نہ ہو تو واجب نہیں۔

اور عورت میں بالغہ نابالغ کی قید نہیں۔

اور ان کے نفقات بقدر میراث واجب ہیں یعنی اس کے ترکہ سے جتنی مقدار کا وارث ہو گا اسی کے موافق اس پر نفقہ واجب مثلاً کوئی شخص محتاج ہے اور اس کی تین بیویاں ہیں ایک حقیقی ایک سوتیلی ایک اختیائی تو نفقہ کے پانچ حصے تصور کریں تین حقیقی بہن پر اور ایک ایک آلہ دونوں پر۔

اور اگر اس طرح کے تین بھائی ہوں تو چھ حصے تصور کریں ایک اختیائی بھائی پر اور باقی حقیقی پر سوتیلے پر کچھ نہیں کہ وہ وارث نہیں۔

اگر ماں اور دادا ہیں تو ایک حصہ ماں پر اور دو دادا پر اور اگر ماں اور بھائی

یا ماں اور چچا ہے جب بھی صورت ہے۔

اگر ان کے ساتھ بیٹا بھی ہے مگر نابالغ نادار ہے یا بالغ ہے مگر عاجز تر اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر کہ جب اس پر نفقہ واجب نہیں تو کا عدم ہے۔

اور اگر حقیقی چچا یا حقیقی پھوپھی یا حقیقی ماموں ہے تو نفقہ چچا پر ہے پھوپھی یا ماموں پر نہیں اور وارثت سے مراد محض اہل وارثت ہے کہ حقیقتہ وارثت تو مرنے کے بعد ہے نہ کہ اب۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ رشتہ دار عورت میں نابالغہ کی قید نہیں بلکہ اگر کمانے پر قادر ہے جب بھی اس کا نفقہ واجب ہے ہاں اگر کوئی کام کرتی ہے جس سے اس کا خرچ چلتا ہے تو اب اس کا نفقہ رشتہ دار پر فرض نہیں یونہی اندھا (وغیرہ) بھی کما تا ہو تو اب کسی اور پر نفقہ فرض نہیں۔

طالب علم دین اگرچہ تندرست ہے کام کرنے پر قادر ہے مگر اپنے کو طلب علم دینی میں مشغول رکھتا ہے تو اس کا نفقہ بھی رشتہ داروں پر فرض ہے۔

قریبی رشتہ دار غائب ہے اور دور والا موجود ہے تو نفقہ اسی دور کے رشتہ دار پر فرض ہے۔

عورت کا شوہر تنگ دست ہے اور بھائی مالدار ہے تو بھائی کو خرچ کرنے کا حکم کیا جائے گا پھر جب شوہر کے پاس مال ہو جائے تو واپس لے سکتا ہے۔

اگر رشتہ دار محرم نہ ہو جیسے چچا زاد بھائی یا محرم ہو مگر رشتہ دار نہ ہو جیسے بھائی بھائی بہن یا رشتہ دار محرم ہو مگر حرمت قرابت کی نہ ہو جیسے چچا زاد بھائی اور وہ

رضاعی بھائی بھی ہے کہ حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے نہ رشتہ کی وجہ سے تو ان کو ترک

میں نفقہ واجب نہیں۔

محرم کا نفقہ دیدیا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو پھر دنیا ہو گا اور کچھ بچ رہا تو اتنا کم کر دیا جائے۔

باپ محتاج ہے نفقہ کی ضرورت ہے اور بیٹا جوان مالدار ہے جو موجود ہے تو باپ کو اختیار ہے کہ اس کے اسباب کو بیچ کر اپنے نفقہ میں صرف کرے مگر جائداد غیر منقولہ کے بیچنے کی اجازت نہیں اور مال اور رشتہ داروں کو کسی چیز کے بیچنے کی اجازت نہیں۔ اور بیٹا موجود ہے تو باپ بھی کسی چیز کو نہیں بیچ سکتا۔

یونہی اگر بیٹا مجنون ہو گیا اس کے اور اس کے بال بچوں کے خرچ کے لئے اس کی چیزیں باپ زبردستی کر سکتا ہے اگرچہ جائداد غیر منقولہ ہو۔

(حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو۔ درمختار، شامی، عالمگیری)

قاضی خاں اور بہاؤ شریعت

محتاج اقارب کے مالدار رشتہ داروں پر شریعت کے ان احکام کے مطابق کفالت کی ذمہ داری عائد کی جائے تو بہت سے بیسک مانگنے والوں کو باعزت روزگار دیتے رکھنا ہے باقی بچے رہنے والے تنہا رہے ہی ہوں گے ان کے لئے متبادل روزگار کا انتظام نہایت ہی آسان ہو گا۔

اسی طرح اجائز ذرائع مثلاً روپیٹ یا گاجا کو کافی کرنے سے بھی منع کیا اور ایسی کمائی کو حرام قرار دیا گیا ہے چنانچہ الاختیار اور عالمگیری میں ہے۔

حکات افعال بمقابلة المعصية
فكان اخذ المعصية حكا لغنا والنفق
کر دئے دھونے اور گانا بجانے کی اجرت
چونکہ معصیت کا معاوضہ ہے اس لئے

(عالمگیری ج ۵ ص ۵۳۲ الاختیار ج ۲ ص ۲۸)

اس کا دنیا اور دنیا دونوں ہی ناجائز ہیں
کیونکہ ان چیزوں میں بیچارے سادہ لوح مسلمانوں پر معاشی بوجھ پڑتا ہے اور
ایسا کرنے والے جہاں دوسروں کے لئے بوجھ بنتے ہیں وہاں اپنی خداداد جسمانی اور دینی
قوتوں اور صلاحیتوں کو ضائع کر کے بھی گنہگار ٹھہرتے ہیں بہر صورت اسلام میں رزق حلال
کی تلاش نہ صرف اہم کام ہے بلکہ گناہوں کا کفارہ بھی ہے چنانچہ طبرانی نے اوسط ابو نعیم
نے مدلیہ و خطیب نے تلخیص المشاہیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من الذنوب ذنوب لا یفرھا
الا المہم بطلب المعصیۃ
کہ کچھ ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ طلب معاش
میں جدوجہد اور فسر کرنا ہی ہے۔

(احیاء العلوم للقرنی ج ۲ ص ۳۲)

اسی طرح ابو یعلیٰ اپنی مسند الطبرانی کبیر اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے ارشاد فرمایا

اطلبوا الرزق فی خبايا الارض
(الجامع الصغير ج ۱ ص ۳۳)
کہ اپنی روزی زمین کے پوشیدہ خزانوں
(کھیتی باڑی وغیرہ میں تلاش کرو)

اس حدیث کی شرح میں امام علی بن عزیزی علیہ الرحمہ سراج منیر میں فرماتے ہیں:
یعنی تم رزق کو لوٹنے میں تلاش کرو کھیتی
ذرع و فہر من فأت الارض فتخرج
کر کے اور درخت لگا کر کہ زمین اپنے اندر
ہا فیہما من النبات الذی بلہ قلوبہ
کی چیزیں باہر نکالتی ہیں یعنی نبات کہ

المحبوبان (الان قال) وفيه ان طلب
الرزق مشروعا بل وبعد ادخل بعض
الطلب في حد الفرض وفي الله لا يمتا
في التوسل لان الرزق من الله بكتة
سبب عادي للطلب
(اسراج منير، ج ۱، ص ۲۳۳)

جس سے ہانوروں کی خوراک ہے اور اس
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق حلال
کی تلاش جائز ہے بلکہ سارا وقت رزق
حلال کی تلاش میں صرف ہے اعلیٰ ہو جاتی ہے
اور رزق کی تلاش تو کل کے خلاف نہیں کیونکہ
رزق تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن تلاش طلب
رزق کا سبب عادی ہے۔

- ۱۔ تلاش رزق کا عادی ذریعہ مندرجہ ذیل ایمان افراد کا استنباط ہوتا ہے:
- ۱۔ تلاش رزق کا عادی ذریعہ مندرجہ ذیل ایمان افراد
- ۲۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی رزق کا ذریعہ بنایا ہے۔
- ۳۔ رزق کی جستجو جائز بلکہ سارا وقت فرض ہو جاتی ہے، جب کہ اپنے کنبے کی ذمہ داری
عائد ہو جائے۔
- ۴۔ تلاش رزق تو کل کے خلاف نہیں
- ۵۔ تلاش رزق طلب رزق کا سبب عادی ہے اور یہ جہان اسباب کے ساتھ ہی ابتر
ہے۔

تلاش رزق ازاں دادند مارا
کہ باشد پر کشودن را بہسانہ

تلاش رزق | آنا کما فرض ہے جو اپنے اندر اور اہل و عیال اور جن
کی کفالت ذمہ میں ہے ان کے خرچہ اور ادائیگی فرض

کے لئے کفالت کر کے، اس کے بعد اجازت ہے کہ اتنے پر ہی بس کرے یا اپنے اور اہل
عیال کے لئے کچھ پس انداز دے رکھنے کے لئے بھی جدوجہد کرے، بلکہ آج کے نازک
دوہیں یہ افضل ہے، نیز ماں باپ ننگ دست و محتاج ہوں تو فرض ہے کہ اپنی کمائی
سے اس قدر ان کی امداد کی جائے جس سے انکی ضروریات پوری ہو جائیں (فتاویٰ عالمگیری
ج ۵، ص ۲۳۹ طبع مصر)

گویا اسلام کا اقتصادی نظام کسی فرد کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود عیشی میں اپنے
ماں باپ اور دیگر کفالت عزیزوں کی پراندہ کرے بلکہ ان کی خبر گیری و انصاف میں شامل ہے۔
نہ رہ اپنوں سے بے پروا اسی میں خیر ہے تیری
اگر منظور ہے دنیا میں ادبے گانہ نحو! رہنا

عیاشی کی ممانعت | اسلام کے معاشی نظام میں اسراف و تبذیر اور
عیاشی سے بڑی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی

گئی ہے کہ اس سے بالواسطہ یعنی انفرادی معیشت کے کمزور پڑنے سے اجتماعی معیشت
پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ مقدارِ خرچ میں تجاوز اسراف اور موقع میں (بے جا)
خرچ تبذیر ہے اور اسی طرح بخل سے بچنے کی ناکید بھی آئی ہے۔ بخل سے پرہیز اور اسراف
تبذیر سے گریز کا نام اقتصاد و میانہ روی ہے جو معیشت کی ترقی میں ایک اہم چیز ہے۔

اخراجات میں مبالغہ نہ کریں | اخراجات میں میانہ روی اختیار
کرنا حدیث میں واضح حکم وار ہے

چنانچہ مڑی ہے الاقتصاد فی النفع نصف المعيشة کہ نفقہ میں میانہ روی
نصف معیشت ہے اور امام قاضی حسن بن عبدالرحمن رامہری متوفی سنہ ۳۶۰ھ اپنی
کتاب المعاش الفاضل بین الراوی والواکلی میں اپنی سند سے حضرت میمون بن مہران
سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں سے محبت کے ساتھ پیش آنا نصف عقل ہے اور خوبصورتی
سے سادہ پوشین نصف علم ہے اور اپنی معاش و گذر اوقات میں میانہ روی اختیار کرنے
سے آدمی شقت دور رہتا ہے (ص ۳۶۰ طبع بیروت ۱۳۹۱ھ)

اگر اس وقت تہذیب کا سلسلہ بند ہو جائے اور ادب کی سطح سے لے کر پچھلی سطح تک
سب افراد میانہ روی اختیار کر لیں، تو ملک بھر کی معیشت پر سے تقریباً نصف بوجھ کم
ہو جائے، پھر میانہ روی کی ابتداء سربراہ مملکت سے ہو۔ سربراہ اگر فضول خرچ اور عیاش
ہو تو اس کا عمل اور ماتحت افسران اعلیٰ و ادنیٰ بھی فضول خرچ اور عیاشی میں مبتلا ہو جائیں
گے، مشہور ہے اناس علیٰ دین مہلک مہم کہ لوگ اپنے سربراہ کی روش اپناتے ہیں
سربراہ مملکت میں اگر ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی کا کوئی سوز و گداز نہ ہو تو ملک میں
کے دوسرے کل پر نہ بھی اس ملی دھکی ہڈ بڑھد روی سے قطعاً نا آشنا رہیں گے۔
شیعہ محفل ہو کے تو جب سوز سے خالی رہا:

تیرے پرانے بھی اس لذت سے ہی خالی ہے

اسلام کے نظام کو لوگوں کی معاشی بہتری میں
وصیت پر پابندی

میں نہیں ملے گی باوجود یہ کہ اسلام کسی کی ذاتی ملکیت میں دخل اندازی کا روادار
نہیں، تاہم جہاں ذاتی ملکیت کے مقابلے میں اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں

کی مشترکہ معیشت کو خطرہ لاحق ہوا تو مال اسلام نے کسی حد تک انفرادی اور ذاتی ملکیت
میں دخل اندازی کو روک رکھتے بلکہ ضروری گزرتے ہوئے اجتماعی معیشت اور حاجت مندوں
کے مشترکہ مفاد کی حفاظت کی ہے اس کی نظیر وصیت پر پابندی ہے، چنانچہ اس کی صورت
یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا کل مال خلائق
کو دے دیا جائے تو اس کی وصیت میں اس طرح کی ترسیم ضروری ہوگی کہ کھن و دفن
اور مرض کی ادائیگی کے بعد اس کی جائیداد کا تیسرا حصہ موصی لہ (جس کے حق میں وصیت
کی گئی) کو دے کر باقی دو حصے اس متوفی ادوات یا فتنہ کے حقدار وارثوں میں تقسیم کر
دیئے جائیں گے اور یہ اس لیے کہ اس کا کل مال وجہ معقول اور ضرورت شرعیہ کے بغیر کسی
ایک شخص کے ہاتھ میں نہ چلا جائے، بلکہ معاشرے کے دوسرے حقداروں کو بھی کچھ نہ کچھ
مل جائے یہ بھی ایک طرح سے مستحقین کے حقوق کا تحفظ اور دولت کو مختلف افراد
کے ہاتھوں میں متحرک رکھنے کی کوشش ہے؛ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اسلام کے
احکام کے آگے تسلیم خم کریں اور تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کریں۔

خمس ہے تسلیم میرا آپ کے آگے !!

پیری ہے تواضع کے سبب میری جوانی

اولاد میں حکم مساوات | اسلام کے نظام معیشت میں اپنی اولاد
کو جہد و بخشش کے سلسلے میں بھی خصوصی ہدایا

میں کہ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو اپنی زندگی میں کچھ دینا چاہتا ہے تو سب کو دے
بلکہ معقول و بلا سبب شرعی کسی کو محروم نہ رکھے۔ صحیح مسلم میں ہے:

حضرت عثمان بن اشیر فرماتے ہیں کہ ان کے والد انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

میں لاتے اور عرض کی کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہمیشہ کے طور پر دے دیا ہے۔
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا آپ نے اپنے سببوں کو کسی طرح ایک
 ایک غلام کا ہمیشہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا فارجدہ کہ اس
 سے جو عرق کرو۔ ایک روایت میں ہے قاضی وہ کاسے واپس لے لو۔ ایک اور روایت
 میں ہے، آپ نے فرمایا: اَقْرَبُ لِلَّهِ وَاعْدُوا فِي اَوْلَادِكُمْ كَوَفَرَجَعِ اِلٰی ذٰلِكَ الصَّدَقَةُ
 کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں برابری کرو، تو میرے بانی وہ عطیہ مجھے اپنے پاس کر
 لیا۔ ایک روایت میں ہے فرمایا: فَلَا تَشْعُرُوْا اِذَا فَاَتَاكُمْ لَا اَشْفِدَ عَلٰی سِوَرَتِکُمْ
 گواہ نہ بناؤ، میں ظلم پر گواہ بننا نہیں چاہتا۔ (وَعِبْرَةُ الْمَثَلِ مِنْ اخْتِلَافِ لَفْظِ
 صحیح مسلم ۲۵ - ۲۷)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وَقَالَ لِحَدِيثِ اَنَّهُ يَنْبَغِي اَنْ يَسُوَّ
 یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے
 بَيْنَ الْاَوْلَادِ وَفِي الْمَعْلُومِ كُلِّ
 کہ ہر میں اولاد کے درمیان برابری کرنا
 وَحَدَّثَنِي عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ
 مناسب ہے اور ہر ایک کو دوسرے
 عَنْ اَبِي ذَرٍّ رَضِيَ عَنْهُ
 کے برابر حقوق دے اور کسی کو ترجیح نہ دے
 ۲۷ - ۲۸ وَهَكَذَا فِي الْبُحَارِ وَالْمُسْتَدْرَاكِ
 مرد و عورت کو برابر دے۔

ترجیحی سلوک کی صورت

بعض اولاد کے ساتھ محبت زیادہ ہو اور
 بعض کے ساتھ کم یہ کوئی غلامت کی چیز
 نہیں کیونکہ یہ فعل غیر اختیاری ہے اور عطیہ و بخشش میں اگر یہ ارادہ ہو کہ بعض کو ضرر
 پہنچائے تو یہ درست نہیں بلکہ سب میں برابری کرنے کم و بیش نہ کرنے، ایسا کرنا مکروہ

وغیر مستحسن ہے۔ ہاں اگر اولاد میں کوئی دینی بزرگی رکھتا ہو، مثلاً عالم دین ہو جو علم دین
 کی خدمت میں مصروف یا عبادت و ریاضت میں مشغول ہے اسے اگر وہ منزل کی نسبت
 زیادہ دیدے اور ان منزلوں کو جو دنیا کے کام و دھندوں میں گئے ہوئے ہیں، اگر غصہ و
 حسد سے تو بلاشبہ مستحسن ہے (فتاویٰ قاضی خاں لا مش ہندیرہ - ج ۲ - ص ۱۷۹)

شرعیات نے صورت مذکورہ میں جو نیک اولاد کے حق میں ترجیحی سلوک کی اجازت
 دی ہے اس میں غلام و زیادتی ناحق نہیں، بلکہ یہ عین حق ہے اور سراپا صواب اس
 میں جہاں دوسری اولاد کو جو مقابلہ نیک صالح نہیں ہے نیک و صالح ہونے کا
 احساس و شوق ہوگا اور وہ کسی نہ کسی خیال سے دیر اصلاح ہوں گے، واپل والد
 کو دین کو غیر دین پر ترجیح دینے کا ثواب اجر بھی ہوگا اور اس نیک بچے کی جو صلاح و فلاح
 بھی ہوگی، اس میں اور بھی کئی ایک موزوں اسرار ہیں جنہیں اہل موزوں اسرار علماء جانتے
 ہیں یہ دنیا کے اہل حکمت و دانش کیا جانیں۔

حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے

ہر فرد کو ضروریات زندگی مفت حاصل ہوں

یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حقوق کے مقابلے میں اجتماعی
 اور ملی حقوق کا زیادہ تحفظ کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں اس بات کا بڑی
 شدت سے اور اولین طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہر فرد کو خوراک، لباس، مکان
 علاج اور تعلیم کی مناسب سہولتیں مفت حاصل ہوں اور اس کی ذمہ داری
 اور اخراجات کا بوجھ بیت المال پر ہوتا ہے۔ اگر خدا سزا دے بیت المال کبھی خالی

ہو جائے تو ترغیب ترہیب کے ذریعے دولت مندوں کی ذمہ داری میں شریک کیا جائے گا انہیں غریبوں، ناداروں اور حاجت مندوں کی حالت زار پر خاموش تماشائی بنے رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس سلسلہ میں حدیث شریف بھی ملاحظہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ فِي الْمَالِ لَفَتْحًا سَوِيًّا کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ
الزکوٰۃ بھی جی ہے۔

یہ ارشاد فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت کریمہ دیس البقرہ
ان تروا وجوهكم قبل المشرق والمغرب کی آخر تک تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ
ج ۱ - ص ۱۶۹)

کیونکہ اس میں ہے ذاتی المال علیٰ حثہ (اس کی محبت پر مال خرچ کرے)
اور اسی آیت میں آگے ہے ذاتی الزکوٰۃ (اور زکوٰۃ دے) اس سے معلوم ہوا
کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خدا کے لئے غریبوں کا حق ہے۔ طاہلی قاری فرماتے ہیں:

کہ مانگنے والا آجاتا ہے اسے مالی زلزلانا، فرض مانگنے والے کو

فرض دنیا بھر پر استعمال کی چیزیں یعنی آگ، پانی، نمک، مٹر، صابن

اور آٹا و برتن وغیرہ جو عام طور پر ایک دوسرے کے گھر سے مانگ لی

جاتی ہیں سب شامل ہیں (مرفاۃ ج ۲۰ - ص ۲۱۰)

اجتماعی حقوق کس ترتیب سے ادا ہوں | اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے
سلسلہ میں اسلام کے معاشی

اقتصادی نظام نے ہماری رہنمائی کر دی ہے: چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح

میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بَدَأَ بَعْنُ نَعُولِ الْمُسْكُوَّةِ کہ خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کے
تم کفیل ہو۔

طاہلی قاری فرماتے ہیں:

ای بصن تلزمت نفقتہ (مرفاۃ ج ۲۰ - ص ۲۱۰)

یعنی اپنے بعد حیل اجتماعی حقوق کے ادا کرنے کی نوبت آئے تو سب پہلے
اس کا حق ادا کرو جس کے تم کفیل ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مرنائی
یسے کہ انسان دوسروں پر بوجھ نہ ہو، بلکہ اپنے اور اپنے ساتھ اہل و عیال کا آپ
ہی کفیل ہو، کیونکہ جو با اجتماعیت کو اپنے نوراکت سے مستفید کرنے کی نوبت آئے
تو سب پہلے اس کے اپنے اہل و عیال ہی اس کی جملہ احتیاجیوں سے
مستفید ہوں گے۔

تو اے مسافر شب خود چرخ بن اپنا

کہ اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

اس اجمال کی تفصیل اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا
اور عرض کی کہ میرے پاس ایک دینا رہے (میں سے کس پر خرچ کروں) فرمایا النفقۃ
علیٰ نفسک کہ اپنی ذات پر خرچ کرو (یہ نفقۃ عید حق کے تحت تعلیم ہے)
اس سے عرض کی کہ میرے پاس دوسرا دینا رہے فرمایا اپنے خادم پر خرچ کر۔ عرض

کی کہ میرے پاس نفیس اور دینار ہے فرمایا اس کو بہوی پر خرچ کر، عرض کی میرے پاس
جو تعداد دینار ہے فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر۔ عرض کی میرے پاس پانچواں دینار
بچے فرمایا (انت اعلو) رواہ ابو داؤد و نسائی۔ مشکوٰۃ ج ۱ - ص ۱۸۱ اگر خوب
جاتا ہے، یعنی اس کے بعد تیرے اعزہ و اقارب میں جو مستحق امداد ہیں وہ تجھے
خوب معلوم ہے، ان پر خرچ کرو (مرفقا)

حقوق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ان حقوق کا پورا
کرنا ضروری ہے جو فرض کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً ایک اپنی
ذاتی ضروریات کو جن کے بغیر گذر بسر ممکن نہیں دوسرے بہوی بچے اور خادم ایسے
گھریلو افراد کی ضروریات و مستقبل کی حاجات کا انتظام پھر ان رشتہ داروں کی امداد و
کفالت جو محرم ہوں جن سے ہمیشہ ہمیشہ نکاح حرام ہے جب کہ یہ عزیز و معذور ہوں
یا کسی بھی وجہ سے اپنی کفالت آپٹ کر سکتے ہوں پھر تمام ضرورت مندوں کا درجہ ہے۔
قرآن کریم میں قُلِ الْعَفْوَ ہے یہی مراد ہے اگر کسی کے دولت مند اور صاحب مال
لوگ قُلِ الْعَفْوَ کی یہ مراد سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں تو ملک سے افلاس و عزیمت کا بکسر
خاتمہ ہو جائے۔

قرآن میں ہو فوطہ زن اے مرد مسلمان اللہ کرے تجھ کو عطا ہدیت کر دے
جو صرف قُلِ الْعَفْوَ میں ہے پتہ اندیشہ کہ اس دور میں شاید حقیقت ہو دوار
نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ کہ دولت
مندوں کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے بظاہر بات و معارج ا
اگر دولت کی تحریک اس حد تک کمزور ہو چکی ہو کہ وہ ملک کے ایک مخصوص طبقے میں محروم کرنے

لگے اور عام لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہو رہے ہوں تو ایسوں سے فاضل دولت میکروغریوں کو
انکی ضروریات فراہم کرنا ضروری ہو جاتا ہے کفالت کی صورت میں بھی جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے
اور دوسری صورت میں بھی۔ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

نیز ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ فاضل مال
کو ضرورت مندوں میں خرچ کرنا سب سے جمع کر کے رکھنے سے بہتر ہے اور اپنی ضروریات
میں کام کرنے کی حد تک کچھ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور خرچ کرتے وقت ان پر
پہلے خرچ کر دو تو ہماری کفالت میں ہوں اور خرچ کرنے والا اپنے لئے مانگے والے
سے بہتر ہے۔ (ترمذی - ج ۲ - ص ۵۷)

لفظ حق سے تعبیر کا فائدہ

لفظ حق دونوں کے بارے میں وارد ہوا
ہے اور یہاں لفظ حق سے تعبیر کا فائدہ
یہ ہے کہ سرمایہ اول اور دولت مندوں کو معلوم ہو جائے کہ مستحق دولت کی بنیاد یہ
ہی ہے، لہذا مفلس و نادار افراد بھی غلبہ کی سی طرح دولت کے مستحق ہیں جس طرح
اولین مالک مگر فرق صرف اولیت اور ثانویت کا ہے اگر کوئی دولت کے مستحق و متم
کے لوگ ہوئے۔ ایک تو وہ میں جو کسی پیداوار کے عمل پیدائش میں بنیادی کردار ادا کرتے
ہیں دوسرے وہ جنہیں عمل پیدائش میں کسی کردار کا مظاہرہ کئے بغیر محض ان کی
عزیمت و افلاس کی وجہ سے دولت میں حصہ دار و شریک اور حقدار بنایا گیا ہے چنانچہ
ابن جریر کے ایک نسخہ میں ہے فی المال حقاً سوی الزکوٰۃ کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ
بھی غریب ضرورت مندوں کا حق ہے حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں فی مالہ
حقاً سوی الزکوٰۃ کہ تمہارے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ضرورت مندوں کا حق

ہے (معدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۳۷/۲۳۸)

ضرورت مندوں کی دوستیں ہیں | کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنی ضرورت کے مانگنے سے نہیں شرماتے وہ سب

نہیں اور دوسرے وہ ضرورت مند بھی ہیں جو سوال کرنے شرماتے ہیں، جب کہ وہ شدید ضرورت مند اور معاشی مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہیں، مسکرا کر ان کا خود ار ضیمہ انہیں درست سوال دراز کرنے سے منع کرتا ہے، تو ایسے لوگوں کی ہمیں خود تلاش کرنی چاہیے کہ وہ ضرورت مند ہوتے ہوئے بھی انہماک حاجت نہیں کرتے، البتہ ان کا دل فرباد سے معمور ہوتا ہے اور ان کی شکایات و حاجت زبانی سے نہیں آواز سرد سے عکس کی جا سکتی ہے۔

ہر نفس اقبال تیرا آہ میں مستو ہے
سیئہ سواں تیرا فرباد سے معمور ہے

ایک عجیب واقعہ | یہاں ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جسے قرآنی قاری مرفاہ شرح مشکوٰۃ

میں تحریر فرماتے ہیں: ہمارے شیخ عارف باللہ علی متقی علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ ایک صالح آدمی اپنی حلال کمائی کا ایک حصہ خدا کے لئے بانٹ دیتے اور ایک حصہ اپنے کام میں لاتے اور بقیہ ایک حصہ اپنے کاروبار میں لگا دیتے۔ ایک روز ان کے پاس ایک مالدار شخص آیا اور کہا کہ میں کسی غریب کی امداد کرنا چاہتا ہوں کہ کسی مستحق کی نشان دہی فرمائیں۔ اپنے فرمایا کہ مستحق کے ہاتھ میں حلال کمائی ملے گا ہی مال جاتا ہے جب اس نے مجبور کیا تو اپنے زبانیہ کہ تم ملے جاؤ مانگنے والے پھرتے ہوں گے جس کے بارے

میں تمہارا دل ملے اور مطمئن ہو، اسے دے دو، وہ چلا گیا، تو اسے ایک نابینا منمر ٹنگتا ہوا، اس نے اس کو جو دینا تھا دے دیا اور چلا آیا پھر دوسرے روز اس مال دار کا اس نابینے پر سے گزر ہوا، تو وہ نابینا اپنے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ گذشتہ کل مجھے مالدار نے اتنی رقم دی کہ میرا کام بن گیا، میں نے شراب پی اور فغان گانے والی عورت کے ساتھ شب بسر کی۔

مالدار نے سنا، تو اسے صدمہ ہوا کہ اس کے مال کو اس نابینا ٹنگتے نے کہاں پیہودگی میں خرچ کیا، وہ اس صاحب کے پاس آیا اور اسے افسہ بتایا، تو اس صاحب نے اپنی مثال کمائی سے مالدار کو کچھ دے کر کہا کہ جاؤ اور سب سے پہلے جس آدمی پر تمہاری نظر پڑے، یہ رقم فی سبیل اللہ اسے دے دو۔

چنانچہ وہ چلا گیا اور سب سے پہلے جس پر اس کی نظر پڑی، وہ ایک خوش لباس شخص تھا، معدوم ہوتا تھا کہ یہ دولت مند ہے، اسے دینے کو مالدار کا دل نہیں چاہتا تھا، تاہم صاحب مذکور کے حکم کی وجہ سے اس نے وہ رقم اسی شخص کو دے دی۔ اس سفید پوش نے وہ رقم لے لیا اور اپنے پاؤں دھو کر چلا گیا اور ایک ویران مکان میں داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل کر چلا گیا یہ مالدار بھی اس کے تعاقب میں ملا تا کہ یہ دیکھے کہ اس دیرینے میں جا کر کیا کیا ہے اس نے جا کر دیکھا کہ وہاں ایک مبراہو کبوتر پڑا ہے اس مالدار نے اس مبراہو پرش کو قسم دیکر کہا کہ تمہارا یہ کیا راز ہے اس نے کہا کہ اس کے بچے جھوک سے چمک رہے تھے اور ان کے کو خیمہ گور نہ کرتا تھا، یہی مردہ کبوتر ملا تھا۔ میں اسے لے جا رہا تھا کہ اسے پکاؤں اور پتوں کو کھانا کران کی جان بچاؤں، راستے میں آپ ملے اور فی سبیل اللہ کچھ رقم دے دی، اب چونکہ مجھے حلال مل گیا اس لئے اس کبوتر کو واپس

اس دیرانی میں چھینکٹ کر گھر جا رہا ہوں تاکہ اس رقم سے کچھ حلال خریدوں اور بچوں کو کھلاؤں اس کے بعد اس مالدار کو اس صالح کی بات کا یقین ہو گیا اور قافۃ ج ۴ ص ۱۹۹/۲۰۰

اس لئے اہل ودعت اور صاحب ثروت لوگوں کو ایسے باضمیر اور سفید پوش اہل فقر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے، اس بات کا منتظر نہیں رہنا چاہیئے کہ گھر پر مانگے والے آئیں گے تو انہیں دے دوں گا، بلکہ بے ملگے ضرورت مندوں کو خود جا کر سہجونا اور ظاہر حال سے نہیں کچھ دل کی بصیرت اور دوسرے قرآن و شواہد سے بھی ان کی خبر رکھنا چاہیئے۔

دل مینا بھی کہ خدا سے طلب !
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

سیدنا فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ کا رعایا

حضرت عمر کا رعایا کی خوشحالی کے لئے فکر مند ہونا

کی زندگی کو خوشحال بنانے کے لئے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کے جذبے سے راتوں کو گشت کرنا ایک مسلم تاریخ حقیقت ہے۔ تاریخ طبری میں حضرت ام حنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راتوں میں گشت کرنے کے سلسلے کو مصنف دینے کے پروگرام کو بہتر بناتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ راتوں کو گشت ساری مملکت میں پورا سال کروں گا، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر طرح کی خوشی کے بعد جو بولش مجبوروں کی بنا پر بعض لوگ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہوں گے۔

خاص سیرانی المنتہام فاقیم بہا
تو میں تمام جاؤں گا، وہاں دو ماہ

شہر میں شو اسیرانی الجنیرۃ فاقیم
بہا شہر میں شو اسیرانی
مصصر فاقیم بہا شہر میں
شو اسیرانی البحرین فاقیم
بہا شہر میں شو اسیرانی الکوفۃ
فاقیم بہا شہر میں شو اسیرانی
البصرۃ فاقیم بہا شہر میں
واللہ لہنھو الحول ہذا

قیام کروں گا اور وہاں راتوں کا گشت
کروں گا ابھر عزیمت جاؤں گا وہاں دو
ماہ قیام کروں گا، پھر مصر جاؤں گا وہاں
دو ماہ قیام کروں گا، پھر بحرین جاؤں گا
وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر کوفہ جاؤں
گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا، پھر بصرہ
جاؤں گا، وہاں دو ماہ قیام کروں گا
(اور یہ پورا سال میری راتوں کو گشت کا
سال ہو گا، قسم بخدا یہ پچاس سال ہو گا
اشہر شاہ اسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے
گورنروں کو تحریر فرمایا :)

تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۵۱

اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ قوم کے نگران اور چربے
ہوں اور اس نے انہیں اس لئے حکمران نہیں بنایا کہ وہ قوم کو ٹیکسوں کے
بوجھتے دیادیں۔

ابام ابراہیم علین رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس تمام سونے
اور چاندی و دیگر اموال کو جو بیت المال میں جمع ہو جاتا تھا جت مندوں اور مستحقوں میں
بانٹ دیتے اور بیت المال میں کچھ باقی نہ چھوڑتے پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کر کے
فلتے کہ یہ زمین اس بات کی گواہی دے گی کہ ہم نے اللہ کے بندوں کے لئے جو کچھ چاہا
کیا تھا، وہ سب انہیں بانٹ دیا ہے

شما قدرت کا آئینہ ہو، دل میرا ہو۔

سہریں جڑ چمکدہ دیتی انسان کوئی شوق نہ ہو

الغرض اسلام کے نظام حکومت سے ایک ایسا اقتضائی و معاشی نظام معرض وجود میں آتا ہے کہ صالح و مومنوں کے لئے دنیا کی بدولت امت کے ہر فرد کے خوشحال و فاریح اہمال ہونے کی پوری ضمانت دیتا ہے۔

رعیت کے لئے نقصان کا معاوضہ | اسلام کے معاشی نظام میں

ہے کہ اگر رعیت میں سے کسی کا لطف نصان ہو یا سب تو مکرمت اسلامیر کی طرف سے اسے معاوضہ یا جانا ہے۔ چنانچہ کتاب الخراج میں ہے۔

یعنی ایک شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی اے امیر المومنین میں نے کھیت بویا، اہل شام میں سے ایک ہشکرہ رباں سے گزر رہا ترمیر کھیت برباد ہو گیا۔ آپ نے اسے

دس مہارے دیو تیرے مہا ورنہ دیا۔

اسی اعتبار سے اسلام کے معاشی نظام کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، یہی وجہ ہے کہ انبیاؑ عیسائیت تک کے مفکرین نے اسے ایک بے مثالی معاشی نظام قرار دیا۔
والفضل ما شئتم بہ الامداد۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ

عندہ کو عوام کی معاشی ترقی کی

سربراہ مملکت کو مہنگائی کی فکر

مگر اس حد تک جہتی ہے کہ اس کے مقابلے میں اپنی تکلیف کو بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ جب ایک پرتا طمانہ حملہ ہوا، تو اس اثناء میں کسی دُور کے علاقے سے ایک نمائندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا کیف استعاضو؟
 قال قلت استعاضو ذمار یخ المطبوع ج ۵ - ص ۱۱۱ کہ ان کے ہاں عام چیزوں کے نرخ کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ وہاں چیزیں بہت سستی ہیں۔
 آپ نے اطمینان کا سانس لیا۔ معلوم ہوا کہ سربراہ محکمات لوگوں کی معاشی خوشحالی کا ذمہ دار ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے سربراہ دروز لکھ رہے ہیں عالم اسلام میں معاشی خوشحالی کا دور روٹ سکتا ہے۔

کتاب ما وہ دسے کہ جس کی کھٹک لڑواں ہو

پناہ دہ درویش کی کسک ازال ہو

اسلام کے بنیاتی نظام پر ایک نظر | اسلام کے معاشی نظام کے برعکس
مکمل لانے کو مملکت اسلام کے کٹر

سکڑی خٹانے کا وجود ضروری ہے جسے بیت المال کہا جاتا ہے۔ ایک بیت المال مرکزی ہوتا ہے، دوسرے علاقائی اور تیسرے ضلعی۔ اگر ضرورت ہو تو ایک ضلع میں متعدد بیت المال بھی قائم کئے جاسکتے ہیں جس سے عوام کی ضروریات پوری کی جاسکیں گی۔ اب ہم مختصر کے ساتھ بیت المال کے ذرائع آمد اور ساتھ ہی اس کے مصارف کے مسئلہ میں کچھ عرض کرتے ہیں۔

ذرائع آمد (۱) زکوٰۃ (۲) عشر (۳) خراج (۴) جزیرہ (۵) وقف (۶) کرہ الارض (سرکاری زمین پر لوگان) (۷) عشور (کسٹم ڈیوٹی) (۸) ضرائب (ہنگامی ٹیکس) (۹) فیس (بغیر جنگ کے بھاگ جانے والے کاسلمان) (۱۰) خمس (۱۱) صدقات (۱۲) اموال فاضلہ (مستغرق آمدنیاں) (۱۳) کانیں (۱۴) دھینے (۱۵) سواری ٹیکس (۱۶) ذرائع مواصلات (۱۷) برقیات (۱۸) سیاحت و زیارات (۱۹) تجارت (۲۰) صنعت و حرفت۔

مصارف (۱) مصارف ثنائیہ (اٹھ قسم کے ضرورت مند جن کا ذکر قرآن میں بیان ہے) (۲) تنخواہیں (۳) وظائف عامہ (۴) دفعہ عامہ (۵) شعبہ ہائے حکومت یعنی ہسپتال، سکول و مدارس، سرکاری ہسپتال اور مسافر خانے وغیرہ کے مستغرق مصارف اسلامی نظام یا نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے بعد غیر ملکی قرضوں کی قطعاً ضرورت نہ ہوگی کیونکہ ذرائع آمد مصارف سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز ذرائع آمد میں سے اگر سواری ٹیکس معاف کر دیا جائے جیسا کہ اسلام کے نظام معیشت و اسودگی کا تقاضا ہے تو بہتر ہوگا اسلامی نظام کو خدا کا فضل کافی ہے کہیں سے ضرورت کی جھیکاٹانے کی حاجت نہ ہوگی، غرضیکہ ذرائع آمد کے مقابلے میں مصارف کم ہیں اس لئے اسلام کے نظام معیشت میں ٹیکسوں کی بھرمار نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ یہ نظام لوگوں کو حیات حقیقیہ کے ذوق سے آشنا کرتا ہے۔

ہست دین مصطفیٰ دین حیات !

شرح و تفسیر آئین حیات !

زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام اور مالیاتی پروگرام کے سلسلے میں زکوٰۃ ایک اہم ذریعہ آمد ہے جو غنائم کے بعد ہر صاحب نصاب قلم و بالغ مسلمان کے لئے واجب الاداء ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نشوونما کے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشوونما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد دولت پاکیزہ ہو کر برکتوں سے نشوونما پاتی ہے۔ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی بندے کو اس بات کا احساس بھی دلاتی ہے کہ اس کے مال کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے اور اس کی حیثیت صرف خازن و امین کی ہے اور اس امانت کو رضا کارانہ طور پر ادا کرنا از حد ضروری کرتی ہے۔ دولت کو ہر آدمی سے پاک و صاف منعموں کو مال و دولت کا بنانی ہے۔

فلسفہ زکوٰۃ اسلام میں اہل دولت پر جو مالی حقوق عائد کئے گئے ہیں مثلاً زکوٰۃ، عشر اور خمس وغیرہ سب میں یہی حکمت و فلسفہ کا۔

فرمان ہے کہ ملک کی دولت چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہو کر نہ رہ جائے چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

لَا يَجْعَلُونَ دُولَهُمْ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَالْفُقَرَاءِ (انحرافیت) اگر ہم نے دولت مندوں پر زکوٰۃ و عشر و صدقات و خیرات ایسے مالی حقوق اس لئے عائد کیے ہیں کہ مال چند اغنیاء میں ہی گھربش نہ کرتا رہے اور چند افراء کے ہاتھوں میں سمٹ نہ رہ جائے، بلکہ اس کی تحریک و گردش کا دائرہ اس طرح وسیع و عریض ہو کہ پورے ملک و ملت کے افراد اس کی تغینم سے مستفید و مستفیع ہوں۔ آیت مذکورہ کے جملہ مسطور بالا نے اسلام کے نظام معیشت

کی طرح دھلاہ کو بڑی جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اسلام کے نظامِ معیشت کے برعکس سرمایہ دارانہ معیشت میں دولتِ سمٹ کر چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جاتی ہے جن سے ملک کے چند افراد اذھ متحمل و مالدار بن جاتے ہیں اور ملک قوم کے باقی افراد تنگ دستی و معاشی بد حالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے ایسی سرمایہ داری کی پہلی ہی طرح کرنی کر دی ہے اور اسلامی معاشرہ کو اس طرح کی شکل عطا کی کہ اس پر مہلک تباہ کن سرمایہ داری کے دھسے کبھی بھی پڑنے نہیں پاتے اور اسلامی معاشرہ میں سرمایہ داری پسپ ہی نہیں سکتی اور دولت کو چند ہاتھوں میں مجتمع و مرکز ہونے سے روکا اور اس سلسلے میں ایسے حفاظتی بند باندھے کہ اس سے دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس کی نژادیت چند افراد تک محدود رہ سکتی ہے۔ بلکہ اس کی حرکت و گردش تمام افراد ملک ملت میں جاری رہتی ہے۔ لہذا اس میں نہ تو امیر امیر تہ اور نہ ہی غریب غریب تر ہوتے ہیں بلکہ نہایت حسن و خوبی سے عزت و افلاس کا نفع و فتنہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ باہمی طبقاتی آگ اور تباہی سے محفوظ رہتا ہے۔

کی جیسی ہمیشہ کے لئے سرد ہو جاتی ہے جس سے غریب مفلس لوگ اندادہ بے گناہت ہو کر اپنی ہی قوم کے خون کا دریابنا دیتے ہیں اور باہمی کشت و خون جو سہل سہل و یکو نرم اور اشتراکیت کا طرہ امتیاز ہے عمل میں نہیں آتا بلکہ معاشرہ کی عمارت و دولت کی مساویانہ تقسیم پر کچھ اس طرح ہے استوار کی چابی ہے کہ پورا ملک امن و سکون کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

اشتراک معاشرہ کو جس کی جو تک نصیب نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال سے اشتراک معاشرہ کی بابت سنیے ۵

جنگ بوازن تن غیر و جان پاک جز بر تن کار سے نہ او را شتر کش
دین آں پینہر سخی ناشناس بر مبادات شکم دار و اساس
تیر علم یہ حکمت یہ تدبیر حکومت پیتے ہیں ابو یسے میں تعلیم مساوات
لیکن اسلام نے زکوٰۃ و عشر و صدقہ و خیرات ایسے مالی حقوق دولت خدان اور مالداروں پر قائم کر کے غریبوں اور ناداروں کو ان کی دولت و ثروت میں تھکڑ بنا کر جو منہ و اشتراک حقیقی پیدا کی ہے اس میں نصرہ بازی اور طمع سازی نہیں بلکہ اس کی صدائے مساوات حقیقت و صداقت پر مبنی ہے جو ہمیں صدیوں سے عورت حمل سے رہی ہے جو دشمنش نہیں غریب کو اٹھا کر تحت نشین امیر کا ہم پہلو بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبال کی زبان سے سنیے ۵

ہے تازہ آج تک وہ نوائے عجز گداز صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخ پیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاف کھرتی ہے جو غریبوں کو ہم پہلوئے امیر
اقبال کس مساوات کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا جیشی کو دوام ہے

نفعی حج سے غریبوں کی امداد بہتر ہے | اسلام کے معاشی نظام میں غریب افلاس کے دور کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد اگر کسی کے پاس فاضل دولت موجود ہے تو اسے بھی اس انداز سے خرچ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ ضرورت

نہ اشتراک معاشرہ کا نظریہ اشتراکیت و یکو نرم
اور پینہر سخی شناس یعنی لیون اور کارل ماکس
اور سوشلسٹوں اور اشتراکیوں پر تنقید ہے۔

کرنے والا اپنا مقصد بھی حاصل کر لے اور اس سے معاشرہ کے بد حال لوگوں کا بھلا بھی ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص فاضل دولت سے کوئی نوا کا کام کرنا چاہتا ہے اور اس مسئلے میں نفی حج کرنے کا خیال رکھتا ہے تاکہ اسے خدا تعالیٰ کی رضا خوشنودی حاصل ہو، تو اسلام کے معاشی نظام کی طرف سے اسے حمایت کی جاتی ہے کہ وہ نفی حج کے بجائے اس رقم کو معاشرہ کے بد حال لوگوں پر صرف کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کر لے اس سے یہیں ہم امام غزالی علیہ الرحمۃ کا فرمان پیش کرتے ہیں۔

”بہت سے دولت مندوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے بڑے بیویوں کو ٹھوکا (اور ضرورت چھوڑتے ہیں) ایسا حج کہاں قبول ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحیح فرمایا ہے کہ قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، ان کو حج کا سفر بہت آسان معلوم ہوگا کہ جہازوں پر آتے جائیں گے، روپیہ کی ان کے پاس کی نہ ہوگی (جب کہ معاشرہ کے بد حال اور ضرورت مند لوگ پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور نفی حج کرتے پھرتے ہوں گے، لیکن وہ حج کے ثواب محروم رہیں، دست واپس آئیں گے ابو نصر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ ایک شخص امام الادبیا بشر بن جابر کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میرا حج کا ارادہ ہے اپنے پوچھا تیرے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا دو ہزار درہم۔ فرمایا حج سے تیرا کیا مقصد ہے؟ اس نے عرض کی اللہ کی رضا جوئی۔ فرمایا کہیں تمہیں ایسا کام بتاتا ہوں کہ تمہارے پیسے بھی خرچ ہو جائیں اور خدا کی رضا جوئی بھی حاصل ہو اور تمہیں سفر بھی نہ کرنا پڑے۔ اس نے عرض کی بخوشی؟ فرمایا اچھا ہاں اس مال کو ایسے آدمیوں کو دے دو جو مقررہ ہوں وہ

اس سے اپنا قرضہ واکر دیں اور اگر تمہاری طبیعت چاہے، تو یہ ایک ہی مقررہ چیز کسی حاجت مند کو دے دو۔

فان اخلافت السور علی قلب المسلم واغاثت اللقیان وکشف
الضمير واعانة الضعیف افضل من مائة حجة بعد حجة الاسلام (میاہ
المعلوم ج ۱ ص ۳۹۷)

مخبرجہ کیونکہ مسلمان کے دل کو خوش کرنا، اسے کس کی امداد، ضرورت مند کی ضرورت پوری اور کمزور کی اعانت کرنا سو نفی حج سے افضل ہے (اور اگر تو نے ایسا نہ کیا اور ضرورت مندوں کو چھوڑ کر حج چلا گیا، تو تیرا حج قبول نہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عہد فرمایا ہے کہ وہ صرف متیقن کے عمل کو قبول فرمائے گا۔ احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۹۷۔ طبع مصر)

سچ تو دل میں لگتا ہے کہ اسے کیا ہے؟

انجمن سہمیہ سی اور پیمانہ بے صہا تیرا

ضرورت کی ضرورت کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر بہتر ہے
اسی کتاب میں ایک جگہ امام صاحب فرماتے

ہیں کہ بعض لوگ معاشی بد حالی میں مبتلا لوگوں کی ضروریات میں صرف کرنے کی بجائے مساجد کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں حالانکہ ضرورت مند کی ضروریات کو پورا کرنا مسجد کی تعمیر کے کہیں بہتر اور اہم ہے۔

صرف اعمال الیہم اھم و
افضل وارلی من الصرف الخ
بنام المساجد و زینتھا۔
یعنی ضرورت مند مسلمانوں کی ضروریات میں
مال خرچ کرنا مسجد کی تعمیر و آرائش پر
خرچ کرنے سے زیادہ ضروری و بہتر

وصولی کی بیگم و دیگر بگیاں تاکر وہ معاشی برعالی میں مبتلا افراد کی حالت سدھارنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو رہے

ہر ایک مقام سے آگے گزرتا گیا ماہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے گنت دو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصارفِ زکوٰۃ

قرآن کریم میں زکوٰۃ کے درج ذیل آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ فقرارہ : جن کے پاس اس قدر سرمایہ نہ ہو جس سے ان کی ضرورت پوری ہو سکے۔

۲۔ مساکین : جن کے پاس سہ سے کچھ بھی نہ ہو۔ فقرو مسکین میں فرق آگے چل کر ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ غلامین : جنہیں حکومت کی طرف سے زکوٰۃ و عشر کی تحصیل پر مامور کیا گیا ہو ان کو زکوٰۃ ہے اس قدر دیا جائے گا جس سے ان کی اور ان کے زیر کفالت متعلقین کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

مؤلفۃ القلوب : ضعیف الایمان لوگوں کو اسلام پر سچے کرنے کے لئے یا مائل بہ اسلام لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب کے سلسلے میں یا معاریین اسلام شری پسندوں کو شر سے باز رکھنے کے لئے زکوٰۃ دی جاتی تھی یہ عینوں گروہ مؤلفۃ القلوب کہلاتے ہیں (فتح القدیر) اس کی مزید تفصیل غفرلہ فرمائیے۔

رقاب . مکاتیب کو بدل کتابت دیگر آدھی سے چمکنا کرنا۔

۳. غارین . وہ مفروض جن کے پاس اس قدر سرمایہ ہو جس سے وہ فرض ادا کر سکیں۔

۵. ابن السبیل : مسافر جن کا وطن میں تو سرمایہ ہو لیکن سفر کی حالت میں ان کا سفر خرچ ختم ہو چکا ہو۔ (ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۸ طبع دہلی)

۶. فی سبیل اللہ (یعنی خدا کی راہ میں) قرآن کریم میں جہاں کہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ وہاں کبھی تو عام معنی مراد لیا جاتا ہے جس پر لفظ فی سبیل اللہ کی یہ برداشت ہے۔ یہ معنی عام جو دراصل لفظ فی سبیل اللہ کا بول بول ہے ہر قسم کی نیکی اور ہر طرح کے کار خیر کو شامل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ مِّنَ الَّذِينَ يَنْفَقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْتَبَتْ
سَبْعًا سَنَابِلًا فِي كُلِّ سَبِيلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ - اٰی آخِرُهَا :

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”الَّذِينَ يَنْفَقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا تَتَّبِعُونَ هُنَا وَلَا ذٰی
لَهُمْ اٰخِرُ هُمْ - اٰی آخِرُهَا۔“

اس قسم کے ارشاد باری تعالیٰ میں واقع ہر نیوے لفظ ”فی سبیل اللہ“ کو کسی نے بھی جہاں کے معنی کے ساتھ مختص نہیں کیا بلکہ اس سے معنی عام مراد لیا جاتا ہے جس کا تعلق ہر قسم کی امداد سے ہے خواہ وہ کوئی بھی کار خیر انجام دے رہا ہو اتنا ہو یا ادارہ کی شکل میں ہو۔

کبھی لفظ ”فی سبیل اللہ“ سے معنی خاص مراد لیا جاتا ہے اور وہ اللہ کے دین

کی مدد اس کے دشمنوں سے جنگ اور دشمن زمین پر اس کا بول بالا کرنا ہے حتیٰ کہ کفر کا فتنہ فرو ہو اور اس کا دین غالب اور ایت کے سیاق و سیاق سے ہی پتہ چل سکتا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ سے وہاں کون سا معنی مراد ہے۔ عام یا خاص ؟ اور یہ خاص معنی قتال و جہاد کے ذکر کے بعد آیا کرتا ہے۔ مثلاً

”فَاُفْلَحُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ ”وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“

اور اسی طرح کفار کے ساتھ جنگ کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔

”وَانْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ ”وَلَا تَقْلُقُوا بِاٰيْدِيكُمْ اِلٰى الْاَنْتَهٰلِ حَتّٰى يَنْفَقُوْا“

یہ شریعتوں اتفاق فی سبیل اللہ سے مراد اسلام کی امداد و حمایت کرنا دشمنان اسلام جو لوگوں کو اسلام لانے سے روکتے ہیں کے مقابلہ میں اللہ کی توحید و اسلام کا بول بالا کرنا ہے اسی طرح ایت کریمہ انما الصدقات میں دار و بنوئے والے لفظ ”فی سبیل اللہ“

کا سیاق و سیاق بھی اسی معنی خاص کو متعین کر رہا ہے بلکہ اس سورہ مبارکہ کا آغاز بھی کفار و مشرکین سے براؤ کے ساتھ ہو رہا ہے جو ان کے لئے کھلا اعلان جنگ ہے۔ پھر

خصوصیت کے ساتھ اس آیت کے آگے اور پیچھے کی آیات بھی اسی معنی خاص کے مراد متعین ہونے کو واضح کر رہی ہیں۔ وہ یہ کہ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد و اسلام

کی امداد و حمایت میں خرچ کرنا ہے۔ وہ عام معنی مراد نہیں کیونکہ اگر وہ معنی عام مراد لئے جائیں اور کہا جائے کہ اس سے مراد ہر اچھے اور تعمیری کام میں خرچ کرنا ہے

تو اس صورت میں مصارف کا آٹھویں انحصار بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ خدا کی راہ میں عام خرچ کرنے کے مواضع و اقسام و مواقع آٹھ میں منحصر نہیں بلکہ وہ

بسیوں اقسام و مواقع ہیں اور ہر قسم کے بیکاروں افراد ہیں بلکہ فی سبیل اللہ سے

ہر نیک کام میں تخریج کرنے کے معنی مراد لینے کے بعد باقی سات مصارف کے علیحدہ طور پر ذکر کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی بلکہ ان کا علیحدہ ذکر کرنا بلاوجہ تکرار و ساقار پاتا ہے جب کہ کلام الہی کچھ ایسا معجز واقع ہوا ہے کہ اس میں اس قسم کے بے فائدہ تکرار کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا ضروری ہے کہ یہاں "فی سبیل اللہ" سے ایسا خاص معنی مراد لیا جائے جو اسے بقیہ سات مصارف سے ممتاز کر دے۔ یہی وہ مفہوم ہے جسے شروع سے خرابیت کا تمیز و فقہاء مجتہدین اختیار کرتے چلے آئے ہیں اس سلسلے میں دوسرے دلائل بھی ہیں اور اس سبب کچھ کی بنیاد پر ائمہ کرام نے یہاں "فی سبیل اللہ" سے مراد جہاد و لب ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جب "فی سبیل اللہ" کا لفظ مطلق ہو تو اس سے جہاد ہی مراد ہوگا چنانچہ امام علامہ ابن اثیر جزیری علیہ الرحمۃ متوفی ۷۰۲ھ ص ۱۰۱ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ "المنہاج" میں لکھتے ہیں کہ

سبیل اللہ عام یتبع علی کل عمل خالص یتلک بہ طریق النقب الی اللہ تعالیٰ بایامہ البقرات والنوافل والنوع المنتطوعات واذا اطلق فموسو فی الغالب واضح علی الجہاد حتی یصار لکثرة الاستعمال کما انہ مقصود المنہاج ص ۲۲۹/۲۲۸ طبع بیروت

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو ہر فعل کی بجائے اور تو افعال اور دیگر قسم کے کچھ کاموں کے ذیلے اختیار کئے جاتیوں ہر خالص عمل کو جس سے خدا کا قرب مقصود ہو شامل ہے اور جب علی الاطلاق اس لفظ کا استعمال ہو تو غالباً اس سے جہاد ہی مراد ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کا استعمال جہاد کے معنی میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ گویا اس کا معنی جہاد ہی ہو

کر رہ گیا ہے۔

ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن میں "فی سبیل اللہ" کے لفظ کا علی الاطلاق استعمال ہوا ہے اور ائمہ کرام نے اسے "جہاد" پر بھی محمول کیا ہے۔ اس قسم کے تمام کے تمام قرآن اسباب کے حق میں جاتے ہیں کہ مصارف ذکر ہونے کی آیت میں وارد ہونے والے لفظ "فی سبیل اللہ" سے جہاد ہی مراد ہے جیسا کہ جہاد ائمہ کا مذہب ہے وہ عام معنی مراد نہیں جو محض لغوی حیثیت رکھتا ہے۔

فقہ حنفی، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مجاہد ہے لیکن حنفیہ اس میں یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ وہ فقیر و حاجت مند ہو اور سامان جنگ از خود لینے کی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو یا امام ابو یوسف و امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جب کہ امام محمد اس میں حاجت مند حاجی کو بھی شامل کرتے ہیں علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدینا اس لئے ہے کہ جب فی سبیل اللہ علی الاطلاق استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی جہاد بھی ہوتے ہیں (حواشی ہدایہ علامہ بدر الدین عینی ج ۱ ص ۱۷۷)

طبع دہلی

فقہ شافعی، فقہ شافعی کی رو سے بھی فی سبیل اللہ سے مجاہد مراد ہے چنانچہ امام جلیل مجتہد غیل امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

ويعطى من سلع سبیل اللہ سبیل اللہ کی مد سے لئے دیا جائے گا جو محل وغزو من غزاهن جیران الصدقة مجاہد جو غزوات غنمی ہو یا محتاج اور مجاہدین فقیران جکان او غنیب ولا يعطی کے سوا کسی اور کو نہ دیا جائے گا

غیر ہو (مقابلہ امام شافعی ص ۲۶)

اس میں بھی فی سبیل اللہ کے مصرف کو مجاہدہ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے جیسا کہ ہر ایسے کے خوالہ سے گذرا اگر حنفیہ مجاہدہ کے لئے فقر و ناداری کی شرط عائد کرتے ہیں جب کہ امام شافعی اس حکم کو عام رکھتے ہوئے غنی اور غیر غنی دونوں مجاہدوں کے لئے زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔

فقہ مالکی: فقہ مالکی کی رو سے بھی فی سبیل اللہ سے مجاہدہ مراد ہے چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب "المدرۃ البکری" میں امام جلیل محمد بن عبد اللہ بن مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد اس طرح ہے۔

وسأعلمنا عند الرجل يوصي
بما يملكه في سبيل الله قال يبدأ
بأهل الحاجة المدين في سبيل الله
(المدرۃ ج ۱ ص ۲۰۲)

ہم نے امام مالک سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے فی سبیل اللہ خرچ کر دیا وصیت کی اپنے فرمایا اس کی ابتدا ان ضرورت مندوں سے کی جائے جو خدا کی راہ میں ہیں

امام مالک علیہ الرحمۃ کے اس ارشاد و قرانی میں اہل حاجت فی سبیل اللہ کا ذکر ہے یعنی وہ حضرات جنہیں راہ خدا میں خرچ کی حاجت و ضرورت پیش آگئی ہو اور وہ مجاہدین تکمیل میں چنانچہ علامہ شیخ احمد فقیہ مالکی لکھتے ہیں۔

وفي سبيل الله المتأصلين بجهاد
والشذلي منها كمنه سلاح ودمع
وفرس وخنجر مالک ان طلبه العلم
المهملين فيه لهم الاخذ من

اور اللہ کی راہ میں یعنی ان لوگوں کو جو جہاد و شذلی میں لڑتے ہیں وہ زکوٰۃ سے مستحق ہیں و زکوٰۃ سے مستحق ہیں اور مالک کا مذہب ہے کہ جو علم و دین کے طلبگار اور عالم دین ہیں

الزکوٰۃ والواجب ان اذا انقطع حنبلہ

من بيت المال لا يلهي مجاهدون

بمشيئة الصاوي على المجلدين ۲ ص ۱۳۲

علامہ شیخ احمد صاوی مالکی علیہ الرحمۃ نے امام مالک کے مذہب بیان فرمایا کہ اس حقیقت کو محمول کر رکھنا چاہیے کہ فی سبیل اللہ سے جو مجاہدین مراد لئے جاتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ جہاد و عسکری میں مصرف ہوں بلکہ جہاد و عام ہے خواہ جنگ کی صورت میں تواریک کے ساتھ ہو یا علم دین کی نشر و اشاعت اور دین کی تبلیغ کی شکل میں ہو، گویا جو شخص بھی دین اسلام کی حمایت و اعانت کا کام کر رہا ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے لہذا وہ "فی سبیل اللہ" کی ذمہ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور اس حقیقت سے کس عقل مند کو انکار ہو سکتا ہے کہ جس طرح تواریک و غیرہ کے ذریعے جہاد و جہاد ہے ایسے ہی زبان و قلم سے بھی جہاد ہے بلکہ علمی و فکری صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے زبان و قلم سے جہاد کرنا، جہاد بالیوسف اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ جہاد کرنے سے کہیں زیادہ مؤثر ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مدح و ثناء اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں شعر کہتے تھے۔ اسی طرح انہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

خلواتي بكفرون سييئ

خبر يا بيزيل الباطن عن وقيل

ترجمہ: کافروں کے پیٹو! حضور کے راستے سے الگ ہو جاؤ آج ہم حضور کے

اليوم نصر يكمه على منازيل

ويدهل الخيل عن جيل

ترجمہ: آج ہم تم کو فتح دے گا اور تم کو ہار دے گا

مکرمیں وارد ہونے پر تمہیں ضرب کاری لگائیں گے (مگر تم نے عہد شکنی کی) ایسی کاری ضرب لگائیں گے کہ وہ تمہاری کھوپڑیوں کو ان کی جگہ سے پرے کر دیگی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دیگی۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن رواحہ سے فرمایا کہ اے ابن رواحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور عدم الہی میں شعر گوئی کر رہے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر!

خَلَّ عِنْدَ فَلْهُوَ اسرع فيهم من
نضع السبل (سابق شریف جلد ۳۹)
اے کچھ نہ کہو اس کا کلام کفار پر تیرا زاری کی نیدت کہیں زیادہ تیز اثر کرنے والا ہے اس حدیث کو امام نسائی کچھ اگے چل کر محمد بن عبدالمالک کے طریق سے پھر لائے ہیں اس میں ہے

والذي نفسي بيده لا يفتد الله
عنه من وقع السبل (سابق ج)
خدا کی قسم اس کلام کا کافروں پر تیرا زاری سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

(۲۲ ص ۲)

اس حدیث شریف میں واضح ہو گیا کہ جہاد صرف فوجی قوت کے ذریعے ہی نہیں کیا جاتا بلکہ جہاد قوت فکری و قوت عقلی کے ذریعے بھی ہوتا ہے اسی طرح اقتصاد و سیاسی قوت سے لادین عناصر کا مقابلہ کرنا بھی جہاد ہے ان تمام امور میں ضروری ہے کہ بنیادی شرط پائی جائے اور وہ یہ کہ ان تمام امور میں اسلام کی سر بلندی دین حق کا بول بالا مقصود ہو اس سلسلے میں زکوٰۃ خرچ کی جائے گی اور جانشین اس کا شمار مصارف شامیر میں سے "فی سبیل اللہ" کے ہی مصرف میں ہو گا چنانچہ امام المفسرین

امام ابو جعفر طبری علیہ الرحمۃ متوفی ۳۲۰ھ اپنی مشہور تفسیر جامع البیان میں ارشاد فرماتے ہیں۔

يعني وفي التتمة في نصرة
دين الله وطريقته، وفي يعتد الحق
بشمنون من قتال وجنگ کے ذریعے اللہ کے
دین، اس کی راہ اور اس کی اس شریعت
شرعہا لعباده بقتال أعدائه وذلك
هو غن والسكفار۔

(تفسیر طبری ج ۱ ص ۱۱۳)

بندوں کے لئے تجویز کی ہے، یہی کفار کے ساتھ جہاد ہے۔

امام ابن جریر علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے بھی یہ حقیقت اور مدلل ہوگی کہ کفار و مجذبین کے مقابلہ اور دین اسلام و شریعت مطہرہ کی تائید و حمایت اور اس کی اشاعت و فروغ میں "فی سبیل اللہ" کی مد میں سے زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے اور یہ امر بھی ائمہ اربعہ و دیگر مجہور فقہار کے نزدیک مسلم ہے کہ جن پر فی سبیل اللہ کی مد سے زکوٰۃ خرچ ہو وہ افراد ہوں لیکن باہمی فقہ کے مجہور علماء افراد کی شرط بھی عائد نہیں کرتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ جہاد کے تمام مصالح و ضروریات میں زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے خواہ اس سے افراد و اشخاص کو فائدہ پہنچے یا پورے اجتماعی معاشرۃ اسلامیہ کو مجاہدین کو بہر صورت موصوف کے نزدیک بھی "فی سبیل اللہ" سے جہاد ہی مراد ہے۔

فقہ حنبلی کی رو سے بھی "فی سبیل اللہ" سے مجاہدین پر خرچ کرنا ہے۔
چنانچہ الانصاف میں ہے۔

السابع في سبيل الله وجه
يعني ساتواں مصرف فی سبیل اللہ

الغزاة الذين لا ديوان لهم۔ ہے اور وہ ایسے مجاہدین ہیں جن کا

الانصاف ج ۳ ص ۱۲۳

بیت المال سے کوئی وظیفہ نہیں۔

فقہ حنبلی میں بھی فی سبیل اللہ سے مجاہدین کا بطور مصرف مراد ہونا واضح ہو گیا۔

ائمہ اربعہ کا متفق علیہ موقف

تین امور ایسے ہیں جن پر ائمہ اربعہ
رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ ایک یہ کہ قطعی طور

پر جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ دوم یہ کہ زکوٰۃ کا اشخاص مجاہدین پر مصرف کرنا جائز ہے لیکن جہاد کے مصالح و ضروریات پر مصرف کرنا بغیر اس کے کہ افراد پر خرچ ہو اختلافی چیز ہے۔ سوم یہ کہ بندوں، بچوں، مساجد و مدارس اور ہسپتال کی تعمیر، سڑکوں کی تعمیر و مرمت، مردوں کے کفن اور اس قسم کے قومی ورفاہی کاموں پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ احناف کے نزدیک تو اس لئے کہ ان امور میں تملیک کی شرط کا نقد ان سے ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس لئے کہ یہ امور مصارف ثنائیہ میں سے نہیں ہیں۔ ائمہ اربعہ کے علاوہ بھی جمہور ائمہ کا یہی مذہب ہے۔

فقہ حنفی کا عندیہ تو ہے ہی اور دیگر ائمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ان مصارف اور جو ان مصارف کی تشریح و تفسیر کے مطابق مستحق ہیں کے علاوہ زکوٰۃ کسی سر مصرف میں نہیں دی جاسکتی۔ چنانچہ فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبریٰ میں ہے کہ۔

قال مالک بن انس لا یجوز ان
یعطی من زکوٰۃ فی کفن میت
امام مالک بن انس نے فرمایا کہ میت کے

لان الصدقة لفقراء والمساکین زکوٰۃ فقر اور مساکین اور ان لوگوں کے

ومن سعى الله وليس للاموات سبب ہی ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے مصارف

والبناء المساجد سبب میں ذکر فرمایا مردوں کے لئے نہیں

المدونۃ ج ۳ ص ۹۹ اور نہ ہی مساجد کی تعمیر کے لئے کچھ جائز ہے

امام مالک علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے بھی واضح ہو گیا کہ رفق ہی کاموں میں اگرچہ

وہ عبادت خانہ ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح امام ابن

قدام علیہ الرحمۃ المعنی میں فرماتے ہیں۔

فقہ حنبلی، اسی طرح فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں ہے۔

والی يجوز مصرف الزکوٰۃ الى غیر ذکر الله تعالى من بناء المساجد

ذکر کرنا ہے ان کے علاوہ مسجدوں، بچوں

اور بیلوں کی تعمیر، سڑکوں کی مرمت

وسل البشوق وتکفیف الموق والتوسعة

علی الاضیاف واشباه ذلك من الترفیع

الی سعید ذکرہ اللہ تعالیٰ۔

المغنی لابن قدامہ رحمہ اللہ

نقل ج ۲ ص ۶۶

خرچ نہیں کی جاسکتی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ائمہ مذہب اربعہ رفاہی کاموں میں جہاں تک

ہونے اور وصول کی صلاحیت کا فقدان ہے وہاں زکوٰۃ کے خرچ

کرشی امانت نہیں دیتے۔ علاوہ یوسف قرضاوی نے بھی ائمہ اربعہ کا یہی مسلک

نقل کیا ہے۔

عدم جواز صرف الزکوٰۃ فی
جمعات الخیر والأصلاح العامة من
بناء السدود والقناطر وإنشاء
المساجد والمدارس وأصلاح
الطرق وتكفیه الموقی ونحو ذلك
والغلب هذه الأمور على موارد
بيت المال الاخرى من الفی واللزاج
وغیرهما وانما بعد بحز الصرف
فی هذه الأمور لعدم التخصیص فیها
كما یقول الحنفیة وانما جازها
عن المصارف التماثیة كما یقول غیرهم
(فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۶۳۳)

الغرض: حنفیہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تمیک کو رکن قرار دیتے ہیں اور
رفاہی کاموں میں تمیک نہیں پاتی جاتی اس لئے وہ رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کو صرف کرپہی
اجازت نہیں دیتے اور دوسرے ائمہ جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تمیک کو رکن نہیں سمجھتے
وہ رفاہی کاموں میں زکوٰۃ کے خرچ کرنے کی اس لئے اجازت نہیں دیتے کہ ان کے
زکوٰۃ یہ رفاہی کام ان اٹھ مصارف میں شامل نہیں جن کا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ
نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انما الصدقات میں لفظ انما صرح کرتے ہیں جس کا

مقناویہ ہے کہ ان اٹھ امور کے علاوہ کسی اور کام میں زکوٰۃ صرف نہ کی جائے اور یہ
کہ تمیک، وطنی، رفاہی کام بیت المال (خزانہ) کی دوسری آمدنیوں سے کئے جائیں۔ جیسے مال
غنیمت اور خراج ایسی دوسری ہیں۔

ایک شے کا ازالہ

یہاں کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں مال غنیمت
خزانہ کی آمدنیوں میں نہیں اور نہ ہی خراج کی کوئی اس
قدر آمدنی ہے تو رفاہی کاموں کے مصارف کا کیا ہوگا اس سلسلے میں یہ جواب ہو سکتا ہے
کہ اس وقت اور مدین ایسی بھی ہیں جو اس زمانہ میں نہیں ہو کر تھیں۔ اس وقت بیشمار
ٹھکے ایسے ہیں جو کروڑوں روپے کی بچت کر رہے ہیں جنہیں حکومت تجارتی بنیادوں
پر چلا رہی ہے۔ مثلاً کسٹم، کاہن، سواری ٹیکس، ریلوے، بیس، ٹیلی فون، تار
ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، اپنا پھول موصلات کے ٹھکے، اہم پیداواری شعبے ہیں، بجلی
سیاحت، ڈاک، کورٹ فیس وغیرہ ایسے بے شمار ذرائع ہیں۔ اگر حکومت ان سے
مستفید لگان ٹیکس نصف کی مر تک بھی کم کر دے اور انکم ٹیکس سرے سے ختم یا اس
میں اچھی خاصی کمی کر دے جب بھی تمام ملکی مصارف پورے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ حکومت
اپنے غیر ضروری مصارف ترک یا ان میں معقول حد تک کمی کر کے کفایت شعاری اور قناعت
سے کام لے۔ یہ سب کوشش یہ ہو کہ کسٹم اور فروڈ ٹیکس ختم کر دیئے جائیں کہ شہر بارگاہی

بعض اہم کام نہ ہونا

اہم بعض اہم و تحقیق فقہاء جن کی تعداد بہت ہی
فیل ہے اس طرف گئے ہیں قرآن میں وارد لفظ
"فی سبیل اللہ" ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی میں بڑی وسعت و گنجائش ہے یعنی "مذا
کی راہ" ہیں۔ اس میں ہر قسم کی کام جو ثواب کی نیت سے کوئی شخص یا ادارہ کرتا ہے

شام ہے چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ امام نقال علیہ الرحمۃ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے نبیل اللہ میں ہر اس کام کو شامل کرتے ہیں جس کا فائدہ کسی شخص کو حاصل ہو یا جماعت کو یا پوری قوم و امت کو۔

انہو اجاز و صرف الصدقات یعنی بعض فقہاء نے مردوں کی تکفین
الی جمیع وجوہ العیون من تکفین الموتی قلعوں کی تعمیر و مساجد کی عمارت ایسے تمام نیک
و بناء الحصون و عمارة المساجد قلعوں میں زکوٰۃ صرف کرنے کو جائز قرار دیا
"فی سبیل اللہ" عام فی السک کل کیونکہ ان کے نزدیک "فی سبیل اللہ" کل
(تفسیر کبیر جلد ۱۶ ص ۱۱۳) کو شامل ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی نے البتہ فی سبیل اللہ کے معنی میں اس حد تک توسیع کے خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ "فی سبیل اللہ" سے جو مجاہد و غازی مراد لیا جاتا ہے۔ اس سے صرف وہ مجاہد و غازی ہی مراد نہیں جو عرفی و عسکری جہاد کا مجاہد ہے بلکہ مجاہد عام ہے تواریخ و بدوق سے کہنے والا ہو یا قوت علمی و فکری سے کہنے والا لہذا اس میں جہاد کی وہ تمام صورتیں داخل ہو جاتی ہیں جن سے کفار و لادین عناصر سے مقابلہ کیا جاتا ہے خواہ وہ کفار و لادین عناصر اندرون ملک ہوں یا بیرون ملک اس تعمیر میں جہاد و معرفت کے علاوہ کفار و لادین عناصر سے تقریب و تحریر ایسے ہر تعمیری و دینی منصوبوں کے ذریعے مقابلہ کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ پہلا مقامات مقدسہ کو کفار یا یہود سے آزاد کرنا غیر مسلم اقوام کے تسلط سے مسلمانوں کو آزاد کرنا جیسے مسلمانوں کے اسی طرح نظر آتی ہے۔ دوسری اعتبار سے مسلمانوں کی رہنمائی کرنا تبلیغ کے لئے دُف و دھجیجنا مخالفین اسلام کے بخل بے جودہ نظریات کی تردید میں کتابیں اور رسائل لکھنا اور انہیں مفت یا کم قیمت پر

فراہم کرنا۔ یہ تمام صورتیں جہاد فی سبیل اللہ میں آ جاتی ہیں۔ راقم الحروف علامہ یوسف قرضاوی کی نسبت فی سبیل اللہ کے مفہوم میں مزید اس حد تک توسیع کا بھی قائل ہے کہ ہر اس تعمیری کام پر زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کی توجہ غیر مسلم اقوام سے ہٹانا مقصود ہو یعنی غیر مسلم اقوام کوئی تعمیری کام کر کے اس کے ذریعے غریب مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہوں اور اندیشہ ہو کہ اگر یہاں مسلمانوں پر مسلمان حکومت کی طرف سے غیر مسلموں کے مقابلہ میں اس طرح کے تعمیری کام کے ذریعے عوام کو سہولت نہ پہنچائی گئی تو عوام غیر مسلموں کی ان سہولتوں سے استفادہ کر کے متاثر ہوتے بغیر نہیں رہیں گے اور اس طرح اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے تو ایسے موقع پر زکوٰۃ میں سے خرچ کر کے عامۃ الناس کے لیے دینا تعمیری و دفاعی کام کرنا بلاشبہ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق قرار پاتا ہے۔ خواہ یہ تعمیری کام ہسپتال کا قیام ہو یا سکول کا اجراء یا سڑک کی تعمیر بشرطیکہ اٹھ مصارف کے مستحقین کو اولیت دی جائے اور ان کی ضروریات پوری ہو چکی ہوں اور اب وہ زکوٰۃ لینے کے خواہش مند ہی نہ رہے ہوں۔ اور یہ کہ خزانے میں حشر و زکوٰۃ کے علاوہ دوسری کسی مد میں سرمایہ موجود نہ ہو اور اگر ملک میں آٹھ مصارف میں سے کوئی حق دار باقی ہے یا کسی کی ضرورت ابھی پوری نہیں ہوتی یا دیر کسی مد کا سرمایہ موجود ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا دوسرا دفاعی کاموں پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ غرضیکہ فی سبیل اللہ کا ایک تو لغوی معنی ہے جس میں سارے کے سارے اچھے کام داخل ہو جاتے ہیں خواہ ان کی اقداریت اشخاص کو ہو یا اجتماعیت کی صورت میں معاشرے کے تمام افراد کو اور دوسرا خاص معنی ہے یعنی وہ کام جو دشمنان دین و مخالفین اسلام کی جنگی اور معاشرتی و اخلاقی سازشوں کو ناکام کرنے کے لئے کئے

جائیں بسیا کر آج ہم پاکستان کے اندر اور باہر اس قسم کی سازشیں دیکھ رہے ہیں کہ کہیں تو وہ جدید ترین اسلحہ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور کہیں ہسپتال قائم کر کے لفظی کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں پہنچا کر اپنے آپ کو عمدہ اخلاق کا حامل ثابت کر کے مریضوں کو اپنے نظریات کی طرف مائل کر رہے ہیں اور کہیں سکول اور کالج قائم کر کے عوام کو تعلیمی سہولتیں فراہم کر رہے ہیں اور اپنے مخصوص نظریات نسل نو تک پہنچا رہے ہیں اور کہیں کتابیں چھاپ چھاپ کر مفت تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ بلاشبہ ہر محاذ پر دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانا اور اس سلسلے میں بروقت مجبوری مدد زکوٰۃ سے بھی غرض کرنا "فی سبیل اللہ" کا مصداق ہے۔ آیت کریمہ میں یہی خاص معنی مراد ہے۔ وہ عام معنی مراد نہیں جس میں اس خصوصیت سے قطع نظر ہر اچھا کام شامل ہو جاتا ہے خواہ اس کا فائدہ کسی خاص شخص کو حاصل ہو یا عامۃ الناس کو کیونکہ یہ عام معنی مراد لینے سے زکوٰۃ کے مصارف کا تعدد بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے اس سلسلے میں علامہ یوسف قرضاوی کی رائے بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ان الذی ارجمہ ابن المعنی العام لسبیل اللہ لا یصلح ان یزاد ہوذا لانه بهذا العموم یتبع لجهات کثیرة لا یختص احدا منها فغیرا عن اشتغالها ولہذا نیافی حصص المصارف فی

یعنی جس بات کو میں ترجیح دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ سبیل اللہ کا یہاں عام معنی مراد لینا درست نہیں کیونکہ اس عموم سے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جن کے تقسیم کا احاطہ ممکن نہیں ہو جائے کہ ان کے افراد کا ہر

شعبہ، حکم ہو ظاہر کیا جاسکے اور یہ معنی مصارف کے اٹھ اقسام میں حصص کے معنی ہے جیسا کہ آیت کے ظاہر سے صبر معلوم ہوتا ہے۔

افتاء الزکوٰۃ ج ۲ ص ۱۶۵

جو کچھ "فی سبیل اللہ" کے سلسلے میں راقم نے جو عرض کیا ہے علماء خراسان کے مندرجہ خیال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ المجموع میں ہے۔

ان شاع اشتری من سبیل سبیل اللہ سبحانہ ونعانی افراسا کی مدد سے گھوڑے اور جنگی سامان خریدنے والے الحرب وجعلنا وقفا فی سبیل اللہ اور امجادین کو ان کا مالک بنانے و شخصی تملیک کرنے کی بجائے، ان کو خدا کی راہ میں وقف کرنے اور یہ بروقت ضرورت جس کی انہیں حاجت ہو وہ وقت حاجت انکو دیدیا کرے پھر مجاہدین وہ مسلمان ایس کر دیا کریں خزانے میں مال کی قلت و کثرت کے مطابق مصلحتیں ہوتی رہتی ہیں۔

(المجموع شرح المہذب ج ۴ ص ۲۱۲/۲۱۳)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ عام طور پر زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ کہ مصارف میں اس کا لحاظ رکھا جائیگا کہ تملیک کی صورت موجود ہونی چاہیے کہ اخص کا مذہب ہے اور اٹھ مصارف سے تجاوز نہ کیا جائیگا جیسا کہ دیگر ائمہ ثلاثہ کا خیال ہے لیکن اگر خزانے میں اس بات کی گنجائش نہ ہو کہ مجاہدین کو مسلح کر کے اسلحہ دیگر ضروریات کا ان کو مالک بنایا جاسکے تو سربراہ مملکت جنگی ساز و سامان کو جو زکوٰۃ سے خریدا گیا

وقف کر دے جسے مجاہدین ضرورت کے وقت استعمال کریں اور ضرورت کے پورا ہو جانے کے بعد اسے واپس کر دیا کریں۔ اس صورت میں ہمارے اس خاص معنی کی تائید کا پہلو نکلتا ہے جو ہم نے "فی سبیل اللہ" سے متعلق بیان کیا ہے کہ اس دور میں مخالفین اسلام کے ساتھ جنگ لڑنے کے محاذ بہت سی صورتوں میں کھل چکے ہیں۔ کہیں اسلام کے ذریعے جنگ ہو رہی ہے اور کہیں تبلیغ و تعلیم کے انداز سے اور مخالفین اسلام کہیں کھلے طور پر اور کہیں اسلام کا لبادہ اوڑھ کر قریہ اور شہر شہر وار ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے مختلف حیلے اپنائے ہوئے ہیں اس لئے جہاں جس تعمیری کام کے ذریعے مخالفین اسلام سے مقابلہ کی ضرورت محسوس ہو وہاں مجبوری کی صورت میں شخصی تملیک کے تصور سے ہٹ کر اجتماعی امور بخیر یہ بھی بذکوٰۃ سے صرف کرنا جائز ہو گا اور اس پر بلاشبہ "فی سبیل اللہ" کا حکم صادق آئے گا اور اس صورت حال کا تعین ذمہ دار افراد کر سکتے ہیں کہ یہاں مخالفین اسلام اس طریقے سے کام کر رہے ہیں یا نہیں بھی ان کے مقابلہ میں سی طرح کام کرنا چاہیے تاکہ وہ اس آڑ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش نہ کر سکیں۔

تحدید نصاب رہا تحدید نصاب کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے نصاب ذکوٰۃ کے سلسلے میں چاندی اور سونا دونوں کو نصاب ذکوٰۃ میں معتبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم و بخاری و مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت عمار و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لیس فیما دون خمس اواق پانچ اوقیہ چاندی سے کم ہیں

من الموزن صدقۃ۔ زکوٰۃ نہیں۔

نصوص مشہور اور اجماع اہل اسلام کی روشنی میں طے شدہ ہے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کی ہوتی ہے تو پانچ اوقیہ کے دو سو درہم ہوئے مطلب یہ ہوا کہ دو سو درہم سے کم ہوں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور سونے کے بارے میں بھی معتد احادیث آئی ہیں۔ سفن دار قطنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یأخذ من کل عشرين دیناراً نصف دینار۔ یعنی اگر م صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر بیس دینار میں سے نصف دینار زکوٰۃ لیا کرتے تھے۔

ابوداؤد و شریف میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ۔

اذا كانت لك ما تادرهم وحال علیہا الخول ففیہا الخمسة دیناراً یعنی فی الذہب حقاً تکون لك عشرون دیناراً فاذا كان لك عشرون دیناراً وحال علیہا الخوال ففیہا نصف دیناراً یعنی فی الذہب حقاً تکون لك عشرون دیناراً۔

اس حدیث میں چاندی اور سونے کا نصاب بتا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ ریافت

طلب ہے کہ آج ہمارے پاس لیون دین نہ سونے سے ہے اور نہ ہی چاندی سے اگرچہ بین الاقوامی اعتبار سے کرنسی کا زر سونا ہی طے پایا گیا اور کرنسی کی قیمت میں سونے کی قیمت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے تاہم زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سونے اور چاندی کے دو نصابوں میں سے کسی کو دار و مدار ٹھہرایا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کے لئے چاندی کو ہی نصاب قرار دیا جائے اور اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ چاندی کا بطل نصاب ہونا۔ ایک متفق علیہ اور سنت صحیحہ مشہورہ سے ثابت شدہ امر ہے حتیٰ کہ بعض روایات میں سونے کی زکوٰۃ واجب شدہ حصہ کے لئے چاندی کا ذکر ہے چنانچہ امام ابن خرم کی اٹھلی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا سونے کے بیس شعل کا ایک مار تھا تو:

فاصرہ ان تخرج عنہ خمسة
دراہم (المجلد ۲ ص ۱۵۹)
زکوٰۃ میں پانچ درہم او اگر وہ۔
(فقہ الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵)

ایک شعل ایک دینار کا ہوتا ہے تو اس سلسلے میں نصف دینار یا نصف شعل بھی فرمایا جاسکتا تھا لیکن پانچ درہم کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو سکتا ہے کہ جب سونا اور چاندی نصاب قرار پانے میں زیر بحث آئیں تو نصاب چاندی ہی ٹھہریں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چاندی کو نصاب قرار دینے میں متحققین کا نفع ہے کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا کنندگان کی تعداد زیادہ ہوگی اسی لئے مصر میں بیس سے کچھ اوپر یا بال نصاب زکوٰۃ تجویز پائے ہیں اور تقریباً پچاس یا ملکت عربہ سعودیہ اور خلیج کی دیگر عرب امارات میں بھی یہی مقدار نصاب قرار شدہ ہے

اگرچہ علامہ یوسف قرضاوی کے نزدیک سونے کو نصاب قرار دینا قابل ترجیح خیال ہے جس کے کچھ دلائل بھی انہوں نے بیان کئے ہیں تاہم جہاں زکوٰۃ کے وجود کا فلسفہ ہے اس کی رو سے چاندی کو نصاب مقرر کرنا قرین مصلحت و موجب افادیت ہے کیونکہ اس سے ایک تو زکوٰۃ دہندگان کی تعداد میں اضافہ ہوگا اور لوگ ادا زکوٰۃ جیسے نیک عمل کی سعادت سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشرف ہوں گے علاوہ ازیں وجوہ کوۃ کا فلسفہ دولت میں تحریک پیدا کر کے غریب لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچانا ہے اور دولت کی زیادہ سے زیادہ تحریک اسی صورت میں عمل میں آسکتی جس صورت میں زکوٰۃ دہندگان کی تعداد زیادہ ہو جس قدر زکوٰۃ دہندگان کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر دولت میں تحریک زیادہ ہوگی اور جس قدر تحریک زیادہ ہوگی اسی قدر افلاس و غربت میں کمی آئے گی جب کہ سونے کو نصاب قرار دینے میں یہ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ لہذا نصاب زکوٰۃ چاندی کو ہی ٹھہرایا جائے۔

اگر کسی کے پاس سونا ہے تو اس پر زکوٰۃ ساڑھے سات توڑے اور ایک سال گزر جانے پر بھی زکوٰۃ قاعدہ ہوگی۔ ساڑھے سات توڑے سونے کا کم از کم نصاب کوۃ ہے اسی طرح چاندی پر بھی اس کے نصاب کی حد تک ہونے اور سال بھر پڑے رہنے کے بعد ہی زکوٰۃ فرض ہوگی اور چاندی کا نصاب کم از کم ساڑھے باون توڑے ہے سونا یا چاندی جو اس کا چالیسواں حصہ دینا ہو گا خواہ وہ اسی سے دس یا اس چالیسویں حصہ کی قیمت دیں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر سونا ساڑھے سات توڑے یا چاندی ساڑھے باون توڑے سے زیادہ ہو تو زائد میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک کہ وہ زائد کل نصاب کے پانچویں حصہ کو نہ پہنچے اور جب

پانچویں حصہ کو پہنچ جائے تو اس نصاب کے ساتھ اوپر کے پانچویں حصہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مثلاً چاندی کا بھٹا چالیس روپے فی تولہ ہے تو ساڑھے باون تولے کے اکیس سو ۶۱۰۰ جتنے ہیں۔ اگر اس قدر رقم بینک میں ہے اور اسے سال بھی گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائیگی۔ اگر اس دوران اس نے بینک میں اور رقم دو یا تین سو زائد جمع کرادی اور اسے ایک سال گزر گیا تو اگلے سال زکوٰۃ صرف اکیس سو کی ہی وضع کی جائے گی اور پر کی رقم کی نہیں کیونکہ اوپر کی رقم کل نصاب یعنی اکیس سو کا پانچواں حصہ نہیں بنتی ہاں اگر اس نے چار سو بیس روپے جمع کرائیے اور اس پر سال گزر گیا تو اب اکیس سو کے ساتھ چار سو بیس روپے کو ملا کر رقم پچیس سو بیس روپے کا پالیسواں حصہ زکوٰۃ کا وضع کیا جائے گا کیونکہ چار سو بیس روپے جو زائد جمع ہوئے وہ کل نصاب یعنی اکیس سو روپے کے پانچویں حصہ کے برابر ہیں۔ اسی طرح پھر اگلے سال تک کے دوران اس نے کچھ اور رقم جمع کر لی تو وہ زائد رقم جب تک پھر کل نصاب یعنی اکیس سو کے پانچویں حصہ یعنی چار سو بیس تک نہ ہو اس زائد کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائیگی بلکہ زکوٰۃ پچیس سو بیس روپے کی وضع کی جائیگی اور وہ زائد رقم اگر پانچویں حصہ نصاب کے برابر ہو تو پھر اس کل نصاب کی دونوں زائد رقمات کے ساتھ زکوٰۃ وضع کی جائیگی غرضیکہ ایک شخص سے دوسرے شخص تک کے درمیان کی رقم پر زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ مفاد ہے یہی خود چاندی اور سونے کے نصابوں کا حکم ہے۔ چنانچہ فتاویٰ درمختار میں ہے۔

ومابین الخمسین الى الخمس
عفو (الدوا المتعارض مع دہلی ص ۱۳)
یعنی دو غنموں کے درمیان جو قدر
مال ہوگا وہ مغاف ہوگا۔

یعنی اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

اور یہ غنم یا غنم پر ہے کہ چونکہ زکوٰۃ کے نصاب کا دار و مدار چاندی پر ہے۔

اس لئے چاندی کے بھاؤ کی کمی بیشی کے مطابق نصاب کی رقم بھی کم و بیش ہوتی رہے گی اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ جب زکوٰۃ کی کمٹی کا سالانہ موقع آئے گا تو اس وقت چاندی کے بھاؤ کے مطابق ساڑھے باون تولے کی جو رقم بینگی اسی کے حساب سے زکوٰۃ وضع کرنا ہوگی۔

فقیر و مسکین میں فرق
زکوٰۃ کے مصرف وہ اٹھائتم کے لوگ ہیں جن کا قرآن کریم کی سورۃ توبہ میں ذکر ہے انھیں

الصدقات للفقراء الخ آیت ۶۰ یعنی زکوٰۃ صرف غریبوں، فزائے ناداروں اور انہیں کے لئے سب سے حوالے سے حاصل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنوں کے چھڑانے میں (صرف کی جائے) اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں ایجاد کرنے والوں اور طالب علموں اور مسافر کے لئے ہے (یعنی فقر اور مساکین و یتیم و بیوہ و جسمانی معذور و بے روزگار کے لئے)

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمہ مبارکہ مسمیٰ بہ کنز الایمان ص ۱۳۲ فی ترجمہ فقران میں مسکین کا ترجمہ فزائے نادار سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ہدایہ کے مطابق ہے۔ فرماتے ہیں۔ مسکین من لا شئ لہ الخ ص ۸۷ کہ مسکین وہ ہے جو کچھ بھی نہ رکھتا ہو۔ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں و لہذا مروی عن ابی حنیفہ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تعریف مروی ہے۔

مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ
ابتداءً اسلام میں کچھ لوگوں کو اسلام کی طرف

مائل کرنے یا اسلام پر باقی رکھنے یا ان کے شر سے بچنے کے لئے تدریجاً کوفہ سے حصہ دیا جاتا تھا (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹) اور اے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تقسیم فرماتے تھے جب اسلام ایک طاقت بن گیا تو اس وقت ایسے لوگوں کو حصہ دینے کی ضرورت نہ رہی! لہذا مولفۃ القلوب کا حصہ خود بخود منقطع ہو گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ عینہ اور اقرب نامی دو شخص مولفۃ القلوب تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا حصہ طلب کیا۔ آپ نے حضرت عمر کو خط لکھا وہ دونوں صاحبان خط لے کر تینا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، آپ نے اس کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لئے عطا فرمایا کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غائب کر کے ایسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر و درمندانہ سے اور بھارے درمیان تو اور فیصلہ کرے گی۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں واپس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہوا نشانہ یعنی وہی (میرے بعد خلیفہ ہوں گے) اگر چاہیں (اور منظور کریں) گئے تو حضرت صدیق اکبر اور دیگر جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ سے اتفاق کیا! لہذا مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضرت عمر فاروق قرآن کریم کو کیے ایک شے کا ازالہ | منوع کر سکتے تھے۔ نیز یہ خیر واحد ہے اس سے قرآن کریم کا منوع نہیں ہو سکتا لہذا اس حکم کا باقی رہنا حکومت و وقت کی صوابدید پر موقوف

ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ صحابہ کرام کا اتفاق و اجماع ہے اور اجماع قطعی ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق تو اس فیصلہ کے مظہر قرار پائے اور اس اجماع کی سند کتاب سنت سے کوئی نہ کوئی دلیل شرعی انہیں معلوم تھی، اگرچہ اس دلیل شرعی کا اس وقت ذکر نہ کیا گیا اور عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ ذکر بھی ہوا ہو، مگر اسے کسی نے بھی نقل نہ کیا ہو۔ کیونکہ عدم نقل بھی عدم ذکر کو مستلزم نہیں ہے اور اس کے لئے اس قدر کہنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہونے کی حیثیت سے وہ نفوس قدسیہ کسی حکم فیصلہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہ سکتے جب تک کہ انہیں اس فیصلے و حکم کی سند کتاب سنت سے معلوم نہ ہو، ان کا حضرت عمر فاروق اعظم کے فیصلہ مذکورہ پر خاموش رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات معلوم تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مولفۃ القلوب کو حصہ دینا اس وقت تک کہ جب تک کہ اسلام کو غلبہ قوت حاصل نہیں ہوتی۔ نیز امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ آیت تلاوت فرمائی

الغنى من ربي كفوف من شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر رسولہ كہات

کہ تمہارے رب کی طرف سے حق (واضح ہو گیا) ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہی آیت مولفۃ القلوب کے حصہ کے سقوط کی

موجب ہے (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۰)

رہا یہ سوال کہ آیت انما الصدقات الخ مدنی اور آیت الحق من ربك

ایسی صورت سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مؤخر الذکر آیت کا نزول مکہ میں ہوا تاہم اس کا حکم اور اس پر عمل بعد میں ظہور پذیر ہوا اگر ایسی کئی ایک آیات باقی باقی ہیں جو نزول کے اعتبار سے مقدم مگر حکم و عمل کے لحاظ سے مؤخر ہیں۔ بہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام بالجسم من لسان الحق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم سے یہ بات ہرگز منکر و متصور نہیں کہ وہ کسی ایسی نص قرآن کریم کی جو اپنی قطعی حالت کے ساتھ بدستور موجود ہو، خلاف ورزی کریں، کیونکہ وہ تو قرآن کریم کے احکام کے محافظ و پاسبان تھے، اس کے کسی حکم کی مخالفت کیسے کر سکتے تھے ہمہ پاسبان عزت ام الکتاب !
از نگاہش خاتم باطل ضارب !

مقامی مستحقین کو ترجیح اسلامی معاشی نظام نے دور واولوں کی نسبت قریبی و مقامی مستحقین کو ترجیح دی ہے۔ زکوٰۃ کی تقسیم میں اول قریب، پھر بعید کے مطابق پہلے قریبی و مقامی مستحقین کو دینے کا حکم ہے اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو دور واولوں کو۔

چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی ذمہ داریاں سونپ کر روانہ کیا، تو ارشاد فرمایا اے معاذ ! تم اہل کتاب کے پاس جا کر انہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے (اسلام لانے) کی دعوت دینا اگر وہ تمہاری بات مان لیں (اسلام قبول کر لیں) تو انہیں پنجگانہ نمازوں کی پابندی کا حکم دینا اور اس کے بعد انہیں فریضہ زکوٰۃ سے آگاہ کرنا اور ان کے امیروں سے زکوٰۃ وصول کرنا توخذ

اغنیاء تلہو و نرد علی فقرائہ یعنی زکوٰۃ وہاں کے دولت مندوں سے لے کر وہاں کے غریبوں میں بانٹ دی جائے گی اور وصولی زکوٰۃ میں ان کے بڑھیا مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں (بخاری، مسلم) اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ان نقل الزکوٰۃ من بلد یعنی ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے البلد الجوب لا يجوز مع وجود المستحقین شہر کو بھیجنا جائز نہیں، جب کہ وہاں فیہ بل صدقة کل ناحية مستحق موجود ہوں، بلکہ ہر علاقہ کی لمستحق ثلاث الناحية۔ زکوٰۃ اس علاقے کے مستحقوں کے لئے ہے۔
(مرقاۃ ج ۳، ص ۱۱۹)

نہایت احناف نے اگرچہ عدم جواز کا قول نہیں کیا تاہم کراہیت سے اتفاق کیا ہے، یہاں یہ ہے۔ ویحکمہ نقل الزکوٰۃ من بلد الى بلد (ج ۱، ص ۱۹) ایک مرتبہ خراسان کی زکوٰۃ وہاں کے عامل نے شام کے بیت المال کو روانہ کر دی، غلیفہ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو آپ نے وہ زکوٰۃ خراسان کے بیت المال کو واپس بھجوا دی اور ہدایت کی کہ اسے خراسان کے مقامی مستحقوں میں بانٹ دیا جائے (مجموعۃ الفقاری، شرح بخاری، ج ۸، ص ۲۳) البتہ اگر ایک شہر کی زکوٰۃ وہاں کے مقامی مستحقوں کی ضرورت سے زیادہ ہے اور زکوٰۃ دینے والے کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار جسے شرعی طور پر زکوٰۃ کی ممانعت نہیں۔ دوسرے شہر میں ہے، تو اس صورت میں اس کو زکوٰۃ بھیج سکتے ہیں۔

باشمیوں کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں جمہور فقہاء احناف کی رائے یہ ہے کہ

لا تدفع الى هاشم کہ باشمیوں کو زکوٰۃ نہ دی جائے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يا بني هاشم ان الله احرم عليك غنمك وغنم الناس واولادهم وعوضك فغنمنا بغنم الغنم يافني هاشم کہ بے بنی ہاشم اللہ تعالیٰ نے تم پر لوگوں کا غنم اور اولاد اور میل (زکوٰۃ احرام کی ہے اور اس کے عوض تمہیں جنس کا جنس عطا کیا ہے۔)

لہذا انص سے معلوم ہوا کہ نبی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے، وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے بلکہ ہاشمی لوگ اپنی زکوٰۃ غیر ہاشمی کو دیں گے، لیکن آج کے دور میں اس مسئلے پر نظر ثانی کرنا ہوگی، جیسا کہ۔

امام طحاوی کی رائے

امام الاحناف حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ ضرورت مند معاشی بھران میں مبتلا ہاشمی حضرات دے سکتے ہیں، امام طحاوی نے اس سلسلے میں کچھ احادیث بھی روایت کی ہیں جن سے جواز ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے تاہم آج کے پرفتن دور میں جسے معاشی مسائل نے سنگین حالات سے دوچار کر رکھا ہے، غیر ظاہر الروایہ پر عمل مناسب ہے جب کہ امام صاحب ایک روایت جو انکی بھی ہے: چنانچہ فتح القدیر میں امام ابن ہمام رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں:

وروی ابو حنیفۃ عن ابو حنیفۃ اور امام ابو حنیفہ امام ابو حنیفہ رضی

انہ یجوز فی ہذا الزمان کہ ہاشمیوں کو زکوٰۃ دینے کی روایت کر تے ہیں کہ اس کی امام اعظم کے کان میں مقبول تھا۔ فی ذلک الزمان (فتح القدیر ج ۲ ص ۴۰۲)

کفار ہاشمیہ بدایہ میں ہے۔ الحرمة كانت في عهد النبي صلی اللہ علیہ وسلم لعوض واولادهم الشخص فلما سقط ذلك حقت لهم الصدقة قال الطحاوی وبالجملة ناخذ۔ (الهدایہ ج ۱ ص ۱۸۸)

یہ صریح گویا اس وجہ سے تھی کہ انہیں جنس الحسن ملتا تھا اور جب جنس الحسن ساقط ہو گیا، تو ان کے لئے برتقارہ الضرورات تبیح المحظورات زکوٰۃ کی حرمت ساقط ہو گئی ہاشمی حضرات کو لوگوں کے صدقات نافلہ یا حیلوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ان کے معاشی بھران میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے بعد غریب ضرورت مند ہاشمیوں کے لئے کفالت کا الگ انتظام کر دیا جائے جس سے وہ حسب ضرورت دے سکیں، تو وہ زکوٰۃ سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ فیعود حکم الحرمة۔ الغرض زکوٰۃ اسلام کے معاشی نظام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے اگر اہل دولت اپنی دولت کی زکوٰۃ صحیح طور پر ادا کریں، تو اس سے نہ صرف ان کے دلوں سے دولت کی محبت مٹ کر وہاں خدا تعالیٰ کی محبت ملے گی بلکہ معاشرہ

کے افلاس و غریب کے بارے ہوئے لوگوں کو کسی حد تک معاشی مساوات حاصل ہوگی اور اسلامی معاشرہ کو بے مثال استحکام بھی نصیب ہوگا۔

حُبِّ دولت رافنا سازد زکوٰۃ ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل زحقاً تنفعوا محکم کند زرفراہد آفت ز کم کند
این ہمہ اسباب استحکام تست پختہ محکم اگر اسلام تست
اہل قوت شو زور دے یا قوی تا سوار اشتہر خاکی شوی

ہاں اگر حیلہ یا تدبیر کا عمل کر لیا جائے تب بھی دست بچیلہ یا تدبیر ہے یعنی کسی غیر ہاشمی متحی کو زکوٰۃ دی جائے گی پھر اسے اپنی طرف سے ہدیہ کے طور پر ہاشمی کو دینے کی ترغیب دی جائے وہ ہاشمی کو ہدیہ کر دے تو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور کسی اخلاف کے بغیر ہاشمی کو اس کا قبول کرنا درست بھی قرار پائے گا۔ اگر ایک شخص قرض لے کر باہمی کاموں پر خرچ کر دے پھر زکوٰۃ سے اس کا قرض اتار دیا جائے تو یہ بھی درست ہے اس طریقے سے تدبیر سے ہر قومی و فابی کام پر زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے۔ حدیث بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی دلیل ہے عمدۃ القاری میں ہے۔ اِنَّ الْاَشْيَاءَ الْمَحْرُومَةَ لَعَلَّ مَعْلُومَةً اِذَا

ارْقَضْتَ مِنْهَا لَكَ الْعَلَلُ حَلَّتْ وَ اِنَّ التَّحْرِيْمَ فِي الْاَشْيَاءِ لَيْسَ لِبَيْتِهَا (ج ۹ ص ۹۲)
یعنی جن حرام چیزوں کی حرمت کی وجوہات معلوم ہوں جب وہ وجوہات باقی نہ رہیں تو وہ چیزیں حلال ہو جائیں گی۔ اور یہ کہ چیزیں اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہوتیں۔ شریعت کا یہ قاعدہ آج کے دور کی سائنسی ایجادات، ریڈیو، ٹیلی وی، دی سی آر وغیرہ کے بارے میں بھی تنکوک و شبہات کے دور کے کو بھی کافی ہے

عشر کے معنی دسویں حصہ کے ہیں۔ نصف عشر (دسواں حصہ) بھی اس اطلاق میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

کس کس چیز عشر دیا جائے

وَلَتَوْحِقَقَنَّ يَوْمَ مَعْصَادِهِ

اور اس کا حق شرعی اس کے کاٹنے کے دن ادا کرو۔ (انعام ۱۳۱)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر عرفان العرفان میں تحریر فرماتے ہیں:

معنی یہ ہیں کہ یہ چیزیں (کھیتی اور رخت) جب پھیل کھانا تو اسی وقت سے تمہارے لئے مباح ہے اور اس کی زکوٰۃ یعنی عشر اس کے کامل ہونے کے بعد واجب ہوتا ہے جب کھیتی کالی جائے یا پھل توڑے جائیں (مسئلہ) ٹوٹی، بانس، گھاس کے سوا زمین کی باقی پیداوار اگر بارش سے ہو تو عشر واجب ہو گا ہے اور اگر ریش و غیرہ سے ہو تو نصف عشر (تفسیر خزان العرفان، بر حاشیہ ترجمہ اعلیٰ حضرت جماد الاول ۱۳۳۹ھ)

عشر کا نصاب

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے یہ مطابق فرمان باری تعالیٰ وَالْفُقَرَاءُ طِبَاتٌ مِّنْكُمْ يَتَحَرَّوْنَ عَمَّا اخْرَجْتُمُوهُم مِّنَ الْاَرْضِ۔ یعنی اپنی پاک کمائی سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اس سے ہماری راہ میں خرچ کر دو۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے زمین کی تمام پیداوار کو شامل ہے۔ شواری ہو یا زیادہ۔ اور حدیث میں ہے کہ فَمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْغَيْمُ النَّشْرَ وَ خِيَا

مُسْقًى بِالنَّاسِ نِصْفُ الْعَشْرِ . یعنی جو باران و بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو پہلے سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

اور حدیث میں ہے - فَمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعَيُونُ الْعَشْرَ فَمَا سَقَ بِالْغَضِ نِصْفُ الْعَشْرِ . یعنی جو بارش اور چشموں یا دریاؤں کے میل سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو کنوئیں سے سیراب ہو اس میں نصف عشر ہے۔ اس حدیث کو مسلم کے سوا بھی صحابہ صحاح نے روایت کیا۔

ان حدیثوں میں قلیل اکثر کی کوئی قید نہیں اور پانچ وسق کا تعلق عشر سے نہیں زکوٰۃ سے ہے یعنی اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے غلہ ہو اور سال گزر جائے تو اس کی زکوٰۃ تینے لگا جب وہ پانچ وسق ہو اس زمانے میں غلہ کا لین دین وسق کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی اس اعتبار سے پانچ کے دو سو درہم ہو اور یہی زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ پھر وسق والی حدیث میں لفظ عشر بھی نہیں بلکہ لفظ صدقہ ہے جو زکوٰۃ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں مالک کا اعتبار بھی نہیں حتیٰ کہ وقف زمین کی پیداوار کا عشر بھی دینا ہو گا۔ (تیسرے المطالعہ ص ۲۹۲)

عشر زمین کا کرایہ ہے

زمین کے بلے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ انت الارض للہ (قرآن) کہ زمین کا مالک اللہ ہے اس لئے اپنے بندوں کو عارضی اور مجازی طور پر مالک بنا دیا ہے کہ اپنی ضروریات کے سلسلے میں زمین سے استفادہ کریں؛ لہذا عشر اس کا معاوضہ و کرایہ ہے لیکن چونکہ وہ خود کرایہ لینے سے پاک ہے اس لئے اس نے ہدایت کی کہ اسے ضرورت مندوں کو دے دو ان کے ہاتھوں میں گیا تو

گرمی کے ہاتھوں میں پہنچا کہ خدا کی مخلوق اس کا عیال ہے امام ابو یعلیٰ اور امام بزار حضرت انس اور امام طبرانی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے اوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الْبَقْلُ كُلُّهُ عِيَالُ اللَّهِ، فَاجْتَنِبْ
كُلَّ مَخْلُوقٍ خَلَقَ اللَّهُ عِيَالًا لَهُ تَوْ
اللہ کو وہی زیادہ پسند ہے جو اس کے
عیال کو زیادہ فائدہ پہنچاتے۔
(الجامع الصغير للسيوطي ص ۲۱۱)

خلاصہ یہ ہے کہ زمین خدا کی ہے ہم عارضی استفادہ کرنے والے ایک طرح سے اس کے کرایہ دار ہیں اور یہ عشر و نصف عشر وغیرہ اس کی زمین کا کرایہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انتساب باؤساہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین

عشری زمین

عشر یا نصف عشر عشری زمین سے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوم مسلمان ہو جائے تو ان کی زرعی زمین اور غریب کی زمینیں اور مجاہدین و غنیست والوں کے حصہ میں آتی ہوتی زمینیں جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا ہو اور لاوارث ذمی کے مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آنے والی زمین سب عشری ہیں۔ ان سے عشر یا نصف عشر لینے کا حکم ہے اسی طرح جو زمین عشری ہو نہ خراجی اس سے بھی عشر یا نصف عشر کی وصولی کا حکم ہے۔ اس صدی کے مجدد و اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ

ہندوپاک کی زمینوں کا حکم

علیہ قیامی مبارکہ "فتاویٰ رضویہ" میں فرماتے ہیں:

ہندستان اور پاکستان کی زمینیں خراج نہ سمجھی جائیں گی، جب تک کہ کسی خاص زمین کی نسبت خراج ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ وہ عشری یا نہ عشری نہ خراج اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے (فتاویٰ رضویہ ج ۴ - ص ۴۵۳)

عرب کی زمین عشری ہے

قاضی القضاۃ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وارض

البحر والصحیۃ ومکۃ والیمن وارض العرب کلہا ارض عشر - (کتاب العراۃ ص ۱۶۰) اور حجاز مدینہ و مکہ و یمن اور کل عرب کی زمین عشری ہے۔

عشر و نصف عشر کی صورت

اگر عشری زمین بارش اور دریائی سیلاب یا قدرتی چشموں اور نہروں کے بے قیمت پانی سے سیراب ہوتی ہو، تو اس کی پیداوار سے عشر لیا جائیگا اور اگر ان ذرائع سے سیراب ہو جن میں خرچ کرنا پڑتا ہے، تو نصف عشر لیا جائے گا۔ ہا یہ میں ہے کہ اس پر ہونے والے مصارف کے وضع کرنے سے پہلے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔

عشر زمینہ پر یا مزارع پر؟

امام اہل سنت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ

الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ شریف میں فقہاء کے فیصلوں کی بہترین تفتیح کر کے مسئلہ کو نہایت خوبی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

زمین اگر بٹائی پردی جائے یعنی مزارع کے لیے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف (۱/۲) یا ثلث (۱/۳) غلہ قرار دیا جائے تو مالک نے زمین پر صرف

بقدر عشر آئے گا، مثلاً مزارعت بالناصفۃ، اہل کی صورت میں سوسن غلہ پیدا ہو تو زمیندار پانچ من عشر میں دے اور اگر زمین اجارہ پردی گئی جسے لوگ قشتی کہتے ہیں، مثلاً سور و میریجہ پر اٹھائی، تو اربعہ بقا قول صاحبین رحمہما اللہ اکل عشر مزارع پر ہے، ہمارے بلاد میں یہی قول صاحبین (وافق بالتاس ہے۔ الخ ج ۲ - ص ۴۵۴)

کیونکہ اس صورت میں زمیندار پر عشر واجب کرنا اس کے لئے ناقابلِ بابت اور چھ ہو جائیگا جس سے اگر ایک کو معاشی سہولت ضرورت سے زیادہ حاصل ہوگی، تو دوسرے کے لئے مشکل پیدا ہو جائیگی۔

پریشان ہو کے میری خاک آخر دل زمین جائے جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی شکل زمین جائے

عشر و خراج کا مصرف

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ البتہ خراج کا حکم اور ہے وہ یہ کہ

خراج کا مصرف شکر اسلام ہی نہیں، بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد، خرچ مساجد و وظیفہ امام و مؤذن و نبی پل دسرتے و تنخواہ مدرسین عالم دین و خبر گیری طلبہ علوم دین و خدمت علماء حق حامیان دین مشغولین درس و دعوۃ وغیرہ اور دین سب داخل ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ - ص ۴۵۶/۴۵۷)

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

کسی زمین کے عشری ہونے کی آٹھ صورتیں ہیں:

۱۔ منقوعہ ارضی کہ مجاہدین اسلام میں تقسیم کی گئیں۔ ۲۔ وراثی کے بغیر از خود

مسلمان ہونے والوں کی زمینیں ۳۔ کاشت ہونیوالی زمین کہ عسری کے قریب ہے۔ ۴۔ عسری و خراجی زمین سے یکساں قریب کاشت ہونے والی زمین ۵۔ مسلمان کا مکان کہ کھیت یا باغ بن گیا۔ ۶۔ عسری زمین خرید کر دہ ذمی کو مسلمان نے شفعہ میں لے لیا یا مستم شرعی سے بیع فاسد یا خیار بشرط یا خیار و بہت سے بیع ٹوٹ گئی یا خیار عیسے حکم قاضی پاس ہو گئی۔ ۷۔ آبادہ زمین کہ اسے مسلمان نے آباد کیا۔ ۸۔ خیر مسلم لاوارث بچے مرنے کے بعد اس کی زمین مسلمان کے قبضہ میں آگئی۔ ان سب صورتوں میں عسری یا نصف عسری ہوگا۔ جب ان زمینوں کا عسری یا نصف عسری جمع ہو کر مستحقین مملکت میں تقسیم ہوگا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ المعیشت نظام مصطفیٰ کی برکت سے مملکت پاک کے باشندوں کو فائدہ اٹھانی کا وہی مقام اور بادہ جام پاتھ آجائے گا جسے ظالمانہ سرپرستارانہ نظام نے ان سے چھین لیا ہے۔

لا ایک بار پھر وہی بادہ و جام اسے ساقی پاتھ آجائے مجھے میرا نظام اسے ساقی

کونسی صورتوں میں زمین خراج لینے کا حکم ہے

صورتیں بھی آٹھ ہیں۔ ۱۔ مفتوحہ راضی کہ غیر مسلم مفتوحہ کے پاس رہنے دی گئیں ۲۔ غیر مسلم بسلح اطاعت قبول کر کے ذمی کی حیثیت سے بنائیں آگئے ان کی زمینیں ۳۔ غیر مسلم ذمی نے مسلمان سے عسری زمین خریدی ۵۔ آبادہ (غیر آباد) زمین کہ اسے بہابارت سلطان غیر مسلم ذمی نے آباد کیا۔ یا مسلمان کی آباد کردہ آباد زمین کے قریب یا خراجی پانی سے بہرہ ور ہو ۷۔ مفتوحہ غیر مستم راضی کہ تاقیادت مسلمانوں

کے لئے چھوڑ دی گئی۔ ۸۔ زمین کے مالک مر گئے اور وہ بیت المال میں آگئی جب ان سب راضی کا خراج بیت المال میں جمع ہوگا، تو انشاء اللہ معاشی مشکلات حل ہوتے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ نیز خراج کا تعلق عسری کے برعکس پیداوار کی بجائے صرف زمین سے ہے خواہ آباد کرے یا نہ۔

عسری اور خراجی پانی

بارش، کنوؤں، پتھروں، دریاؤں اور عربوں کی کھودی ہوئی نہروں، غیر مسلموں

کے کھودے ہوئے کنوؤں کا پانی خراجی ہے، اگرچہ بعد میں مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسم یعنی پیداوار کو حصہ ادھائی یا تنہائی یا چوتھائی وغیرہ کی

صورت میں مقرر کیا جائے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر مقرر کیا۔ دوسرا خراج وظف کرنی ہوگئے رقم کی ایک مقدار مقرر کر دی جائے جیسا کہ امیر المومنین حضرت فاطمہ بنتی اللہ رحمہ نے کیا تھا۔ اہل اہل و کتاب الخراج

جزیرہ

غیر مسلم جو اسلامی سلطنت کے زیر اقتدار اور پناہ میں آجائیں حکومت ان کے جان و مال و آب و ہوا کی ذمہ دار ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برائے ہونے کے لئے ان غیر مسلموں سے معمولی سائیکس وصول کیا جاتا ہے جس کا نام جزیرہ ہے۔ اس سے جہاں غیر مسلموں کی جان و مال اور آب و ہوا کی حفاظت کی آئینی ضمانت حاصل ہوتی ہے، وہاں اسلام کی بالادستی کا بھی اظہار ہوتا ہے اور مزید یہ ناقل باغ آزاد اور باروزگاہ غیر مسلم مرد سے لیا جاتا ہے اور موجودہ ٹیکس جزیرہ

کی جگہ ہو گا اس لئے ان سے جزیہ کی دوسری کوئی وصولی نہیں کی جائے گی، اسے جزیہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں غیر مسلموں سے حسن سلوک

اسلام کا معاشی نظام ایک ایسا

رہنما اور شفقانہ نظام حیات ہے کہ اس میں غیر مسلموں سے بھی ہمدردی کی بنیاد پر بہتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جزیہ صرف ان غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے جو مسلمانوں سے ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لیے غیر مسلم عورتیں بچے پاگل، معذور، بے روزگار اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مذہبی رہنما جو غلو نشین اور عبادت گزار ہیں اور اپنے عام انسان کس کو اسلام کے خلاف کوئی صلاح و مشورہ دے نہیں دیتے، وہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ان کے مانوں سے کوئی زکوٰۃ وغیرہ بھی نہیں لی جاتے گی اور یہ جزیہ سال میں صرف ایک ہی مرتبہ لیا جاتے گا۔ نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں غیر مسلم ذمیوں کو جو تحفظات اور سہولتیں حاصل ہیں اگر انہیں وہ صحیح طور پر مستیروں، تو وہ اس کی تاثیر فیض سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اسلام لائے بغیر نہیں رہتے۔ خلافت راشدہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور اس پر شاہد ہیں۔

جیل تر ہیں گل ولالہ فیض سے اس کے

نگاہ نظام مصطفیٰ میں وہ ہے جادو

مستحق جزیہ اگر سال ختم ہونے لگا، جزیہ کی ادائیگی سے قبل کوئی غیر مسلم ذمی مسلمان ہو گیا، تو اسے جزیہ معاف ہوتا ہے

اور اگر غیر مسلم ذمی پھر پچیس سال کے اختتام سے احب ہو چکا تھا اور وہ مر گیا، تو جزیہ ساقط ہو گیا، نہ تو اس کے وارثوں سے لیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کے ترکہ سے۔ وضع کیا جائیگا (کتاب الخراج، طبع مصر ۱۲۲/۱۲۳)

اور یہ جزیہ مستقل طور پر اس وقت ختم و ساقط ہو جائیگا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔

جزیہ کی مقدار

اسلام کے نظام معیشت میں غیر مسلموں پر جو جزیہ

عائد کیا جاتا ہے اس کی مقدار اس قدر خلیل ہے کہ

وہ برائے نام ہی ہوتا ہے، چنانچہ امام شمس المآثر سرخسی کتاب المبسوط اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں: مالدار ذمی سے سالانہ اڑتالیس اور متوسط درجہ والے سے چوبیس اور اس سے ادنیٰ حالت والے سے بارہ درہم شرعی وصول کئے جاتے ہیں (المبسوط ج ۱۰، ص ۷۷ و کتاب الخراج ص ۱۲۳/۱۲۴)

درہم چاندی کا ہوتا ہے جس کا وزن قولہ کا پختہ ہے، تو چار درہم گویا ایک لہ چاندی ہوتی، چاندی کی بجائے اس کی مالیت کی رقم موجودہ نسخ کے مطابق دی جاسکتی ہے، پھر اس کی وصولی میں ان سے انتہائی نرم رویہ برتنا اور نہایت ہی شفقانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

ایک یہودی کا عجیب واقعہ

ایک مرتبہ انوشین سیدنا فاروقی اعظم رضی

اللہ عنہ ایک مکان سے گزر رہے تھے کہ اس

کے دروازے پر ایک بوڑھا نابینا سوال کر رہا تھا، آپ نے ازراہ شفقت اس کی کمر پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ وہ یہودی ہے، اسے جزیہ دینا ہے

جس کی ادائیگی کے لئے وہ بھیک مانگتا پھر تباہ ہے۔ فاروق اعظم نے اس کا ہاتھ پکڑا۔
اسے اپنے گھر لائے اور کچھ توفیق تھی اسے عنایت فرمایا اور بیت المال کے افسر کو بلوا کر اسے
ہدایت فرمائی کہ اسے دیکھ لو یہ ایک نادر ایہودی ہے اس قسم کے لوگوں سے جریریت
لیا کہ تو، بلکہ اس کی ضرورت کا بندوبست کر دو۔ یعنی اس کا بیت المال سے گزارہ
اللاؤنس مقرر کر دو تاکہ اسے پیٹ پلٹنے کے لئے بھیک بھی نہ مانگنی پڑے۔ امداد کی قسم یہ
بے انصافی ہوگی کہ اس سے ہم جو انی میں توجہ برائیں اور بڑھاپے میں اسے لیے بارود گار
چھوڑ دیں (کتاب الخراج ص ۱۲۶)

اسلام کے نظام معیشت پر صرف گیری کرنے والے ذرا نظیر انصاف سے اس کی
ریکٹوں کو دیکھیں جو بلا تیز اپنے پرانے سب پر یا برنار کی جا رہی ہیں۔ فرنگی نظام حیات
کا سرکار بدینہ کے نظام حیات سے موازنہ فرما کر خود ہی صحیح فیصلہ کریں۔

خیرہ نہ کر سکا تھے جلوسہ دانش فرنگ
سرمہ میری آنکھ کا خاکِ مدینہ دنجف

اسلام کے نظام معیشت میں
مسلمان تو مسلمان مجھے غیر مسلم

غیر مسلم دہندوں کے ساتھ سلوک

نادہندگان سے بھی جو حرج سلوک برتا جاتا ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی اس کے
برعکس آج کے نام نہاد ترقی پسند و مہندس میں جس طرح مجبور عوام کے ساتھ بہیمانہ
سلوک کیا جاتا ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

اسلام کے سراپا رحمت و شفقت نظام معیشت کو رحمت پسندی کا طعنہ دینے والے
حق و انصاف کے نام کی کسی چیز سے اگر آفتاب تو وہ غور کریں کیا یہی نام نہاد جدید اور

ترقی یافتہ نظام معیشت بہتر ہے جس میں مجبور عوام سے سود و سود وصول کیا جاتا ہے
اور ناداری و غربت سے ادائیگی نہ کرنے والے کو پابند سلاسل کر کے جیل میں ڈالا جاتا ہے
اور اگر اس کے باوجود وہ بیچارہ نادار آدمی ٹیکس کی رقومات کسی مجبوری سے
نہ دے سکے تو اس کی جائداد جو اس کی ضروریات زندگی تک کی کفایت نہیں کر سکتی
نیلام عام کر کے اس سے سرکاری قرضے وصول کیے جاتے ہیں؟ یا اسلام کا وہ نظام
معیشت بہتر ہے جس میں مسلمان تو کچھ نادہندگان غیر مسلموں سے بھی شفقانہ سلوک
کیا جاتا ہے اور ان سے کسی طرح کی زیادتی و تشدد کو برداشت نہیں کیا جاتا؟
اس لیے یہ کہنا سچا ہو گا کہ اسلام کا نظام معیشت ہی ایک نادر نظام حیات ہے جو
اپنے پرانے سے قطع نظر انسانی قدروں کا سچا محافظ ہے اور اس حقیقت کا اعتراف
وہ حضرات ضرور کریں گے جن کا سینہ عقل و شعور اور عدل و انصاف سے روشن ہے
اور جو اس روشنی سے محروم ہیں۔ وہ اپنی کج فہمی پر تو یہیں اسلام کے نظام معیشت
کا کیا قصور؟

میر سے شہر میں بجلی کہ جو ہر
لیکن نیستان تیرا ہے نناک

امام قاضی ابویوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

ہمیں ہشام بن عمرو نے اپنے باپ عمرو سے کہے انہوں نے سعید
بن زید سے روایت کی ہے کہ ان کا اہل کتاب کے ایک گروہ سے گزر ہوا
جنہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا۔ سعید بن زید نے اس کی وجہ دریافت
کی جواب ملا کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے انہیں اس کا ٹھکرا ہوا وہ عید سے

حاکم کے پاس گئے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا من عذاب الناس عذبه الله جو لوگوں کو خدا کا عذاب لگا اے اللہ تعالیٰ عذاب دے گا اس پر ان کی رہائی ہو گئی
(کتاب الخراج ص ۱۲۵)

اس کے بعد امام موصوف لکھتے ہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام سے اپس تشریف لائے تھے کہ ایک کچھ ایسے لوگوں سے گزر رہا جنہیں دھوپ میں کھڑا کر کے ان پر زیتون کا تیل ڈالا جا رہا تھا آپ نے اس کی وجہ دریافت کی عرض کی گئی کہ یہ لوگ جزیہ نہیں دیتے آپ نے فرمایا کیا کہتے ہیں۔

قَالُوا يَقُولُونَ لَا تَجِدُ قَالَ
فَدَعَوْهُمْ لَا تَكْفُوهُمْ مَا
لَا يَطِيعُونَ قَائِدِي سَمِعْنَا رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ
النَّاسَ فِي الشَّيْءِ يَعَذِّبُهُمُ
اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمَّا بَعْضُهُمْ
فَيَعْلَمُ سَبِيلَهُمْ۔

(کتاب الخراج ص ۱۲۵)

روفتح الشام اردو ج ۲ ص ۱۲۸

آدیت استرام آدمی! باخبر شواہر مقام آدمی!

اس کی نفرت بھی عین اس کی محبت بھی عین
قہر بھی ہے اس کا اللہ کے بندوں پر شفیق

اسلام کے معاشی نظام کی
برتری اور سربراہ اسلام

قحط سالی میں قطعید کی ممانعت

کی شفقت عامہ کا یہ عالم قابلِ دید ہے کہ قحط سالی میں چونکہ معاشی بدحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اس لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس زمانہ میں قطعید کی ممانعت فرمادی تھی پچنانچہ امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیز خرابی اور معاملہ فہمی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ آپ نے زمانہ قحط میں چوروں سے ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ساقط فرمادی تھی اور فرمایا کہ زمانہ قحط میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائیگی اور ایسے ہی وجود کی بنیاد پر آپ نے سوکریوں کے ریوڑ کے مالک کو بوقت ضرورت زکوٰۃ لینے کی اجازت دے دی تھی (کنز الدقائق ج ۲ ص ۳۳۱) کہ بکریوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ وہ بھوک سے دودھ دینا بند کر دیتی ہیں اور دودھ پر تو مالک کی روزی کا انحصار ہوتا ہے۔ قحط سالی اور معاشی بدحالی کے زمانے میں چوروں سے عفو و درگزر کرنا انعام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرہ امتیاز ہے اس لئے یہ کہنا یقیناً بجا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا نظام زندگی پوری زندگی انسانیت کے لئے پیغام فوز و فلاح اور سراپا عفو و امان ہے۔

نہ کہیں جہاں میں امان ملی جو امان ملی تو کہاں ملی

مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نوازیں

حضرت علی کی ایک تحصیل دار کو نصیحت

امام بیہقی سنن کبریٰ اور
امام ابویوسف کتاب

الخراج میں روایت کرتے ہیں کہ قسیدہ بنو لقیف کا ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سالہ عطاۃ کا تحصیل دار مقرر کیا اور روانگی کے وقت مجھے حکم دیا کہ دیکھو روپیہ پیسہ کی وصولی میں کسی کو کوڑے نہ مارنا اور نہ ان کے خوراک کے سامان کو زبردستی کرنا اور نہ ان کے موسم سرما اور گرما کے کپڑے نیلام کرنا اور نہ ہی ان کے جانوروں کو جن سے وہ کام کرتے ہیں اور نہ کسی کو ایک ٹانگہ پر کھڑا کرنا تحصیل دار نے عرض کی کہ اس صورت میں تو میں اسی طرح خالی ہاتھ واپس آؤں گا جیسے خالی ہاتھ گیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ انجیریم نے فرمایا: افسوس کہ ہمیں حکم ہی یہی ہے کہ ہر چیز فاضل اور ضرورت سے زائد ہو، اس سے محصول کریں تو اگر تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا تعالیٰ تجھے میرے بغیر ہی پکڑے گا اور اگر مجھے علم ہو گیا تو میں تجھے معزول کر دوں گا۔ تحصیل دار کا کہنا ہے کہ حضرت علی کے حسب ارشاد ورنہ ہوا۔ **فَعَلْتُ بِالسَّيِّئِ أَفْرَاقًا بَلَّ فَرَجَعْتُ وَكَوْنْتُ أَتَقَصُّ مِنَ الْخَرَاجِ شَيْئًا**۔ یعنی میں نے خراج کے وصول کرنے سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہدایات پر عمل کیا، تو پورا خراج مجھے کر لیا اور خراج سے کچھ بھی کم نہ کیا۔

یہ اسلام کی انتہائی رحمت و شفقت ہے کہ سرکاری ٹیکس اسی طرح لطافت و شفقت سے وصول کیا جاتا ہے کہ اس سے نہ کوئی بھوکا رہتا ہے نہ پریشان تنگ۔ لہذا ہمیں تہذیب حاضر کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے اس سے استفادہ و اعتراض کر کے اپنے خدا و مصطفیٰ اہل و عیال و علیہ السلام کے لیے ہر سے نظام معیشت کو

نافذ کر کے اپنی عزت و رفعت کو واپس حاصل کرنا چاہیے جس میں مسلمانوں کے لئے حقیقی ترقی کا راز مضمر ہے اور جو ہماری صحیح منزل و معراج ہے۔
نہ ڈھونڈو اس چیز کو تہذیب حاضر کی تہذیب میں
کہ پایا میں نے استعمار میں معراج مسلمان

جزیرہ کی قلیل مقدار پر جرجی زیدان جیسے متعصب عیسائی کو تسلیم کرنا چاہا کہ جزیرہ کی جو رقم اسلامی سلطنت میں غیر مسلم رعایا سے لی جاتی ہے وہ اس رقم سے بہت ہی کم ہے جو وہ اسلام سے قبل روم و ایران کی حکومتوں کو دیا کرتے تھے اب جب کہ غیر مسلم حکومت پاکستان کو مختلف ٹیکس دیتے ہیں جو جزیرہ سے کہیں زیادہ ہے تو ٹیکسوں کی موجودگی میں ان سے جزیرہ کی وصولی نہیں ہوگی البتہ جزیرہ میں انہیں قادم ہے کہ وہ تھوڑا سا ہوگا اور ٹیکس زیادہ ہے۔

جزیرہ کے مصارف | جزیرہ کے مصارف وہی ہیں جو خراج کے ہیں۔ (الکافی کتب الفقہ)

وقف وقف کے معنی ہیں کسی منقول یا غیر منقول شے کو اپنے ذاتی ملک سے خارج کر کے خالص اللہ کی ملک میں کر دینا تاکہ اس کا نفع و اہتمام کی حسب خواہش بندگان خدا کو ملتا رہے۔ وقف ایک صدقہ قرار دیا ہے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ ہمیشہ (تا وجود و توقف) اس کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور بہتر وقف وہی ہے جس کی مسلمانوں کو زیادہ ضرورت ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو مثلاً کتابیں خرید کر کتب خانہ قائم کرنا اور اسے دین کے لئے وقف کرنا کہ اس سے اہل علم استفادہ کرتے رہیں اور وقف کرنے والے کو ثواب ہوتا

رہے۔

اسی طرح مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے جائداد اور زمین، مکانیں و باغات وقف کرنا اگر اس کی ضروریات خود بخود پوری ہوتی رہیں جس سے اس کا وجود ہمیشہ کے لئے قائم رہے، یہ نہایت اعلیٰ درجے کا کام ہے، اس کے بعد مساجد کا قیام و تعمیر اس کے باقی رفاہی اداروں کی تعمیر ہے جو جائداد فقراء مسلمین پر وقف کی گئی، وہ بیت المال کی تحویل میں ہوگی جہاں سے فقراء مسلمین امداد پتے نہیں گے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل مسلمانوں میں اپنی آخرت سنوارنے کا جذبہ خوب تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جائدادیں نیک کاموں اور دینی اداروں کے لئے وقف کر کے انہیں خود فیصلہ بنا کر دین و دنیا میں بلند مقام حاصل کر جاتے تھے مگر آج سخی و کنجوسی کا خوب دور دورہ ہے۔ جائدادیں بندنے اور سیٹھنے کا جذبہ رجحان ترقی پر ہے۔ خدا تعالیٰ اس مادہ پرستی اور ہوس ساشستی سے بچا کر مسلمانوں کو پھر سے ایسی جذبہ کہن عطا فرمائے۔

کریم سے

شہراب کہن پھر پلا ساقیا وہی جام گردش میں لاساقیا
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے میرا عشق میری نظر بخش دے

کو ازلارض حکومت کی مملکت اراضی کا سالانہ کرایہ اور
دکان ہے جو کاشت کاروں پر عائد کیا جاتا ہے۔ ایسی

کرار الارض

زمینوں کو اسلام کی اصطلاح میں ارض المملکت یا ارض الخوڑہ کہتے ہیں اور جو لاوارث زمین ہو کر جنگ سے مفتوح ہو کر وقف علی المسلمین ہو گئی، اس کی بھی آمدنی بیت المال

میں جاتی ہے اور جنگ سے مراد کفر و اسلام کی جنگ ہے کہ ایک طرف کفار ہوں اور دوسری طرف مسلمان اعداء کو کھینچ لیتے لڑتے ہوں، اس کے سوا کوئی اور وجہ جنگ نہ ہو سکتا ہے۔

۔ یہی دینِ محکم یہی فتح یاب !
کہ دنیا میں تو خید ہو بے حجاب !

عشور

ایران اور روم کی سلطنتوں کا دستور تھا کہ جب کوئی مسلمان تاجر مال تجارت لیکر ان کی شہر میں داخل ہوتا تو وہ اس سے محصول اکٹھا کر لیا کرتے تھے اور اگر وہ سال میں متعدد بار آمد و رفت رکھتا تو ہر بار محصول دیتے، لیکن جب غیر مسلم تاجر لیکر آتا اسلامی مملکت اس سے کوئی محصول نہیں لیتی تھی۔ اس صورت حال سے غیر مسلم تاجر فائدے و زیادتیاں حاصل کرتے رہتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس بارے میں خط لکھا، تو اپنے زمانہ جاری کیا کہ تم بھی ان سے کسٹم ڈیوٹی لیا کرو، اسے اسلامی اصطلاح میں عشور کہتے ہیں۔

خذ انت منہم کے مایاخذون
تم بھی غیر مسلم تاجروں سے ٹیکس
لیا کرو جیسے وہ مسلمان تاجروں سے
(کتاب الخراج ص ۱۳۵)

اور اس زمانہ میں مسلمان تاجروں سے محصول لینے کا حکم بھی شامل تھا، لیکن اس طرح کہ غیر مسلم ذمی سے کل مال لے کر گزرے، یہی سوان حصہ اور غیر مسلم حری سے سواں اور مسلمان سے چالیسواں (وہی زکوٰۃ کا) حصہ لیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ پابند بھی درج

یعنی جس مال کا مسلمان سے چالیسواں حصہ اور ذمی سے بیسواں اور عربی سے دسواں حصہ لیا جائے اس کی مالیت دوسو درہم سے کم نہ ہو

اگر کوئی شخص بہت مال کو اس قدر کئی قسطوں میں کر کے لے جائے جس کی مالیت دوسو درہم سے کم ہو تب بھی اس سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ نیز یہ بھی کہ جس مال سے ایک بار کسٹم ڈیوٹی لی جاتے۔ اگر اسے تاجر واپس لے جا کر پھر دوبارہ لے آئے جب بھی اس مال سے کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے تو یہ ملک کہ وصولی کو سال نہ گزرے البتہ غیر غیر مسلم عربی سے ہر بار کسٹم ڈیوٹی وصول کی جائے گی، غیر مسلم ذمی اور مسلمان تاجر سے دونوں سے نہیں۔ نیز اس میں یہ ہدایت بھی تھی کہ اگر مسلمان تاجر اس بات کا حلف لے گا کہ اس مال کی اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو اس سے بھی کسٹم ڈیوٹی نہ لی جائے کتاب الخراج ص ۱۲۶/۱۳۴

قارئین! غور فرمائیں کہ اسلام کو عوام کی حالت سدھارنے اور ان کی معیشت کو بہتر بنانے میں کس قدر احساس ہے۔ اسلام کے نظام معیشت میں ملک کے عوام سے مستحق جو جذبہ مساوت کا فروما ہے اسے ایک حقیقت میں کی آنکھ دیکھ کر تسلیم کرتے بغیر نہیں رہ سکتی۔ لیکن جنہوں نے اپنی آنکھ پر تھنپ کی عینک چڑھا رکھی ہو۔ انہیں اس حقیقت کا ادراک کیسے حاصل ہو سکتا ہے

کیا خبر اس کو ہے یہ راز کیا؟

دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا؟

راقم کی رائے میں ادائیگی زکوٰۃ کا سرٹیفکیٹ یا رسید کا مصدقہ کا تہ بھی پیش کرنا فی زمانہ مزید موجب حصول طماننت ہو گا اگرچہ

فائدہ

میں مسلمان چھوٹی قسم اٹھانے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور یہ سرٹیفکیٹ یا رسید اسی سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ کی طرف سے مصدقہ ہو۔

عشور (کسٹم ڈیوٹی) کی شرعی حیثیت

عشور یعنی کسٹم ڈیوٹی جو مسلمان سے لی جائے وہ

زکوٰۃ اور جو ذمی و عربی غیر مسلم سے لی جائے وہ خراج متفقہ ہوگی چنانچہ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

وکل ما اخذ من المسلمین من العشور فسیلہ سبیل الصدقة و سبیل ما یؤخذ من اهل الذمة جیبعا و اهل الحرب سبیل الخراج۔ ص ۱۳۴

اور جو عشور مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے طور اور جو غیر مسلم ذمیوں اور عربیوں سے لیا جاتا ہے وہ خراج کی مد سے مشہور ہو گا۔

یعنی ہر ایک کو متعلقہ مد میں جمع کر کے اس کا حساب اندراج اسی کے ساتھ رکھا جائے گا۔

ضرائب

ضرائب (ہنگامی ٹیکس) بھی بیت المال کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر کفار کے ساتھ جنگ ہو جائے اور بیت المال

خالی ہو اور لوگوں کو ان کی ضروریات میسر نہ آ رہی ہوں جس سے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا قوی اندیشہ منٹ لارہا ہو اور غنی و سرمایہ دار لوگ بھی وہ تمام مالی حقوق ادا کر چکے ہوں جو ان پر عائد ہوتے تھے۔ لیکن بائیں سر ملکی ضروریات پوری نہ ہو رہی یا قحط سالی سے بربادی و ہلاکت کا قوی اندیشہ بتور باقی ہو، تو اس صورت میں سرمایہ داروں پر ہنگامی اور قسمی ٹیکس لگائے جائیں گے ان کا نام ضرائب ہے۔

ان سے جنگی اور غریب و پریشان حال لوگوں کی معاشی ضرورت پوری کی جائیگی، بجائے اس کے کہ ہم غیر ملکوں سے قرض کی بھیجک مانگتے پھریں۔ اپنے ملک کے دولت مندوں سے ان کے حربہ استطاعت و فنی ٹیکس لے کر ملکی معیشت و ضرورت کو سنبھالا دیا جاسکتا ہے، بلکہ ہمارے اسلاف کی روایت تو یہ ہے کہ اہل ثروت و غنی لوگ اپنی صداقت و نیت اور خلوص الہیت کی بناء پر معاشی بد حالی اور غربت و فقر میں مبتلا لوگوں کی خود ہی خبر گیری کرتے اور ان کی اس حد تک معاونت فرماتے تھے کہ انھیں غربت کے سارے جوہر کو زبان پر عرف شکایت لانے کی ضرورت ہی کم محسوس ہوتی تھی۔

اب ملک یا دہے قوموں کو حکایت انہی !

نقش ہے صفحہ ہستی پر صداقت انہی !

ضرر آب ہنگامی امداد سے اگر اہل استطاعت گریز کرنے لگیں، تو حکومت اسلامیہ ان سے جبری طور پر بھی امداد لے سکتی ہے، چنانچہ ہمارے یہ ہے۔

ولسلام ان یفعل
خالت فی مال العادل عند
الحاجة ففی مال البائس اولی
والمعنی فیہ العاق الضرر
الادنی لمدفع الاعلی
(ہدایہ شریعت ج ۱)

یعنی سربراہ مملکت ملک کے وفادار
دولت مندوں کے مالوں میں اہنگامی ٹیکس
عائد کرنے کا تصرف کر سکتا ہے، تو وہ ملک
کے بے وفائوں (جو عی ضروریات میں
استطاعت کے باوجود تعاون نہیں
کرتے) بلکہ امداد پر فساد رہتے ہیں) کے
مالوں میں ضرر اعلیٰ کے دفع کو تصرف

کر سکتا ہے۔

اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی مسموطہ شریف میں ہے کہ حرب ہوازن میں ضرورت و پیش تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے کچھ زمینیں اس کی ملا عیادت استعصال کے لیے لے لی تھیں (مسموطہ ج ۱۰ صفحہ ۱۲۶)

نظام مصطفیٰ میں جو بے ہم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں لیکن نظام مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم میں ان موجودہ بے ہم ٹیکسوں کی کوئی گنجائش نہیں جو حکومتیں عوام پر بلا جواز مستط کرتی ہیں۔ یہ سرسر عدل انصاف کے خلاف اور خالص جبر و ظلم ہے اور یہ ظالمانہ اور بے رحمانہ ٹیکس محض مقصد رہنویوں کی عیاشیوں اور ہوس پرستیوں سے باز آکر اسلامی زندگی اختیار کریں، تو غریبوں پر اس قدر ظالمانہ ٹیکسوں کا بوجھ نہ لادنا پڑے۔

قائمن بخود فرمائیں کہ جس ملک کے سربراہ کی یہ حالت ہو۔

”جو ملک کے خزانے سے اپنے لئے ایک کروڑ دس لاکھ روپے سالانہ یعنی تیس ہزار روپے کے روزانہ وصول کرتا تھا اور دوسرے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ پاکستان کے خزانے سے انہوں نے اپنے لئے بیس لاکھ روپے کی ایک کار خریدی جس کا نام مریڈز ۶۰۰ ہے۔“

”ہفت روزہ“ اسلامی جمہوریہ ۲۱ فروری ۱۹۷۹ء صفحہ ۴۲

اور جس سربراہ کی یہ حالت ہو:

”دفتر خارجہ کے سفارتی ذرائع سے اور حکومت پاکستان کے خارج

پر نیویارک سے پانچ سو ڈالر کے سونے سے ایک سو ڈالر کی قیمتیں
روم سے ایک سو ڈالر کے بوٹ اور پیرس سے معدنی پانی منگوایا جاتا
تھا اس کے علاوہ اس کی پسندیدہ چائے سنگاپور سے منگوائی جاتی تھی۔
”انوائے وقت لاپتہ“ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

ایسے سربراہ مملکت کو مملکت اور عوام کا خیر خواہ کہنا چاہیے یا بخواہ پھر
عوام بھوکوں مر رہے ہوں اور سربراہ کی عیاشی کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنے ملک اور وطن عزیز
کا پانی پینا بھی پسند نہ کرتا ہو اور غیر ملکوں کا معدنی پانی نوش کرے۔

ہم کو متیر نہیں مٹی کا دیا بھی!!

گھر میر کا بجلی کے چرنوں سے ہے روشن

بہر صورت قرآن و سنت اسلام اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے
نظام حیات میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں محبت کر کے
خزانے میں کچھ موجود ہو۔ درمختار طبع انڈیا مطبع احمدی میں ہے۔

وَكَمْ رَا تَجْعَلُ اِيْ اَحَدٍ
الْمَالُ مِنَ النَّاسِ لِيُجْلِيَ الْغَرَاةَ مَعَ
الْفَيْقِ اِيْ مَعَ وَجْهِ شَيْءٍ
اِنِّيْ بَيْتُ الْمَالِ - ص ۱۲۴

اور خزانہ تو مسلمانوں ہی کی ضروریات کے لئے ہے لاف بیٹ المال معہ
لشوائب المسلمين (شامی ج ۲ ص ۱۲۴) حکام کی عیاشیوں کے لئے نہیں علامہ
امام بن عابدین درمختار کی بالاسطورہ عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَلَا تَمْنَحُ الْفَقْرَ الْفَقْرَ
بِأَنْ يَقْوَىٰ بَعْضُهُمْ بِالْآخِ الْمَلِكِ
الْخَيْلِ وَالسَّلَاحِ وَغَيْرِ ذَلِكَ
مِنَ النِّفْقَةِ وَالزَّادِ -

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۴)

اسی طرح ہائیے فتح القدیر وغنیہ میں ہے۔ وما وظف الامام لتجین

الجیش وفدام الامار علی الخ (ج ۳ ص ۱۲۵ ج ۴ ص ۲۲۷ ج ۵ ص ۲۲۸/۲۲۹)

اور ضرورت کے پورے ہوئے بعد ٹیکس کے بغیر اصلی اشیاء جو جبراً لی گئی تھیں
مالکوں کو واپس کر دی جائیں گی اور اگر کوئی چیز ضائع ہو گئی تو مالکوں کو اس کی قیمت
دی جائیگی، چنانچہ مجمع الانہر میں ہے:

بشروط الضمان فاذا زالت
الحاجة يرد ان كان قائماً
والا فقيمة - ج ۱ ص ۱۲۲

یعنی بشرط ضمان پھر رفع ضرورت
کے بعد اگر وہ چیز موجود ہو تو وہی مالک
کو لوٹا دی جائیگی، ورنہ اس کی قیمت۔
اسلام جان و مال کا تحفظ دیتا ہے
یہ اس لئے کہ ہمارا دین
دین اسلام ہے اور یہ مسلم
ہے کہ اسلام جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے۔ دارالاسلام میں ہر شخص کی جان
مال و احب الاحرام اور احب العصبہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

عصموا عني دماءهم وامنهم
مکمل تحفظ دینے کا وژہ دار ہوں۔
(مسکوات ج ۱ ص ۱۳)

کر میں ہر مسلمان کو جان و مال کا

اور جان و مال و عزت و ناموس کا صحیح تحفظ اسلام یعنی نظام مصطفیٰ ہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ اسلام تو دارالاسلام میں موجود پیدا و گزیر غیر مسلموں کو جان و مال کا مکمل تحفظ دیتا ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی بنیاد پر انسان کا نظام حیات ہے کہ ذاتی ملکیت کو تحفظ دیتا ہے اور حاجت مندوں کی ضروریات کا کفیل بھی ہے۔ ایسے عظیم الشان اور حیات افروز نظام مقدس کے ہوتے ہوئے کیٹولزم اور سوشلزم ایسے سولے زمانہ نظام بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ہفت کٹور جس سے ہونچیرے تیغ و تلنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سارا بھی ہے

اگر کفار مسلمانوں کے لشکر سے خائف و مغرب ہو کر مال چھوڑ کر
بھاگ جائیں اور وہ مال مسلمانوں کے ہاتھ لگے، اسے فقی کہتے
ہیں اور اس کے بھی تین حصے کئے جاتے ہیں۔ عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:
وابو حنیفۃ یقسمہ، ثلاثاً کہ امام ابو حنیفہ نے تین حصوں
(عمدۃ القاری ج ۱۱ - ص ۲۲۴) میں بانٹنے کا فرماتے ہیں۔

مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ فقرہ و مساکین
اور یتیموں کے لئے بیت المال میں رکھا جاتا ہے۔
لیکن اس وقت فقی کی طرح یہ مذہبی موجود نہیں ہے۔

صدقات ناقضہ اور فقرہ و مساکین اور یتیموں کے
لئے نذر کے ہوتے اموال بھی بیت المال میں جمع
ہوتے ہیں جہاں سے مستحقین کو دیے جاتے ہیں۔

اموالِ فاضلہ

یہ متفرق آمدنیاں:

۱۔ لاوارث لوگ فوت ہو جائیں اور اپنے
پچھے جائیداد چھوڑ جائیں۔ ۲۔ مرتد کے زمانہ ارتداد کا کمایا ہوا مال۔ ۳۔ ناجائز ذرائع
سے حاصل کی ہوئی دولت یعنی بیت المال ضبط کر لی جاتی ہے۔ یہ سب اموالِ فاضلہ
ہیں جو بیت المال میں رکھے جاتے ہیں۔

زمین کے وہ خزانے جو قدرت نے اس میں پیدا کئے اگر مکاری
زمین میں دستیاب ہوتے تو کل بیت المال کے لئے درنا پانچواں

کامیں

حصہ بیت المال کے لئے۔ حدیث شریف میں ہے۔ وفی الرکاز الخسیر
قدرتی خزانہ ارضی میں خنس ہے۔ (کما فی الہدایہ ج ۱ ص ۱۸۳)

کسی زمین میں دفن کیا ہوا مال دھینہ کہلاتا ہے، اگر یہ کسی
کو دستیاب ہوا اور اس کا مالک بھی کوئی نہ بنے، تو چار حصے

دھینے

دستیاب کرنے والے کے اور پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے (کما فی الہدایہ)
سبوں، ترکوں، کاروں، سکڑوں، موڑ سائیکلوں
اور تانوں، ٹیکس وغیرہ لیکن اس کی موجودہ مقدار

سوار می ٹیکس

زیادہ ہے اسے کم کر، ہوگا اور اگر اس کے بغیر مملکت کا کام چل سکے، تو اس ٹیکس
کے عائد کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، اس کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب
اسلام کا نظام حیات مکمل طور پر نافذ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسی برکتیں نازل
فرمائے گا کہ سوار می ٹیکس جیسے بوجھوں کی مصیبت سے قوم کو نجات مل جائے گی۔
آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش اور ظلمت رات کی سیلاب پا ہو جائیگی۔

ذرائع مواصلات | سرکاری بیس، گاڑیاں، دریلے، اہواز اور محکمہ
ٹیلیفون اور محکمہ ڈاک کی آمدنی۔

برقیات | بجلی، الیکٹرک، کی آمدنی۔

سیاحت و زیارت | اسی طرح غیر ملکوں کی سیاحت و زیارت
کی آمدنی۔

تجارت | ملکوں سے سودی نظام کو ختم کر کے انہیں شریعت کے
مطابق مضاربت مشارکت کے اصولوں پر چلایا جائے گا۔
اس کے منافع بھی بیت المال میں جمع ہوں گے۔

صنعت | اسی طرح سرکاری فیکٹریاں بھی جو آمدنی پیدا کرتی ہیں اس
سے وکروں کی زندگی خوشحال بنانے کے بعد فاضل آمدنی
بھی بیت المال میں جمع ہو۔ مملکت اسلامیہ کی مندرجہ بالا پیداواری مدت اور
ذرائع آمد بہت وسیع ہیں ان کے مقابلے میں اخراجات محدود ہیں۔ اگر ملکی معیشت
پر عیاشی و فضول خرچی کی بجائے قناعت پسند امانت دار قیادت کا کنٹرول ہو تو
کوئی وجہ نہیں کہ ملک میں غربت و افلاس باقی رہ جائے۔

اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار
نہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائیگی

کورٹ فیس کی ممانعت | کورٹ فیس چونکہ حصول انصاف
کی فیس ہے اس لئے یہ جائز نہیں

نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی گنجائش نہیں، اسے ختم کر دیا جائے تاکہ
ہر شخص کو انصاف کے مواقع مفت حاصل ہوں۔

گزارہ لاؤنس اور تنخواہیں | اسلام کا معاشی نظام اس لحاظ سے
بھی دنیا بھر کے نظاموں سے اعلیٰ و برتر

ہے کہ اس میں لوگوں کی معاشی کفالت کا پورا اہتمام ہے، حتیٰ کہ اس میں نوزو روپیچے
تک کو گزارہ الاؤنس دیا جاتا ہے، اور اسلام نے اس وقت یہ اقدام کیا، جب کہ نئے
زمین پر کسی بھی معاشرے میں اس کا تصور تک نہیں ملتا تھا، اگر آج کسی غیر اسلامی
معاشرہ میں یہ چیز پائی جاتی ہے تو وہ اسلامی معاشرہ کی تقلید میں ہی ہے، لہذا
حقوق انسانی کے تحفظ و تجدیداشت کا سہرا خدا و دان اسلام کے ہی سر ہے۔ اسلام کے
معاشی نظام میں وظائف کا نظم و نسق کئی ایک شعبوں پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعبہ
کے لئے الگ الگ حساب کتاب رکھا جاتا ہے۔

فوج کی تنخواہ | فوج کے جوان جو فوجی خدمت و حاضری پر ہیں،
ان کے لئے باقاعدہ ماہانہ تنخواہ ہوتی ہے۔ فوج

کی تنخواہیں بالخصوص طور پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری فرمائیں۔ یہ تنخواہیں
اس قدر تھیں کہ فوجیوں کے روزمرہ کے ضروری اخراجات باسانی پورے ہوتے، یہاں
تک کہ جب کسی فوجی کے ہاں کوئی بچہ جنم لیتا، تو اس کی تنخواہ کے اس کے بچے کا ماہانہ
وظیفہ بھی جاری کیا جاتا اور بچوں کے وظائف صرف فوج کے لئے ہی نہیں سب کے
لئے تھے، کیونکہ اسلام کے معاشی نظام کا ارادہ رحمت سب کے لئے بھیاں ہیں،

کی تنخواہ میں چھوٹا بڑا ایک سا ہے۔

اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

بشر بن غالب سے روایت ہے کہ حضرت
حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے دریافت

شیر خوار سچے کا وظیفہ

کیا گیا کہ نوموود بچوں کا وظیفہ کب جاری ہو گا؟ انہوں نے فرمایا اسی وقت سے
جب کہ وہ پہلی آواز نکالے گا کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۳۹۹

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچے کا وظیفہ اس وقت
تک جاری نہ کرتے جب تک کہ اس کا دودھ نہ چھڑایا جاتا، لیکن بعد میں انہوں نے
اعلان کیا کہ:

لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ کیا کرو، ہم ہر
مسلمان بچے کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کا وظیفہ جاری کریں
گے اور یہی حکم انہوں نے تمام اسلامی مملکت میں بھیج دیا کہ مسلمان
کے ہر بچے کا اس کی پیدائش ہی سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔

کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۰۰

بچوں سے ہمدی

مدونہ گبری اور اس کے حاشیہ میں امام مالک
بارہ حضرت نافع سے مروی ہے کہ بیتا فاروق اعظم

رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک رات تاحیروں کے ایک قافلہ نے مدینہ منورہ
کی عید گاہ میں قیام کیا۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا
کہ (یہ لوگ تھکے ماندے ہیں سو جائیں گے تو انہیں کوئی ہوش نہ رہے گا چلے، ہم دوڑنا

آج رات ان کا پہرہ دیں کہیں چور ان کا سامان نہ لے جائیں۔ دو توں رات بھر
پہرہ دیتے اور نوافل پڑھتے تھے۔ اس دوران ایک بچے کے رونے کی آواز آئی۔

آپ اس طرف تشریف لے گئے اور اس کی ماں سے فرمایا اے خدا کی بندی بچے کو مت
رولایہ کہہ کر واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد پھر اس بچے کے رونے کی آواز آئی
آپ پھر تشریف لے گئے اور اس کی ماں کو وہی بات فرمائی حتیٰ کہ تین بار ایسا ہوا۔

آخر میں اپنے جا کر اس کی ماں کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تو کیسی بڑی ماں ہے تیرے بچے آج
رات بھر کیوں بے قرار رہا ہے؟ اس نے کہا اے خدا کے بندے (اسے معلوم نہ تھا کہ

یہ امیر المومنین ہیں) میں اس کا دودھ چھڑانا چاہتی ہوں مگر یہ نہیں چھوڑتا اپنے
پوچھا کہ اس کا دودھ کیوں چھڑوا رہی ہو؟ کہنے لگی اس لئے کہ حضرت عمر کسی بچے

کا وظیفہ اس وقت مقرر نہیں کرتے جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑے۔ اپنے
پوچھا کہ یہ کتنے ماہ کا ہے۔ کہنے لگی تین ماہ کا ہے۔ اپنے فرمایا جلدی مت کر پھر

آپ نے مسجد نبوی میں اگر صبح کی نماز پڑھائی تو بچوں کے غم میں اس قدر روئے کہ نماز
میں آپ کی قراۃ لوگوں کو واضح سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر جب سلام پھیرا تو

سنائی کے فوراً اعلان کر دیا کہ لوگو! اپنے بچوں کا دودھ چھڑانے میں جلدی نہ
کیا کرو، ہم آج کے بعد ہر مسلمان بچے کا وظیفہ مقرر کر دیں گے اور یہ

ملک کے طول و عرض میں بھی جاری کر دیا گیا (الدونۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۳۰۳)

عمر کے ساتھ بچے کے وظیفہ میں اضافہ

محمد بن بلال المدینی اپنے
باپ کی وساطت سے

اپنی دادی کے بارے میں روایت کرتے ہیں وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ

عہدہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتی تھیں، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ نظر نہ آئیں تو آپ نے اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ فلاں عاتقون دکھائی نہیں دیتیں کیا وجہ ہے؟ ان کی اہلیہ نے عرض کی آج رات اس کے ہاں بیچہ ہوا ہے حضرت عثمان نے (بادجو دیجہ اس کی طرف سے کسی قسم کی درخواست تک نہ بھیجی گئی تھی، خلیفہ نے محض اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے) محمد بن بلال کی دادی کے پاس بچپاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور فرمایا کہ یہ تیرے بیٹے کا وظیفہ ہے اور چادر سے اس کے کپڑے بنالے۔ جب یہ بیچہ ایک سال کا ہوگا ہم بچپاس کی بجائے اس کا وظیفہ سو درہم کریں گے۔ کتاب الاموال - ج - (ص ۱۳۴) ہے سو دروں سے زندگانی

اٹھنا نہیں خاک سے شہرہ

خلیفہ وقت کو جب کہ بیٹے کی ولادت کا علم ہوتا تو وہ درخواست طلب کے بغیر اس کا وظیفہ جاری کر دیتے

امام ابو اسحاق اپنے دادا اختیار سے راوی ہیں کہ ان کا گھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سے ہوا، تو حضرت عثمان نے ان سے پوچھا:

بڑے میاں! آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ امیر المؤمنین میرے ساتھ کتبہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے لیے آٹا وظیفہ مقرر کر دیا ہے (راوی کو یہ مقدار یاد نہ رہی) اور تمہارے بال بچوں میں سے ہر ایک کے لئے سو سو درہم مقرر کیے۔ (ایضاً ص ۲۰۰)

غربت کی ہوا میں بارور ہوا!!
ساقی تیرا نیم سحر ہوا!!

اسلام کے
معاشی نظام
کی بے مثال
میت کا ترکہ داروں کے لئے اور اس کے عیال کا
خرچ اور واجب الادا قرض حکومت کے ذمہ

خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں سماجی تحفظ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر کوئی سرحدے تو اس کا ترکہ داروں کا ہوگا، مگر اس کے عیال کا خرچ اور واجب الادا قرض مملکت اسلامیہ کے بیت المال اخزانہ کے ذمہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ تعالیٰ اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فمن نفو من اموالہ من فترک دینا فعلى قضاہ و من فترک مالا فسد مورثته ففق
کہ جو مسلمان فوت ہو گیا اور اس کا قرض نہ ہو تو اس سربراہ مملکت کی حیثیت سے اس کی ادائیگی میرے (خزانے) کے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑنے وہ اس کے ترکہ داروں کے لئے ہے۔

مشکوٰۃ ج ۱ - ص ۲۵۲

یعنی رنے والے کا اگر ترکہ ہو تو اس کا قرض اس کے ترکہ سے ادا ہوگا۔ اور اگر قرض نہ ہو تو وہ ترکہ داروں میں تقسیم ہوگا۔ ہاں مال و ترکہ اگر کچھ نہ ہوگا اور قرض ہی قرض ہوگا، تو وہ حکم امیر المؤمنین سرکاری خزانے سے ادا ہوگا۔ یہ حکم عام ہے کہ امیر المؤمنین رعایا کے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہے اور باپ کی شفقت پر نہ رہی دینگی

قرض کا باعث ہے اس حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص نہیں کر لیا جیسے کہ ہم نے بین المومنین حیثیت کی قید لگا کر اس حکم کے عموم کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انا اولی بالمومنین من
انفسهم فممن مات وترك مالا
ضماله لحوالی العصبۃ ومن
ترك مالا وضمی عافانا
ولیه فلا یلحقہ شیء من
طبع محتبائی -

میں مسلمانوں کے ان کی جانوں
سے زیادہ قریب ہوں جو مسلمان مر
جائے اور مال چھوڑ جائے، وہ اس کے
داروں کا ہے اور جو قرض یا محتاج کتبہ
چھوڑ جائے اس کے اخراجات کی ذمہ داری
مجھ پر ہے۔ تم مجھے یاد کیا کرو۔

کتاب الاموال میں ہے کہ جو شخص (قرض یا عیال داری کا) بار چھوڑ کر مرے گا،
ہمارے مرتبے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے گا، وہ اس کے وارثوں کا ہو گا۔

(ج ۱ صفحہ ۳۹۹) -

حقائق الہدی پر اس سچے انسان کی
غاصر کے ہیں روح اللہ کی ذوق جمال
یہ زندگی ہے نہیں بچے طلبہ انصاروں
علم کا جن طبیعت عرب سوزدوں

علماء و اساتذہ ائمہ و مؤذنین اور طلباء علم دین کے وظائف
دامہ و خطباء

اور مؤذنین کے وظائف قاعدہ و بانسٹ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جاری

فرمائے تھے اور وہ اسلامی مملکتوں میں بھی جاری رہے مگر کچھ علماء و فقہاء و اہل علم حضرات
جو قرآن و حدیث اور دیگر علوم اسلامیہ کی خدمات انجام دیتے ہیں اور جو ان علوم کے
سیکھنے میں مصروف ہیں اور اسی طرح جو دنیاوی علوم و فنون مفیدہ کے مستفید و متعلم
ہیں ان کے وظائف بھی ان کے حسب شان مقرر ہوتے ہیں۔

علماء اگرچہ دین کے علوم کی تعلیم اور فرائض کی بجا آوری نہ اس اللہ کے لیے کھتے
ہیں تاہم اسلام کے نظام میں پابندی اوقات کا ان کو مفقول شمار ہونا چاہیے
جو اعلیٰ امور اور وزیروں کے برابر ہوتا ہے تاکہ کسی نہ کسی جذبے سے لوگ اپنے
بیتوں کو علم دین پڑھانے کی طرف مائل ہوں اس سے علوم و بینہ کی ترویج و بقا میں
مدد ملتی ہے۔ اور اگر علماء کا دنا راوران کے مشابہے نسبت کم ہوئے تو لوگ اپنے بچوں
کو علم دین پڑھانے سے گریز کریں گے جس سے ملک ملت اور اسلام کو ناقابل تلافی نقصان
پہنچے گا جس کا مشاہدہ اب ہم کر چکے ہیں نیز علمائے کرام کا فکر معاش سے آزاد ہونا ملک
ملت کی اولین ضرورت ہے۔

اس جہاں میں اک معیشت اور سوا افتاد ہے

روح کیا اس دیں میں اس فکر سے آزاد ہے

فقراء و مساکین اسے روزگاروں کے لئے گزارہ الاؤش
اسلامی نظام نے فقر و مساکین

اور بے گاروں کے مابین وظائف مقرر کئے ہیں اس میں ناوار بے روزگار امر بے روزگاری
محذور یتیم اور بیوگان سب مل میں حکومت اسلامیہ کا بیت المال سب کی ضرورت
زندگی کا حد ضرورت تک کفیل ہوتا ہے۔ فتوح البلدان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ

عزت نے ان مستحقین کی خوراک کی مقدار مقرر کرنے کے لئے اچھی خوراک کھانے والے چند آدمیوں کو بلا کر انہیں دو وقت کا کھانا کھلایا اور اسی حساب سے ہر شخص کی خوراک میت المال سے ملانہ طور پر مقرر کر دی۔ کتاب الاموال میں سفیان بن وہب سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں مدی اور قسط دو پیانے لئے کر دیا:۔

میں نے ہر شخص کے لئے ملانہ ایک مدی (ایک من چھتیس سیرا) گندم دو قسط (سوا چار سیرا) تین کاتیل مقرر کر دیا۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ غلاموں کا بھی؟ فرمایا ہاں غلاموں کا بھی (ج ۱ ص ۴۱)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیتا

میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا: فاجزل لہم فی العطاء والرزق لایحتاجون ص ۱۱۳ کہ عمار کے وظائف بھاری مقرر کیجئے تاکہ وہ معاشی فکر و امتیاج سے بالاتر ہو کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ چنانچہ فاروق اعظم نے اس پر عمل کیا اور علماء کے بھاری شاہرے مقرر کر کے انہیں فکر معاشی سے مستغنی کر دیا۔

قرآن مجید پڑھنے پر طیفہ

اپنے گورنوں کو فرمان بھیجا کہ لوگوں کو قرآن مجید سیکھنے پر طیفہ دو "گورنوں نے اپنی خدمت میں بٹھا کر آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی ہے اور کچھ ایسے لوگوں نے بھی قرآن

مجید سیکھنا شروع کر دیا۔ جنہیں سوائے طیفہ کے اور کوئی کشش تعلیم قرآن کے حصول میں نہیں ہے (اور یہ اچھی بات ہے کہ کسی طرح قرآن تو سیکھ لیں گے) آپ نے پھر لکھا کہ لوگوں کو شرافت و ہرمت اور نیک صحبت کی بنا پر بھی طیفہ دو۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۸)

اسید بن عمرو سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ایک گورنہ حضرت اسعد بنی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو قرآن مجید پڑھنے گا میں اس کا نام دو ہزار و طیفہ پانے والوں میں درج کر دوں گا، تو انہوں نے کہا کہ آف کیا (یہ زمانہ بھی ہمیں دیکھنا پڑا کہ) کتاب اللہ کے حکم کو اسلامی جذبے سے نہیں محض طیفہ کے طمع سے پڑھنے پر (بھی) وظائف دیے جائیں گے۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۸)

تعلیم قرآن پر تنخواہ

ابو غیلان سے مروی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے سید بن ابی مالک دمشقی اور عمارت بن یحییٰ اشعری کو دیہاتی لوگوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے بھیجا اور ان کے لئے تنخواہ مقرر کر دی، مگر عمارت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز کو اطلاع دی گئی تو اپنے جواب میں بٹھا کر یہ لکھ کر چھپا کر تعلیم قرآن پر تنخواہ قبول کر لیا اس میں کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی اور بھاری دھما ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے اندر عمارت جیسے بے لوث خدمت کرنے والے لوگوں کی کثرت کرے (کتاب الاموال ج ۱ ص ۲۲۸)

میں لوگ دینی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

تعلیم حدیث پر معاوضہ

جس طرح دوسرے علوم کی تعلیم و
تدریس پر اجرت لینا جائز ہے اسی

طرح تعلیم و تدریس پر بھی معاوضہ اجرت لینا جائز ہے۔ چنانچہ صاحب
المجتبیٰ امام عبد الرحمن نسائی علیہ الرحمۃ کے شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ حدیث کی
روایت پر اجرت لیتے تھے۔ المجتبیٰ یعنی سنن امام نسائی میں ہے:

كان يعقوب لا يحدث
بمئة الحديث الابديتار
(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۰)
یعنی شیخ یعقوب بن ابراہیم علیہ
الرحمۃ ایک دینار لے کر ہی اس حدیث
کی روایت کرتے تھے۔

اور وہ حدیث جسے یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ دینار لے کر روایت فرماتے تھے
قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لا يبولن احدكم
في السماء الا تم شتم يفتسل منه
(نسائی ج ۱ ص ۲۱)
فرمایا تم میں سے کوئی شخص نہ کہے جو تھے
پانی میں ہرگز نہ پینے کے کہ اس میں نہانا
پڑے گا

جو علماء قومی اور
دینی کاموں پر پورے
ہیں ان کی معاشی

جو علماء قومی و دینی کاموں پر موزوں ہیں
ان کی معاشی کفالت حکومت سے ذمہ ہے

کفالت حکومت کے ذمہ ہے۔ چنانچہ فاروقی اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا، بلکہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ اپنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی جس کسی کام
کے لئے بھیجا جب آپ اس لئے توجہ فرماتے انہیں اس خدمت کو صلہ دیا گیا فی الناس
اسی طرح پیغمبری میں امام تہری سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عقاب بن اسید کو کٹر کٹر کہ حامل بنایا تو ان کے لئے پالیس اوقیہ سالانہ مقرر فرمائی
اور ایک اوقیہ چالیس درہم کی جوتی ہے (غنیۃ شریعہ ج ۱ ص ۲۷ طبع مصر)

الافتیاء اور الہدایہ میں ہے:

ويجوز الاجابة على التعليم
والامانة في زماننا وعليه الفتوى
لما جرد الناس اليه من الاخفاء
۲ ص ۶ والہدایہ ج ۳ ص ۳۰۱
کہ تعلیم قرآن و حدیث و غیر اہل
امارت و اذان ایسے نیک کاموں میں
پابندی اوقات کا معاوضہ جائز ہے
کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔

معلوم ہوا کہ علماء کا درس و تدریس پر وظیفہ لینا بلاشبہ جائز ہے اور یہ دراصل
پابندی اوقات کا وظیفہ ہوتا ہے جس میں یہ درس و تدریس ایسی دینی خدمت انجام
دیتے ہیں اس پر علم فروشی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ علم فروشی کے معنی یہ ہیں کہ طبع و
لاپٹ میں دہیدہ دانستہ غلط بیانی کی جائے یا علم کی بات پھپھادی جائے یا علم کو اس
کے اظہار کا بھی وقت اور ضرورت ہو اجرت لے کر وقت خرچ کرنا اور اوقات
کی پابندی کرنا قابل معاوضہ چیز ہے پس اسی کی اجرت اور اسی کا شہرہ ہوتا ہے
نہ یہ علم و فتویٰ فروشی ہے اور نہ ہی رشوت۔ یہ بلاشبہ جائز اور رشوت بلاشبہ حرام
ناجائز اس کا اعلان میں جو نامہ وارد ہے جیسا کہ رشوت لینے کی مذمت و ممانعت

ایک امر مسلم ہے۔

رشوت کی ممانعت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے

اور لینے والے پر لعنت فرمائی اور اس پر بھی

جو رشوت کا دلال ہے (ابوداؤد وابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وترمذی عنہ وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و احمد و بیہقی عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کی سفارش کرے اور وہ اسے کچھ بدیر دے اور یہ قبول کرے تو وہ سود کے درازوں میں سے ایک بن جائے گا۔

(ابوداؤد عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ) حکام کا معاملہ علماء کے معاملہ سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ۔

حاکم اور افسر

کو بدیر وصول

بدیر علمدار کے لئے جائز اور حکام کے لئے ناجائز

کرنا جائز نہیں بلکہ یہ شرت ہے جیسا کہ اکثر لوگ حکام کو ڈالی یا تحفہ اور گفٹ کے نام

سے دیتے ہیں اور اس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاملہ ہوگا تو ہماری

رعایت کریں گے۔ اگر اس کی چیز واپس کر دی تو اس سے تکلیف ہوگی تو وہ اس کی چیز

کو میکراس کی مناسب قیمت دے دے کہ قیمت دیر لین بھی جائز نہیں اور اگر

کوئی اس چیز کو رکھ کر چلا گیا اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا تو اس چیز کو بیت المال

اقویٰ خزانے میں بطور برائت داخل کر دے خود نہ رکھے جب دینے والی معلوم ہو جائے

تو اسے پس کر دے۔ اسی طرح حاکم کو رعیت سے قرض و عاریت لینا اور مفت کام

کرنا بھی جائز نہیں۔ (در مختار مع اشانی ج ۵ ص ۷۷)

واعطاف مفتی و مدرس و امام و خطیب مسجد قبول کر سکتے ہیں (جبکہ یہ کسی محکمہ کے

افسر نہ بنے جن کے لئے ان کے لئے بھی وہی مسئلہ ہے جو حاکم و افسر کے بارے میں گزرا اگر

انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے علم و دین کا اعزاز ہے کسی چیز کی رشوت نہیں

ہے۔ اگر مفتی کو فتوے کی رعایت کے لئے بدیر دیا کہ وہ اس کے حسب خواہش ہی

فتویٰ دے خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو تو دنیا لینا و فلول حرام اور فتویٰ تباہی کی اہرت

بھی حلال نہیں ہاں لکھنے کی اہرت لے سکتا ہے فتاویٰ شامی میں ہے۔

و اما یحل علی البکائیۃ لا یشیاء اور فتویٰ لکھنے کی اہرت لے سکتا

غیاث واجبۃ علیہ۔ (شامی ج ۵ ص ۱۴۴) ہے کہ لکھنا اس پر شرعاً واجب نہیں۔

اور یہ جو گزر گزشتہ یعقوب بن ابراہیم حدیث کی روایت پر ایک بنا اہرت

لینے تھے اس کا محمل یہ بھی ہو سکتا ہے یعنی کات رضی اللہ عنہما یاخذ السدیدار علی

تحدیث ذالک الحدیث کتابۃ لاخلی نفس رواۃ الحدیث واللہ اعلم۔ نیز

حکام و افسران کو ان کے جو رشتہ دار و اصحاب ان کے عہدہ و بیشتر بدیر کرتے تھے وہ

اب بھی لے سکتے ہیں مگر معمول سابق سے زیادہ نہیں ہاں اگر بدیر نیچے والا ابالی

اعتبار سے ترقی کر گیا ہے اور بدیر میں اضافی مالی فراوانی کی بنا پر ہے تو کل کے قبول

کرنے میں حرج نہیں ہے کہ مقصود خلاص سے طمع نہیں ہے۔

خلاص عمل مانگنا گناہن کہن سے ہاں

شاہان چہ عجب گر جوان زندگدارا

رشوت کی تعریف و حکم

رشوت اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت
شخص اس شرط پر حکم کرنے لگے کہ اس کے

حق میں فیصد دے کسی ایسے شخص کو اس شرط پر ہے جو حاکم سے اس کا کام کرادے گا

(اشعری ج ۵ ص ۳۶۲)

اور اگر ایک شخص کسی کا کام بلا صلح کرے پھر وہ اسے کچھ دے تو اس کے لینے میں حرج نہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو کراہت منقول ہے وہ ان کے تفویض پر مبنی ہے (اشعری ج ۵ ص ۳۶۲) یعنی یہ اگرچہ جائز ہے تاہم لینے والے کو اس سے پرہیز بہتر ہے۔

مجبوری و بے شوقی کا مسئلہ

فقہاء اسلام نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ ظالم و

بارگاہی سے بے جا جان و عزت پہننے یا اپنا حق و سول کرنے کے لئے بے بس و مجبور انسان شوق دینے پر گناہ گار نہ ہوگا بلکہ اس کی سب سے شوق لینے والا ظالم ہی وہ ہے گناہ میں ملوث اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ (فتح القدر شرح ہدایہ ج ۲ ص ۲۵۵)

ایک کا ازالہ

جب حاکم کو پرہیز لینا ہوا نہیں تو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت حاکم اعلیٰ کی بھی تھی تو آپ

پر یہ درجے کیوں قبول فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا برصفت و عفت و عفت

یہ آپ کی خصوصیت ہے چنانچہ علامہ حنفی فرماتے ہیں:

ومن خصوصیاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان هذا اياه لله مفادۃ انه ليس للايمان قبول المہدۃ وازا

کر یہ آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حاکم ہونے کے بعد جو دہلے جا رہے تھے دوسرے حاکم کے لئے نہیں وہ نہ یہ خصوصیت نہ رہے گی۔ (درمقدم)

مع اشعری ج ۵ ص ۳۶۲

غرض کہ علماء کے مطالب بیت المال سے مقرر کیے جائیں گے اور سب مستحق کو کہ جن کے مطالب مقرر ہیں ایسے کے بعد فاضل سرمایہ کی ضرورت مندوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کہیں قرض خواہ کو قرض کے طور پر اور کہیں مقرضوں کے قرض اتار دئے ہیں۔ دقت علیٰ هذا کیونکہ سرمایہ کے دیے پتے پہننے سے اس کا ضرورت مندوں پر خرچ ہونا بہتر ہے

حضرت انس بن محمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

وسلم اپنے پاس آئے لئے مال پر نہ دو پہر گزارنے دیتے تھے نہ رات۔ (کتاب الاموال ج ۱ ص ۴۱۲)

دل بے نیاز بھی در سیرت وارم !!

گدرا وہ شبیوہ بادشاہ ہے۔

کتاب الاموال ص ۴۱۲ میں اس روایت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال کو تقسیم فرماتے اور تحقیق تک پہنچانے میں محنت سے کام لیتے تھے۔ اگر آپ کے پاس مال صبح پہنچا تو آپ اسے دو پہر تک اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔ اسی طرح اگر مال شام کے وقت آتا تو آپ رات سے پہلے اسے تقسیم فرماتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے جڑی خوشبو کی کہ تین راتیں گزارنے سے پہلے پہنچا اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی نہ رہے سگریہ کہ مجھ پر فرض ہو اور اسے ادا کرنے کے لئے میں نے کچھ بچا لیا ہوں۔

کہاں سے تو نے لے اقبال سیکھی ہے یہ زبانی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بنیادی کا

حضرت جبریل عظیم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
واپسی پر میں بھی اور لوگوں کے ساتھ آپ کے ساتھ جا رہا تھا کہ کچھ دیہاتی عرب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگے اور آپ سے ملنے گئے۔ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گزرتے
ہوئے آپ کی چادر اس میں الجھ گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمانے لگے میری چادر چھڑا دو، فرمایا
اگر ان کیکر کے درختوں کے پتوں کے برابر بھی اونٹ یا مولیٰ ہوتے تو میں وہ بھی تم میں تقسیم
کر دیتا اور تم دیکھ لیتے کہ میں نہ تو خلیل ہوں اور نہ دروغ گو اور نہ ہی بزدل۔

(کتاب الموال، ج ۱ ص ۱۳۱)

مسئال ضرورت مندوں میں بانٹ دیا

صحیح ترمذی میں حضرت

ابوسعید خدری رضی اللہ

عنه سے مروی ہے کہ انصار میں سے کچھ حاجت مند لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں آئے اور آپ مالی امداد کا سوال کیا، آپ نے انہیں حسب ضرورت عطا فرمایا انہوں
نے پھر سوال کیا آپ نے عطا فرمایا صحیح میں ہے کہ یہاں تک کہ جو مال جمع تھا سب
دیدار اور کچھ بھی باقی نہ چھوڑا فرمایا صحیح بخاری میں ہے کہ وہ من غیر قلن اذخه عنکم۔

یعنی جو مال میرے پاس ہوتا ہے اسے تم میں سے لوگ کر جمع کر کے نہیں رکھنا، ترمذی

ج ۲ ص ۱۲۳۔

اس حدیث کی شرح میں امام عینی لکھتے ہیں۔ أَنَّ السُّلْطَانَ إِذَا عَلِمَ حَاجَةَ
لَا حُدُودَ الْمَالِ لَا يَمْلِكُ لَهُ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ شَيْئًا (عمدة القاری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۰)

۱۶۲) یعنی حاکم کو جب ہے تو اسے جائز نہیں کہ وہ مال کو اس سے لوگ رکھے بلکہ قوی
خزانے سے اس کی حاجت رفع کرنا اس کا فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح
واضح ہو گئی کہ بیت المال اس کا قری خزانہ ملک قوم کی امانت ہے۔ عمدة القاری میں
ہے۔ ان للمسلمین مضافاً بیت المال یعنی بیت قومی خزانہ میں عوام کا حق ہے جسے
وہ ضرورت کے وقت حکومت سے لے سکتے ہیں (عمدة القاری ج ۱ ص ۵۳)۔

مملکت کا سربراہ اور امیر ملک کے مفاد عامہ کے لئے ہی مصرف میں لانے کا ذمہ دار ہے
اسے اس بات کی اجازت ہرگز نہیں کہ بیت المال یا قومی خزانے کو نفیس پرستی اور اقربا
پروری کا ذریعہ بنائے اس سلسلے میں سیدنا عمر فاروق عظیم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملاحظہ
فرمائیے جو آپ نے درس عبرت کے طور پر ہمارے لئے چھوڑی ہے۔

امام ابن
جریر طبری

فَارُوقٌ عَظِيمٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَتْ لَهُ قَرْيَةٌ شَتَّى دَارَ بَنِي تَمِيمٍ
أُتِيَ بِتَارِيخٍ فِيهَا قُرْآنٌ فِيهِ قَرْيَةٌ شَتَّى دَارَ بَنِي تَمِيمٍ

یامیر المومنین فلان سال
قد برئت و آخر حجتہ فقَالَ

انہ تسألنی من مال اللہ فما
فما اس نے مجھ سے خدا کے مال اتومی سکراری

معدتہ ان لقیئشہ مَدَحًا
خزانے سے مال لگا تھا تو اگر میں خیانت پسند

خائناً فلو لا تسألنی من مال
حکمران خدا کے حضور پیش ہوا تو میرے بار کا

عمران خدا کے حضور پیش ہوا تو میرے بار کا

قَالَ فَارْسَلِ الْيَهُودَ بَعْضُهُمْ اِلَى ذَوِي الْقَرْبَىٰ ۚ وَهُوَ مِرَّةٌ اِذَا نَالَ

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۹)

سوال کرتا تو میں اسے کچھ ضرور دیتا پھر اپنے

اپنے ذاتی مال سے دس ہزار کی رقم اس کے پاس بھیج دی۔

اس واقعہ و روایت میں تین باتیں قابل تقلید ہیں، ایک کہ سربراہ مملکت ایک ایسی شخصیت ہی ہونی چاہیے جس کی دل و دماغ قرآن و سنت اور فقہ اسلام کے نور سے مستور اور خوفِ خدا سے بھرپور ہوتا کہ امور مملکت میں اس کا ہر اقدام و تصرف خدا اور رسولِ جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اور ذابنت و امانت پر مبنی ہو و نہ دوسری یہ کہ وہ شخص کو جو کسی کی وصف مذکور سے بھی مستزاد و پاک ہو، تفسیری یہ کہ قومی اور ملی مفاد کے تحفظ کے لئے اپنے اور پڑے سب کے لئے سختی اور درشتی کی ضرورت ہے۔

حفاظتِ موصول کی ممکن نہیں ہے

اگر کاٹنے میں ہو خوں حریری

قوی غزائے سب سے سودی فقہ میں بریت المال کہنا چاہیے قوم کے لئے ہے۔ سربراہ مملکت کو نہ صرف اس حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے بلکہ اسے اس بات کا نگر بھی دامن گیر ہونا چاہیے کہ ملک عوام اس کے ہوتے ہوئے معاشی مصائب میں مبتلا نہ ہونے پائیں اس سلسلے میں سیرتِ فاروقی کی ایک اور روایت قابل تقلید ہے۔

سیدنا عمارق رضی اللہ عنہ کا ایک فر عورت کی امداد کو پہنچانا

طبری اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ایک مرتبہ سیدنا عمارق رضی اللہ عنہ رات کے وقت حسب معمول گشت پر تھے اور حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اپنے کچھ

دور ان جگہ پہنچے حضرت اسلم سے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات اور سبزی کی دہریے وہاں کوئی ساز و سامان نہیں رکھتا ہے۔ آپ نے چل کر اس کی خبر لیں، چنانچہ ہم تیز تیز چلتے ہوئے وہاں جا کر دیکھا، تو وہ ایک عورت سختی (جس نے ایک غیم میں پناہ دے رکھی تھی اس کے مزاج کچھ بچے تھے۔ اس نے ہانڈی لگا کر پوچھا کئی گھنٹی اور بچے بھوک سے جک رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ عَلِيكَ يَا اَصْحَابَ الصُّوَرِ

یا اصحاب النار کہنا پسند نہ فرمایا کہ قرآن میں اصحابِ نار دوزخیوں کو کہا گیا ہے اور عورت نے سلام کا جواب دیا، آپ نے فرمایا کہ میں قریب آسکتا ہوں۔ اس نے کہا مال بھلائی کا ارادہ ہے تو آسکتے ہو۔ ورنہ نہیں۔ آپ نے قریب ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا رات کو سبزی سے محروم ہو کر وہیں بیٹھا ہوں۔ آپ نے پوچھا یہ بچے کیوں جک رہے ہیں؟ کہنے لگی بھوک سے۔ آپ نے پوچھا اِنِّیْ شَهِیْدٌ فِیْ هٰذَا الْقَدَرِ کہ اس ہانڈی میں کیا ہے؟ قَالَتْ مَاءٌ اَسْكَتَہُمْ اِلَیْہِمْ حَتّٰی یَتَاوَلُوْا اللّٰہَ یَمِیْنًا وَبَیْنَ عِظَمٍ بُولِیْ کہ اس میں پانی ہے اس پانی میں بچوں کو بہلا کر انہیں خاموش کر رکھا ہے تاکہ وہ سو جائیں اور چارے اور عمر کے دیمان اللہ ہی نصیب کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ عمر کو تمہارا کیا علم؟ بولی کہ وہ ہمارا دالی ہو کر ہم سے بے خبر ہے۔ آپ نے ہاں سے جلدی سے اٹھ کر اسلم کو ساتھ لیکر بیت المال تشریف لائے اور وہاں سے لے کر بوری لگھی کاٹھن اور دوسری ضروریات کی چیزیں لیں اور اسلم کہتے: مجھے فرمایا کہ یہ سامان میری پیٹھ پر رکھ دو۔ میں نے امر کیا کہ نہیں میں اٹھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا انت تحمِلہ عَنِّیْ وَفِیْ یَوْمِ الْقِیَامَةِ کہ روز قیامت میری کوتاہی کا بوجھ تم ہی اٹھاؤ گے۔ آخر میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ سامان آپ کی پیٹھ پر رکھ دیا اور ہم تیز تیز

پہنتے ہوئے بال پہنچے۔ آپ نے اس بوری وغیرہ کو عورت کے پاس جا کر اتار دیا اور کچھ آٹا نکال کر اسے گوندھ دیا اور عورت سے فرمایا کہ تم مجھے آٹے کے پیڑے بنا بنا کر دیتی باؤ اور میں روٹا پکا آٹا ہوں۔ چنانچہ روٹی پک گئی۔ پھر آپ نے اندلی آگ پر رکھ دی۔

وَيَقُولُ يَنْفُجُ ثَغْرُ اللَّهِ وَوَحَاكَ
هَ الْغَيْثُ عَظِيمُهُ فَجَعَلَتْ أَشْجَارًا لَّهُ خَابِ
مِنْ تِلْكَ لِيُجِيبَهُ (تاریخ الطبری)

۵۵-۵۶ (۲۱)

یہاں تک کہ سالن تیار ہو گیا۔ تو آپ نے ہڈی نیچے اتار لی اور عورت سے فرمایا پیالے دو، اس نے پیالے دیے۔ آپ پیالوں میں سالن ڈال ڈال کر عورت کو اور اس کے بچوں کو روٹی پکواتے گئے یہاں تک کہ انہوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا اور آپ نے ان کے لئے بستر لگایا۔ پھر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ عورت آپ کو بے ساختہ دعائیں دینے اور کہنے لگی۔

بِحَوْلِكَ اللَّهُ خَيْرٌ أَنتَ أَوْلَى
بِهَذَا الْأَمْرِ مِنْ أَسِيرِ الْمُشْرِكِينَ

تاریخ الطبری ج ۵ ص ۱۲۱

آپ نے فرمایا کہ دنیا یہ جیجے۔ تم جب امیر المؤمنین کے پاس آؤ گی تو اشارہ اللہ تم مجھے ہاں پاؤ گی۔ حضرت اسلم فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا تھا کہ آپ کی بڑی شان ہے آپ مجھ سے کوئی بات نہ فرماتے اور خاموشی سے بیٹھتے تھے۔ پھر اس عورت کے سچے آپس میں کشمی کرنے لکھیں اور ہنسنے لگیں اور پھر آرام سے ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور مجھ سے فرمایا کہ اسے اسلم سچے بھوک سے بیدار تھے اور روتے

تھے مجھے انہیں اس طرح آرام و سکون اور خوشی میں دیکھ کر بغیر جان لینے نہ تھا۔ پھر ہم ہاں سے نصحت ہوتے اور آپس آگئے۔

حدیث بندہ مومن دل آویز

جاگر پرخوں انفس روشن انگشتیر

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس طرح کے کئی ایک مثالی واقعات و روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کی ذمہ داری کس قدر ہے اور اسے عوام کی معاشی تکلیف کا احساس کس قدر ہونا چاہیے اور یہ کہ قومی خزانے میں عوام کا کس قدر حق ہے۔ انفس کو آج کے حکمران آنکھیں کھولیں اور زبان ہمدردی کے اظہار کی بجائے عوام کی صبح خدمت کریں اور اس احساس و ادراک کو اپنے اندر پھر سے پیدا کریں جو ہمارے اسلاف میں کارڈ تھا۔

آتی ہے صبح دم صدا عرش بریں سے

کھریا گیا کس طرح تیرا جوہر اوراک ؟

امام ابن جریر طبری

رحمۃ اللہ علیہ متونی

سنہ ۳۱۰ھ اپنی شہور

فرائض کنائے پر اگر کوئی اونٹ بھوک

سے مر جائے تو عمر اس کا بھی جوابدہ ہوگا

تاریخ الطبری میں لکھے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ

قَالَ اللَّهُ الَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ

كَوَأَنَّ جَعَلَ هَذَا حُصْبًا لِقَابِ سَطِ

الْعُرَاتِ حَشِيَّتِ أَمَّ يَسْأَلُ اللَّهُ

اس خدا سے برتر کی قسم جس نے
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ
بھیجا اگر ایک اونٹ میرے فرائض کے کار

واقعی میں سنت مشکل میں ہوں، میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر لے گئے جہاں میں نے اوپر سے بہت سی قبیلیاں رکھی دیکھیں۔ پھر اپنے فرمایا یہ ہے وہ مقام جہاں اللہ کی نظر میں اکل خطاب کو آزمایا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم اگر ہم مساوت کرتے ہوئے اسے تقسیم کر دیں، تو میرے سامنے میرے دو پیشرو بزرگوں (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مثال مجھے نہیں ملے میرے لئے اس طرح کا قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کی: ایسے امیر المومنین ہم مل کر اس مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ ہم بیٹھ گئے اور ہم نے ضرورت مندوں اور مستحقوں کی فہرستیں تیار کیں جس میں مدینہ والوں کے نام رکھے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے نام رکھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے نام رکھے، پھر دوسرے لوگوں کی فہرستیں بنائیں، اسی طرح ہم نے حساب لگایا تو لوگوں کے لئے دو دو دینا رائے پھیر ہم نے وہ سب کچھ ان فہرستوں کے مطابق تقسیم کر دیا (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۲/۱۴۳)۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ

سونے کے ڈھیر لانا خیر تقسیم کر دیئے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا، جب میں حاضر ہوا تو میں نے ان کے سامنے بھوسہ کی طرح سونے کے ڈھیر بکھیرے دیئے۔ آپ نے فرمایا: "اُولَئِہِ اِنِّیْ قَوْمٌ (مسلمان بھائیوں) میں تقسیم کر دو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سونے پر دولت اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روک کر مجھے کیوں دی معلوم نہیں کہ اس میں میرے

لیے کوئی بھلائی ہے یا بُرائی؟" پھر میں نے فہرست کے مطابق لوگوں کو بلایا اور اس سونے کے تقسیم کرنے میں ہنہک ہو گیا تو مجھے براؤ از بند روئے کی آواز سنائی دی میں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رورہے ہیں اور کہہ رہے ہیں "قسم بخدا جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، ناممکن ہے کہ اس نے یہ دولت اپنے نبی اور ابو بکر سے تو کسی بُرائی کے قصد سے روک لی ہو اور عمر کو یہ دولت کسی بھلائی کے لئے دی ہو" (کتاب الاموال ج ۱ ص ۱۴۳)۔

حضرت علی کا بیت المال میں جھاڑو پھیرنا

امام ابن اللہ اسنی
مجمع سے روایت

کہتے ہیں انہوں نے کہا۔

اِنَّ عَلِیًّا كَانَ یُکَلِّبُ بَیْتَهُ
اَلْمَالَ ثُمَّ یُعْطِیْ فِیْہِ رِجَاجًا اَنْ
یُشَہِدَ لَہٗ اَنَّهُ لَمْ یَرِ خَیْرٌ فِیْہِ
یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المال میں موجود سارا مال مستحقین میں تقسیم کرنے کے بعد وہاں جھاڑو پھیرتے پھر اس میں اس امید پر نماز پڑھتے کہ یہ جگر روز قیامت المال عن السامیین۔

(الصواعق المحرقة) ص ۱۲۹
اس بات کی گواہی دے کہ میں نے اس میں مسلمانوں کی ضروریات سے روک کر کوئی مال نہیں رکھا ہوا۔

بیت المال کی فاضل دولت حضرت معاویہ نے تقسیم کر دی

عطیہ بن قیس سے

مردی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے ہمارے سامنے تقریر فرمائی (اور وہ مال تقسیم کرے تھے) تمہارے بیت المال میں ان وظائف کے بعد (جو ولیفہر خودی کو دیکر اپنا

رہتا ہے جو تم کو دیاجارٹا ہے۔ میں اس بچے ہوئے مال کو تمہارے سامنے تقسیم کر رہا ہوں، لیکن یاد رکھو۔ اگر آئندہ سال بچ گیا۔ تو وہ تم میں تقسیم ہو گا، نہ بچا، تو اس بار میں ہم نے راض نہ ہونا، کیونکہ یہ مال ہمارا تو ہے نہیں، یہ تو وہ ملکی دولت امانت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دہمارے پاس ابھیتا ہے۔ کتاب الموال ج ۱

ص ۱۴۱

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنھوں کے آتا ہے

ہیت المال کی فاضل دولت کے مصداق

حضرت عمر بن عبد العزیز
نے حضرت عبد الحمید بن

عبد الرحمن کو جو عراق کے گورنر تھے، لکھا کہ لوگوں کو ان کے وظائف دے دو، اس کے جواب میں عبد الحمید نے لکھا کہ میں لوگوں کو ان کے وظائف سے بچا ہوں اور اس کے بعد بھی بیت المال میں مال بچا ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہیں لکھا کہ اب ایسے لوگوں کو دیکھو جو مقروض ہوں، لیکن انہوں نے یہ قرضہ کسی فضول خرچی یا بے راہ روی کے سلسلے میں نہ لیا ہو اور ان کے قرضہ جات اس بیت المال میں بچی ہوئی رقم سے ادا کر دو۔ اس پر انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ میں نے ایسے مقروض افراد کے قرضے بھی ادا کر دیے ہیں، یاں ہر بیت المال میں رقم بچی ہوئی ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ اب ایسے کنواروں کو تلاش کرو جو نادار ہوں اور شادی کرنا چاہتے ہوں، تو تم ان کی شادی کرادو اور ان کے حق مہر بیت المال سے ادا کر دو۔ عبد الحمید نے لکھا کہ میں یہ بھی کر چکا ہوں،

پھر بھی بیت المال میں رقم بچ رہی ہے۔ آپ نے لکھا کہ اب ایسے ذمیوں وغیرہ کو تلاش کرو، جن پر جزیہ آئیں، مقرر ہے اور وہ اپنی زمین کا انتظام کر سکیں، کیونکہ وہ مستقل ہمارے ملک کے باشندے ہیں، اس لئے ہمیں ان کی امداد و اعانت کا خیال رکھنا چاہیے۔ کتاب الموال ج ۱ ص ۱۴۱

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوزینہاں سے!

تیری تاریک اتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مستحقین کے جو وظائف تر فرمائے تھے ان میں کمی نہ ہوگی، بلکہ حالات کے تحت جو کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں ان میں اضافہ کیا جائے گا، مسکرمی کا تو سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمان ملاحظہ ہو:

حضرت عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم

کم دینے والے کو بددعا

رضی اللہ عنہ ممبر پرتشرف فرما ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

”ہم نے تمہارے لیے انوار کے متعلقہ امانت دیا، نہ دیا، نہ خور کر

لیے ہیں، پھر انہوں نے مدی اور قسط دو چھپانے لکھ دیے، انہیں نمایاں کرتے ہوئے بلایا اور فرمایا جو مستحقین لوگوں کو اس مقررہ مقدار سے کم دے، خدا اسے ایسا اور ایسا کرے، یعنی کم دینے والے کو بددعا دی۔

(کتاب الموال ج ۱ ص ۱۴۱)

اسلامی مفاسد کے سربراہ کو جو عوام سے ہمدردی ہونی چاہیے۔ اس روایت

سے اس کا اندازہ لگانا کوئی چنداں مشکل نہیں، ان کی ہمدردی محض لفظی یا نمائشی نہیں
عملی ہوا کرتی تھی اور ان کی شفقتِ عامہ کا یہ عالم کہ جیسے باپ اپنی اولاد کے سببا
تنگ کرنے والوں کو بددعا دینے پر طبعی لحاظ سے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کی
زبان سے بھی برقعائے طبیعت بددعا سرزد ہو رہی ہے۔
یہ آگہی میری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خواہیدہ اس شریر میں ہیں آنکھ سے ہزار

اسلام کے نظامِ معیشت میں ارضی زراعت پر نظر

ارضی کی دو قسمیں ہیں | جب کوئی ملک فتح ہو تو ابتدائی طور پر
اس کی ارضی دو قسموں میں منقسم

پائی جاتی ہے :-

- ۱۔ ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اسے اسلامی فقہ میں ارضِ مباحہ کہتے ہیں۔
 - ۲۔ ایسی زمین جس کا کوئی خاص شخص مالک متصرف ہو۔
- اب ہم اول الذکر ارضی پر کچھ فقہی بحث کرتے ہیں تاکہ اسلام کے نظامِ معیشت
میں ارضی سے متعلقہ سائل خوب واضح ہو جائیں۔

ارضِ مباحہ کی قسمیں | ۱۔ وہ زمینیں ہیں جو آبادی کے قرب
میں واقع ہوں اور آبادی کی ضروریات

- کے لئے ہوں جن سے متعلقہ آبادی کے لوگ مشترکہ مفادات اٹھاتے ہیں جیسے سڑکیں
گلی کوچے، قبرستان، عید گاہ، چمر گاہ و تیر اندازی و گھمڑ و ڈیرا فوجی شق کے میدان
۲۔ وہ زمینیں جو آبادی کی ضروریاتِ مشترکہ میں مصروف نہیں، بلکہ قابلِ زراعت

انتفاع میں، انہیں اراضی بیت المال کہتے ہیں۔

۲۔ پہاڑی اور سنگلاخ اور غیر آباد جنگلات کی زمینیں جو نہ تو کسی آبادی کی ضروریات میں مصروف ہوں اور نہ ہی سب سے مست انتفاع و کاشت کے قابل ہوں البتہ محنت و مشقت کے بعد اس قابل ہو سکتی ہوں۔ ایسی زمینوں کو فقہ کی اصطلاح میں ارض موات (غیر آباد) نہیں کہتے ہیں۔ اول الذکر یعنی مباح زمینوں کے بارے میں شریعت اسلامیہ کا فیصلہ یہ ہے کہ انہیں امیر المؤمنین ایک سربراہ مملکت سے لے کر ایک عام آدمی تک کوئی بھی ان میں مالکانہ تصرف نہیں کر سکتا، وہ جوں کی توں مفاد مشترکہ عامہ کے لئے وقف کی طرح مصروف نہیں کی۔

نمک وغیرہ کی کانوں اور تیل کے چشموں کا حکم

یا پٹرول کے چشموں کا حکم شرعی بھی یہی ہے کہ وہ کسی کے تصرف یا رکانہ کے متعلق نہیں بلکہ وہ رفقاء عامہ کے لئے حکومت کی زیر نگرانی کام آئیں گے اور ان کی آمدنی ملکی مصارف اخراجات میں صرف ہوگی۔ اور امام ابو عبیدہ کتاب الایمال میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن حمال مازنی کی خواہش پر انہیں مارب کی زمینیں عطا فرمائیں۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ نمک کی کانیں اور مفاد عامہ کی چیزیں ہیں تو آپ نے وہ واپس لے لیں کہ فرد کے مفاد سے مقدم ہے یہ اسلامی تہذیب تمدن اور اسلامی معیشت کا اس وقت کا نظام ہے جب پوری دنیا پر نفسی نفسی کا عالم طاری تھا اور قومی و اجتماعی مفاد کا کہیں نام و نشان نہ تھا اور نہ ہی آج نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس کا صحیح تصور مل سکتا ہے ہاں اہل مغرب کی عقل مجاہد کے

ایسے بلند ہنگام عرصہ غمر و غصہ میں آتے ہیں جن کے پس پردہ حقوق انسانی کا خون بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جہاں مفر کے ننگوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں ہوکس کی خورزیاں پھپھاتی ہے عقل حیات شانی الذکر یعنی اراضی مباحہ کا قسم ثانی جنہیں بیت المال کہا جاتا ہے اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ وہ زمینیں جو کسی علاقے کے فتح کے وقت کسی کی مملوک زمینیں۔
ب۔ وہ زمینیں جو اگرچہ برعینہ کسی کی مملوک تھیں مگر اب لاوارث ہو گیا۔
ج۔ مملوک مفتوحہ اراضی دیگر مال غنیمت کی طرح پانچ حصوں میں منقسم ہوگی اس کا پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے۔

د۔ کفار کی مملوک زمین جو جنگ کے ذریعے حاصل کی گئی جسے سربراہ مملکت غنیمت میں تقسیم کرنے کی بجائے ساری کی ساری بیت المال کے لئے چھوڑ دی۔

ه۔ یا امام اس میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کے لئے مخصوص کرے۔

و۔ زمین کا مالک زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اور غائب اور لاپتہ ہو گیا جس کا پیچھے کوئی وارث نہیں۔

ز۔ مملوک جنگ میں قتل ہونے والے لاوارث کی زمین ایسی اراضی بیت المال کی تسلیم ہوتی ہے۔

رقاوی شانی بکتاب الایمال و دلائل صانع

بیت المال کی راضی کی آمدنی کا مصرف
دہی لوگ ہیں جن کے حقوق کا بیت المال

کھیل ہے مثلاً یتیم، نادار، بیوتائیں، مسافر، مریض، معذور، فوج، پولیس، علماء، عدلیہ و انتظامیہ و رفادہ عامہ۔ مثلاً ذریعوں، نہروں کے پل، مساجد و مدارس، شفا خانوں اور خالقہوں کی تعمیرات وغیرہ،

بیت المال کی راضی میں سربراہ کے اختیارات
کی راضی پر

اموال بیت المال کی طرح سربراہ مملکت یعنی امام المسلمین یا امیر المومنین کی نگرانی اور مداخلت میں رہے گی، انہیں امام المسلمین شریعت مطہرہ کی روشنی میں اپنی صوابدید کے مطابق کام میں لانے کے احکام نافذ کرے گا۔

بیت المال کی زمینوں سے مندرجہ
ذیل صورتوں میں فوائد اٹھائے

جائیں گے۔

۱۔ قابلِ نراحت راضی میں ہستی باڑی کرائی جائے، خواہ حکومت اپنے وسائل سے کھیتی باڑی کرائے یا کاشت کاروں کو بیانی وغیرہ پر دے اور اس کی آمدنی بیت المال میں جمع کر لے اور اس کا قاعدہ حساب ہو جسے مملکت کا کوئی بھی ذمہ دار فرد چیک کر سکے۔

۲۔ سکنتی جائیدادوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی بھی باضابطہ طور پر بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۳۔ اگر ضرورت پڑ جائے، تو ان اراضی یا جائیدادوں کو فروخت کرے اور ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرائی جائے۔

۴۔ امام کی طرف سے ان کی راضی یا جائیدادوں میں کچھ حسبِ ضرورت و صوابدید کسی ایسے شخص کو بخشش کی جاسکتی ہیں جس نے ملکِ ملت اور اسلام کے لئے کوئی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہوں یا ایسے شخص کو جو فقر و فاقہ یا معذوری دکھاتا ہو ان مسائل کی مزید تفصیل کتاب الاموال کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بین بیت المال کے منہرے ہے امام المسلمین کو حق ہے کہ وہ اس میں سے حسبِ صوابدید کسی ایسے شخص کو جس کی اسلام کو ضرورت ہو زمین کا ٹکڑا بخش دے، جب کہ وہ یہ سمجھے کہ ایسا کرنا اسلام و مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

ولا أدنى ان يترك أرضاً
ملئاً للحدیث فیها ولا عمارۃ حتی
یکتبھا الاعام فان ذلک اعمر
للبلاد واکثر للخیراج۔
(کتاب الاموال ج ۱ ص ۹۱)

جہاں سے ملک وسیع و عریض متعدد حصہ ویران پڑا ہے اس کی آبادی کی طرف توجہ کر کے شدید ضرورت ہے اسے آباد کرنے سے انشاء اللہ ہماری معاشی تکالیف کا کافی حد تک ازالہ ہو جائے گا

وسعتِ عالم میں رہ پیا ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپید ہوں یہ نفعِ صواب

ارض موات (غیر آباد کا مسئلہ)

ارضی مباحہ غیر مملوکہ کے
تیسرے قسم کے اراضی موات

یعنی غیر آباد زمین کہتے ہیں اس کے بنائے میں شریعت اسامیرہ فیصلہ یہ ہے کہ
سرواہ مملکت یعنی حکومت اسے اجازت لے کر جو چاہے آباد کرے وہ اس کا
مالک سمجھا جائیگا۔

جو زمین آباد کرے وہی اس کا مالک ہے

کدھی مطلب ہے
کر جو شخص سرکاری

یعنی بیت المال کی غیر آباد زمینوں کو سرواہ مملکت (حکومت سے اجازت لے
کر آباد کرے وہ اس کا مالک ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

مَنْ أَخْرَجَ أَرْضًا مَبِيتَةً فَهِيَ لَهُ
(المجامع الصغیر سیوطی ج ۱ ص ۱۶) کو آباد کیا وہ اس کی ہوگی۔

اور آباد کاری کے اسے تین سال کی اجازت دی جاتے گی۔ اگر اس مدت میں آباد نہ
کر سکا تو اس نے اسے اپنی جائے آباد کر لیا اور اگر کچھ آباد کر سکا
اور کچھ نہیں تو آباد کو اس کے پاس نہیں دیا جائے گا ورنہ آباد کو واپس لے کر وہ
دوسرے بے زمین خواہشمند کو دی جائے گی، چنانچہ کتاب الخراج میں مروی ہے :

مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ تَشْرُ
تَرَكَهَا ثَلَاثَ سَنَاتٍ فَلَمْ يُعْمَرْهَا
فَعَمَرَهَا قَوْمٌ آخَرُونَ فَهُمْ أَصْحَاءُ
بِهَا وَفِي رَوَايَةٍ نَيْسُ يُشْعِرُ حَقَّ
کہ جس کو زمین دی گئی پھر اس نے
اسے تین سال تک غیر آباد چھوڑا آباد نہ کیا
تو دوسرے لوگوں نے (امام کے اذن سے)
اسے آباد کیا تو وہی اس کے حق دار ہیں۔

بَعْدَ ثَلَاثَ سَنَاتٍ (ص ۶۱-۶۵) اور تین سال کے بعد زمین کو غیر آباد حالت
میں رکھ کر رکھنے والے کو کوئی حق نہیں یعنی اسے تین سال سے آمد مہلت نہیں دی
جائے گی۔

زمین کو آباد کرنا ضروری ہے خود کرے یا کرے

خود کرے یا کسی دوسرے سے آباد کرے اپنا چھ کتاب الخراج میں ہے۔ يَزِدُّهَا أَوْ يَزِيدُ
الرَّعْمَاءَ وَيُؤَجِّرُهَا (ص ۶۵) اگر خود کاشت کرے یا مزارعت پر کاشت کو دے
(و ایضاً رواہ السنائی وغیرہ) زمین جب تک آباد کی جا رہی ہے اسے اس میں نہیں لیا
جاسکتا جب کہ امام المسلمین نے زمین ہی کی تعلیم کر دی ہو۔ صرف منافع کی نہیں
یعنی صرف تعمیلاً نہ دی بلکہ تعلیماً دی ہو۔ پھر مالک زمین اس میں ہر طرح کے تصرف کا
مجاز ہوگا۔ بیہ بیع وغیرہ اور اس میں ارثت بھی جاری ہوگی اور اگر زمین کی بجائے
صرف زمین سے منافع اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی تو یہ اجازت بوقت ضرورت و
مصلحت منوع کر کے اس سے زمین واپس لی جاسکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز
رضی اللہ عنہ نے حکومت پر متمکن ہو کر کیا تھا۔

ذاتی ملکیت کا مسئلہ

اسلامی نظام معیشت ایک ایسا نظام ہے
جو ہر طرح کے افراط و تفریط سے پاک ہے
یہ ایک معتدل راستہ ہے اسلام شخصی اور ذاتی ملکیت کو حقوق انسانی میں سے ایک اہم
حق تصور کرتا ہے اور کسی شخص یا پارٹی اور حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا
کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْإِلْ
أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَافٍ
مِنْكُمْ (الأنعام)

اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کا
مال ناحق نہ کھاؤ، مگر جو سوا تمہاری باہمی
رضامندی سے ہو۔

اسلام میں جائز طریقے سے تجارت اور
سرمایہ کاری کی اجازت ہے

دنیا ہے یعنی اسلام کے نظام معیشت میں ہر شخص اسلام کے اصول تجارت کے مطابق
تجارت میں ترقی کر کے سرمایہ حاصل کر سکتا ہے مگر اس اندیشے سے کہیں لا محذور سرمایہ کسی
شخص واحد کے ہاتھوں میں تہی ہو کر عوام الناس کے مفاد و مآثر کو متاثر نہ کرے اس پر زکوٰۃ و
صدقات ایسے عوامی حقوق مآثر کر دیے جن کی ادائیگی کے بعد ایک فرد یا چند افراد کے ہاتھوں
میں لا محذور سرمایہ دولت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ ہی مطلق العنان سرمایہ داری کی فہریت
آتی ہے۔

اس آیت تحریر میں باہمی رضامندی کے سوا ایک دوسرے کے مال کی ممانعت
کوئی گئی ہے اور ممانعت میں چوری حیانت اغصب (ازبردستی چھین لینا) جواؤ
سو وغیرہ مشمول ہیں، التفسیر عزرائل العرفان ص ۱۲۷

بلکہ ان حقوق کی ادائیگی نے دولت میں تحریک گردش کا عمل جاری رہتا ہے جس سے
امیر ہوں یا غریب سب مستفید ہوتے رہتے ہیں اس لئے تاجرن کو بیرون ملک سے مال
درآمد کرنے اور اندرون ملک سے بیرون ملک مال درآمد کرنے کی بھی عام اجازت ہے اس

یہ اسلام میں لائسنس پر کسی پارٹی یا فرد کی اجازت داری قابلِ برداشت نہیں، مگر ملک
سے باہر مال درآمد کرنے کی اجازت اس وقت زدی جائے گی جب کہ ملک کے صارفین
ضرورت مندوں پر ہنگامی کے مسئلہ ہونے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی باہر سے مال درآمد کرنے
کی کسی ایسی صورت کو برداشت کیا جاسکتا ہے جس سے ملک کے سرمایہ بیرون ملک چلا جائے
اور ہم غیر ملکیوں کی آمد و اعانت کے محتاج ہو جائیں۔ آج یہ بات تجربہ میں آچکی
ہے کہ بڑی طاقتیں غریب ملکوں کو بین دین کے ذریعے اپنی عوامی میں جکڑ لیتی ہیں اور ان
پر اپنے نظریات مسلط کیے بغیر نہیں رہتیں اور یہ صورت حال ایک مسلمان ملک کے لئے
قابلِ برداشت نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس سے بالواسطہ اسلام کی عظمت و سر بلندی پر
بڑا اثر پڑ سکتا ہے۔

وہی مال ہے تیرے لئے ارجح
ہے جس سے دنیا میں سر بلند

غریبوں کا ہمد و اسلام
غریبوں کا صحیح اور سچا ہمد و اسلام
ہی ہے غریبوں کی ہمد و ہی کے تقاضے

پورے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ داروں اور دولت مندوں سے زکوٰۃ و صدقات
اور عشر وغیرہ ایسے مایہ اصول کر کے معاشرہ کے مفکر الحال اور غریب مستحق افراد میں
صرف جائیں تاکہ معاشرہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو اور انشاء اللہ اس سے ہمارے
ملک کا معاشرہ اضطراب و یسین کے بھنوسے بخوبی نکل آئے گا۔ تیز چھان بین اور صحیح
تحقیق کی جائے اور پتہ چلا جائے کہ تقسیم ہند سے قبل انگریزوں نے اپنے پاؤں جملنے
اور اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے جن جن لوگوں کو جاگیریں بخشیں اور ان کی فادازیاں

حاصل کیں اور انہیں اپنے مخصوص خطابات سے نوازا۔ پھر پاکستان بننے کے بعد انہوں نے عیسویوں اور دھرموں کی حیثیت سے خیریت کا استیصال کیا۔ ان کی وہ جاگیریں واپس لی جائیں اور مستحقین میں تقسیم کی جائیں، کیونکہ ایسے جاگیردار اب بھی نہ صرف عربوں کو اپنا غلام بناتے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام کے نظام کے نفاذ میں بھی حائل بنے ہوئے ہیں لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس کی زد میں ایسے لوگ نہ آئے ہیں جو اپنے جائزہ ذرائع سے کماریاں اور اجاد سے فراغت میں زمینوں کے مالک چلے آ رہے ہیں، کیونکہ ایسے لوگوں کی زمینوں پر ان کی مرضی کے بغیر قبضہ کرنا مستحکم ہے۔

کسی کی جائز کمائی پر ناجائز قبضہ کا مسئلہ

تقرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ الّٰی بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہُمْ حَیْثُ سَوَّیْتُ لَہُمْ سُلٰلٰتٍ ۚ وَیٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَہُمْ الّٰی ہُمْ کَسَبُوْا بِہِمْ حَیْثُ سَوَّیْتُ لَہُمْ سُلٰلٰتٍ ۚ وَیٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَہُمْ الّٰی ہُمْ کَسَبُوْا بِہِمْ حَیْثُ سَوَّیْتُ لَہُمْ سُلٰلٰتٍ ۚ وَیٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَہُمْ الّٰی ہُمْ کَسَبُوْا بِہِمْ حَیْثُ سَوَّیْتُ لَہُمْ سُلٰلٰتٍ ۚ

صحیح بخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ اَخَذَ مِنْ اَوْقَافِ شَیْءٍ بَعِیْرَ حَقِّہٖ سَیْءٌ لِّہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنِّیْ سَبِّحُ

اَوْقَافِ (الجامع الضعیف ج ۲ ص ۱۶۰) تاکہ حصہ دیا جائے گا۔

اس کی شرح سراج منیر میں ہے:

اٰی یُجْعَلُ کَالطَّرِیْقِ فِی حَقِّہٖ

حَقِّقَتْہُ وَیُعْطَوْنَ عَنْقَہُ یَسْلُغُ ذٰلِکَ

اَوْ یَخْطُوْا رِشْدَہُ ذٰلِکَ یَلْزَمُہُ

لِزْوَامِ الطَّرِیْقِ

[سراج منیر ج ۳ ص ۲۲۲]

یعنی واقعی طور پر زمین کو طوق کی طرح

کر کے اس کے گلے میں ڈالا جاتے گا اور اس

کی گردن کو اس قدر لبا کیا جائے گا کہ اس

میں زمین کا طوق پڑ سکے یا زمین کے غصب کا

گناہ طوق کی صورت میں اس کے گلے میں

ڈالا جائے گا۔

اسلام کی نظر میں قومی ملکیت کی اصطلاح بے معنی ہے

ہے، کیونکہ کسی شے کا مجموعہ یا کل اس کے افراد و اجزاء کے ہی تابع ہوتا ہے۔ جب تمام افراد کو حق ملکیت سے محروم کر دیا جائے تو ان کا مجموعہ کیا چیز ہے جو تمام اہلک کا مالک کہلاتا ہے

جب افراد محروم ہو گئے تو ان کا مجموعہ بھی محروم ہو گیا اس اصطلاح میں فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس سرکاری ملکیت ایک اصطلاح معقول ہے۔ قومی ملکیت ترکشوں

کی عجیب غریب بے معنی اصطلاح ہے۔ سابقہ حکومت نے لوگوں کے نجی تجارتی ادارے ان سے عین لئے، پھر کسی کو تو معاوضہ دینے کا اعلان کیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے اور سے

سرکاری تحویل میں لئے گئے ہیں۔ اس سے تمہیں معاوضہ ملے گا اور کسی کو معاوضہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا گیا کہ چونکہ ان کے اور سے قومی تحویل میں لئے گئے ہیں اس لیے انہیں

معاوضہ نہیں ملے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان اداروں کی نہ تو سرکار مالک قرار پائی

اور نہ ہی سابقہ مالکان، تو کوں مالک ہوا؟

اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

تحدید ملکیت

اسلام نہ تو سرمایہ داری کی غرض بے لگام ملکیت کی اجازت دیتا ہے کہ جائز و ناجائز ہر ذریعے سے دولت کمائی جائے اور جہاں دل چاہے اسے خرچ کیا جائے بلکہ اسلام سرمایہ جمع کرنے پر دو طرح کی پابندی عائد کرتا ہے ایک یہ کہ ذرائع اور وسائل آمدنی جائز ہوں جن سے کسی کا استیصال لازم نہ آئے اور خدا و مسطفیٰ اعلیٰ و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق ہوں اور دوسرے یہ کہ اس سرمایہ کا مصرف صحیح ہو یعنی اس سرمایہ کو مذمت اسلام و احسانت مستحقین اور اپنی ضروریات میں صرف کیا جائے جس کی بحث گذر چکی اور نہ ہی اشتراکی اور سوشلسٹ نظام کی طرح شخصی و انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتا ہے اور اہل دولت کو زکوٰۃ و صدقات اور تدریث ایسے حکام و قوانین کے نظام عمل کا پابند کرتا ہے جس سے معاشرہ ہمہ گیر سطح پر استیصال کا شکار ہونے کی بجائے مکمل طور پر خوشحال اور فائز بانی کی نصرت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ نظام زکوٰۃ اور نظام وراثت معاشرہ کی خوشحالی کی ضمانت اور تحدید ملکیت کا قدرتی ذریعہ ہیں، بالخصوص نظام وراثت جب کسی سرمایہ دار کے مرنے کے بعد عمل میں آتا ہے تو اس نظام عمل سے اس کی جائیداد منقسم ہو کر متعدد ہاتھوں میں چلی جاتی ہے جس سے اس کے خاندان کے بہت سے مفلس محتاج خوشحال ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ و تدریث نظام عمل تحدید ملکیت کا منطقی و قدرتی اور نہایت ہی کامیاب نظام ہے، اس کے مقابلے میں انسان کے بنائے ہوئے تجدیدی قوانین غیر منطقی اور غیر موثر ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت

باقی نہیں رہتی۔

نظام وراثت

ہمارے ملک کے تقریباً نوے فیصد مسلمان نظام وراثت سے گریزاں اور سختی وارثوں کے استیصال کا عمل اختیار کرتے ہوئے اور سب زیادہ استیصال بیپاری لڑکیوں کا ہو رہا ہے۔ لڑکی کے ماں باپ استیصال پر مبنی ظالمانہ رواج کی آڑے کر جہاں لڑکیوں کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں، اور ان کا دل دکھاتے ہیں، وہاں مسلمان کو ملانے کے باوجود عملی طور پر خداوند قدوس کے احکام وراثت سے کفر و انکار کر کے اپنی قومیں اگ بھرتے ہیں۔ آہ یہ قوم نجیب چرپ ست و بڑ مانع۔ ہے کہاں روزِ مکافات اسے خدا سے ڈاؤنگیر؟

(کافی کتاب الاموال) سے

دختم دیگر بسوزد و دیگر اں را بسوزد!
گفتمت روشن جیشے، گر توانی دار گوش

اور اگر وہ لوگ مسلمان نہ ہوتے ہوں، تو صلح نامہ میں قلعیت کے درمیان ان بیسوں کے باؤسے میں جو معاہدہ طے پائے گا، اس پر عمل ورا بد ضروری ہوگا اور دیگر مسکوتوں کی تشریح پہلے نہ چکی ہے۔

محمّدی امینی کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولوی محمد تقی امینی ناظم
دینیات مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ ذاتی ملکیت کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

جن لوگوں نے اسلام کے نام پر موجود دور کی انفرادی ملکیت پر اصرار

کیا ہے وہ دراصل اس وقت کے اسلام کی نمائندگی کر رہے ہیں، جب کہ مسلمانوں میں ذاتی منفعت و حصولِ اقتدار خود مقصد بن گیا تھا، اس بنا پر ان کی بات زیادہ توجہ کے لائق نہیں ہے۔ (احکام شریعہ ص ۲۱۳)

محمد تقی صاحب اُتی ملکیت ختم کرنے کے لیے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ذاتی ملکیت کے خلاف پہلے سے ایک نظریہ قائم کر لیا ہے پھر اس نظریے میں دلائل لاتے چلے گئے، پھر سرے سے ہی یہ نظریہ غلط اور سوشلسٹ دانشورائیت نوا حضرات کا اثر ہے جو امینی صاحب پر چھایا ہوا ہے جس کی تائید میں انہیں صحیح دلائل پیش نہ کیے، اس لئے انہوں نے بعض اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

سردیں اور اک میں آتا نہیں
کس طرح آئے قیامت کا یقین

ارضی مفتوحہ کی دوسری قسم

مفتوحہ زمینوں کی دوسری قسم وہ ہے جو فتح کے وقت کسی کی ملکیت نہ

تصرف میں ہو۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ صلح و امن کے ساتھ فتح ہو اور ان کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو وہ زمینیں بدستور ان کے تصرف میں رہیں گی، امام المسلمین یا کوئی دوسرا کسی طرح کا ان میں دخل نہیں دے سکتا چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

أَمَرْتُ أَنْ أَتْلُوَ الْقِتْلَاسَ
حَقٌّ يَشْهَدُ وَأَنْتَ لَا إِلَهَ إِلَّا
کہ مجھے حکم ہوا کہ میں لوگوں سے لڑوں،
بیان تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے

اللَّهُ قَاتِلَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ
وَيَقْتُلُ الْمُصَلِّينَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ
فِي إِذْ فَخَلُوا إِذِ اللَّهُ عَصَمُوا
مِنْهُ وَمَاءَ هَؤُلَاءِ مَوَالِيهِمْ
إِلَّا بِحَقِّ الْأَسْلَافِ وَحِبَابِهِمْ
عَلَى اللَّهِ (متفق علیہ)

سوا کوئی معجز نہیں اور بلا شک محمد اللہ کے
رسول ہیں اور نماز چوگان قائم کریں اور زکوٰۃ
دییں، جب وہ یہ کریں تو ان کے جان و
مال میری طرف سے محفوظ ہو گئے، مگر اسلام
کے حق (قصاص و حدود) میں ان کا
مواخذہ ہو گا اور (ان کے باطن) کا
حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

مدینہ منورہ کے انصار چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی اراضی کے ساتھ بھی یہی کیا کہ جو زمین جس کے پاس تھی اس کے پاس رہی۔ البتہ انصار نے خوش دلی سے وہ زمینیں حضور کے حوالے کر دیں۔ جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا تو اپنے بعض صحابہ کو ان زمینوں کی جاگیر بخش فرمادی تاکہ وہ آباد کر کے ان سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کے ذریعے سے دیگر مخلوق بھی۔

اس کتاب میں بہت سے غلط مفروضے قائم کئے گئے ہیں اور بعض مسائل میں مصنف زبردست غلط فہمیوں کا شکار ہوئے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں رہتا ہم ذاتی ملکیت کے بارے میں ان کے دلائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

”حکومت جس کی زمین و جائیداد پر چاہے قبضہ کر کے اسے قوی و سرکاری تحویل میں لے سکتی ہے۔“

اس سلسلے میں موصوف کا وہی نظریہ ہے کہ جو زمانہ حال کے سوشلسٹوں اور اشتراکیوں کا ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے بعض موجودہ زمانے کے مصنفین کی عبارات

پیش کی ہیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس نظریے کے لوگ ہیں، ممکن ہے کہ وہ بھی سوشلسٹ ذہنیت کے لوگ ہوں، اس لئے ان کا حوالہ چند اہمیت نہیں رکھتا اور علامہ ابن حزم طابری کے حوالہ جات بھی ہیں۔ ابن حزم چونکہ بہت سے نظریات میں منفرد اور جمہور سے الگ ہیں، یہاں تک کہ اجماع کے بھی خلاف کر جاتے ہیں، اس لیے ان کی بات میں بھی کوئی وزن نہیں ہے یا کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے ان کی عبادات کا مفہوم بھی اسی طرح غلط سمجھا جو گاجیں طرح انہوں نے دوسرے تحقیقین کی ان عبارات کا مفہوم غلط سمجھا جنہیں ہم مختصر پیش کر کے دے رہے ہیں۔ چنانچہ موصوف علامہ عینی کے حوالے سے عبارت درج کرتے ہیں۔

إِنَّ حُكْمَ الْأَرْضِ حَقٌّ عَلَى
الْأُمَامِ - پھر ہے (حکومت جو چاہے کرے)

موصوف نے عینی کی یہ عبارت قطع برید کر کے اس قدر لکھ دی ہے جس سے ان کے انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے خود ساختہ نظریے کو تقویت مل سکے، کیونکہ موصوف کا یہ نظریہ عام اراضی کے بارے میں ہے، اگرچہ وہ کسی کی ملکیت میں ہو، جب کہ علامہ عینی کی اس عبارت کا تعلق صرف ان اراضی سے ہے جو کسی کی مملوک نہیں ہیں جیسے دیوں اور پہاڑوں وغیرہ کی غیر آباد اور غیر مملوک زمینیں۔ موصوف علامہ عینی کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہے ہیں۔ علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ انہیں چرگاہ کے لئے مخصوص کرنے کا حق امام کو ہے، یعنی ان زمینوں کا معاملہ بادشاہ یا حکومت کے سپرد ہے، وہ جس قدر چاہے اسی قدر بیت المال کے جانوروں کے لیے چرگاہ میں توسیع کے لئے عوام الناس کو وہاں جانوروں کے چرانے سے روک سکتی ہے، اگرچہ لوگ پہلے وہاں سے

فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے ہوں۔

علامہ عینی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

وَأَمَّا بِحَقِّ الْأُمَامِ مَا لَيْسَ
بِمِلْكِهِمْ لِأَخِيذٍ مِثْلَ يَمْكُونِ الْأَقْدِيَّةِ
وَالْحَبَالِ وَالْمَوَاتِ وَرَأْسِ
صَكَاتٍ يَنْتَفِعُ الْمُسْلِمُونَ
بِمَنْلِكَ الْمَوَاضِعِ فَمَنْ
قَعَّهْمُ فِي حِمَايَةِ الْأُمَامِ
أَكْثَرُ قَدَرٍ حَصَرَ الْحِمَى
فَلْيُؤَرْ رَسُولُهُ يَدُلُّ عَلَى
انْ تَحْكُمُ الْأَرْضَ حَقٌّ

یعنی امام اس زمین کو چرگاہ ایسی
سرکاری ضروریات کے لیے لے سکتا ہے
جس کا کوئی مالک ہو جیسے دیوں کے
بیچ کی زمین اور پہاڑوں کی اور غیر آباد
غیر مملوک زمین اگرچہ ان مقامات سے عام
مسلمین بیشتر کفائدہ سے لٹھاتے ہوں، تو
ان کے بیشتر کفائدہ امام کی چرگاہ بنانے
میں زیادہ ہیں۔

میں کہتا ہوں بارگاہی عثمانی لکھ
در سولہ کر چرگاہ بنا نہ صرف خدا اور
رسول کا حق ہے کا معاملہ امام (حکومت)
کے سپرد ہے اور یہ کہ چرگاہ قرار دینا یا کسی
کو آباد کرنے کے لئے دینا، دونوں حکم اس
زمین سے متعلق ہیں جن کا کوئی مالک نہیں۔

اور امام قسطلانی ارشاد الباری شرح بخاری میں بھی یہی فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:
وَأَمَّا بِحَقِّ الْأُمَامِ مَا لَيْسَ
بِمِلْكِهِمْ لِحَقِّهِمْ فِي الْأَرْضِ حَقٌّ
يَسْتَلْزِمُ حَقَّ حَقِّهِمْ فِي الْأَرْضِ حَقٌّ
يَسْتَلْزِمُ حَقَّ حَقِّهِمْ فِي الْأَرْضِ حَقٌّ

کہ حکومت اس زمین میں تصرف کر
سکتی ہے جو کسی کی ملکیت نہیں ہے۔

ایک سے تہ سلطان

مصر نے لوگوں

سے کہا کہ تم

امام نووی علیہ الرحمۃ کا سلطان مصر کو لوگوں کی
زمینوں کو سرکاری تحویل میں لینے سے منع کرنا

لوگ اپنی اپنی زمینوں کی ملکیت کے کاغذ پیش کرو، درمہ ہم تمہاری اراضی کو بہت مال
کے حق میں ضبط کر لیں گے۔ اس وقت کے بے نظیر عالم دین امام نووی علیہ الرحمۃ کو
معلوم ہوا، تو اپنے اس بادشاہ کے اس خیال کے خلاف آواز اٹھائی اور دلائل سے
ثابت کیا کہ اگرچہ کسی کے پاس ملکیت نامے نہ ہوں، مگر وہ پشت در پشت قابض
چلے آئے ہوں، وہ مالک ہی ہیں، ان سے زمینیں چھیننا ظلم اور ناجائز ہے تو بادشاہ
اس خیال سے باز آگیا۔ (اشامی ج ۲، ص ۱۸۱)

یہ اس صورت میں ہے کہ جب مذکورہ قابضین کسی دوسرے کی مملوکہ زمین پر غاصباً
طور پر قابض نہ ہوں جیسا کہ پہلے مدلل ہو چکا ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین پر
غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہو تو اس سے وہ زمین کے اصلی مالک کو واپس دی جاتے گی۔

افسوس کو ششدرم و اشتر اکبر کے اہل
قلم پاکستان ایسی سرزمین میں کہ جسے

نقی مینی کی ایک اور خیانت

صرف پھلانے کے لئے قلم جیسی مقدس دیانت کا خون کھرنے اور اس عظیم امانت میں خیانت
کھنے سے بھی باز نہیں آئے، چنانچہ کتابچہ کو رو میں حکومت کے حق میں ہر قسم کے بے پناہ
اختیارات ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غرض حکومت اپنے اختیارات میں کسی ایک طریق تنظیم و تقسیم کی پابند
نہیں ہے بلکہ مفاد عامہ کے پیش نظر اس کے اختیارات کافی وسیع ہیں اور

انفرادی اور اجتماعی ہر طریق کی اجازت ہے جیسا کہ قاضی ابو یوسف
کہتے ہیں :-

وَأَمْرُؤَ أَنْ يَكُونَنَّ مَتَوَسِّعًا
عَلَيْهِ فَيَكُنَّ عَاشَاءَ مِنْ ذَا الْإِلَاحِ فَعَلَّ
مَجھے امید ہے کہ حکومت جو بھی مناسب
سمجھ کر کرے گی، اس لئے وسعت اور
(کتاب البضایع ج ۲، ص ۱۷۰)

نقی مینی صاحب نے مذکور بالا حوالے سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حکومت
جو چاہے کرے، اس کے لئے اسلام کے احکام و ہدایات اور فیود و ضوابط کچھ نہیں ہیں،
یہ پابندیاں صرف عوام کے لئے ہیں، شریعت عوام کے لئے آتری ہے، حکومت اس
سے مستثنیٰ ہے۔ ایک امام آدمی اگر کسی کی کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف چھین لے، تو
اس کے لئے ناجائز و حرام اور اگر حکومت قومیا نے کے حیلے یا مفاد عامہ کے ڈھونڈے
جس کی جائداد پر ملحقہ صاف کر ڈالے، اس کے لئے جائز ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ
کہتے ہیں انسانوں کو غلامی پر رضامند

تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ

مالا خبرات یوں نہیں یہاں امام ابو یوسف حکومت کو ایسے کلی اور مطلق اختیارات
اختیارات نہیں سنوئے۔ یہ امینی صاحب ہی کی کوتاہ نظری یا خیانت کا کرشمہ ہے
کہ ان کی عبارت کو اپنے خود ساختہ اثر کیا نظر پر پرفٹ کر گئے۔
جو چاہے آپ کا حق کرشمہ ساز کرے

لیجیٹائم صاحب کی شروع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے اور امینی صاحب کی
دیانت و امانت کی داد دیجیے۔

فَكَانَ أَرْضُهُمْ أَقْطَعَهَا الْأَمَامُ
مِمَّا فَتَنَتْ عَنْهُ فَضِيْلًا الْمَخْرَجِ
الَّذِي يُضَيِّقُهَا الْأَمَامُ عَشْرِيْنَهٗ
وَدَّ اللَّهُ إِلَى الْأَمَامِ (الحی است)
قال، وَأَنْ جَوَّانَ يَكُونُ ذَلِكَ
مَوْسَعًا عَلَيْهِ فَكَيْفَ شَاءَ مِنْ
ذَلِكَ فَعَلَّ .

(کتاب الخراج ص ۶۰)

یہ تھی امام ابو یوسف کی پوری عبارت جس کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ
امام المسلمین کو جنگ کے ذریعے مفتوحہ اراضی کو کسی کے لئے جاگیر قرار دینے کے بعد اسے
عشری یا خراجی ٹھہرانے کا اختیار ہے، مگر مینی صاحب اسے کہاں سے کہاں کھینچ
آن کرے گئے۔ دراصل ٹولسٹون کا طریقہ ہی یہی ہے کہ وہ اپنے من گھڑت
تغریبات کی تائید میں ایسے ایسے کرشمے دکھلاتے ہیں نیز

بریں قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کے مطابق موصوف کی دوسری تحقیقات کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے اور جہاں حضرت
عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے بعض جاگیریں واپس
لے کر بیت المال کو دے دیں، تو یہ وہ جاگیریں تھیں جنہیں آباد کرنے کے لئے دیا گیا تھا،
مگر لینے والے انہیں آباد نہ کر سکے، تو آباد نہ کرنے کی وجہ سے وہ واپس لینا پڑیں،
انہیں زمین کی بخشش نہ کی گئی تھی، بلکہ زمین بیت المال کی تھی اور منافع آباد کرنے

والوں کے لئے جاگیر کی بخشش کی یہ دونوں صورتیں کتاب الخراج و دیگر فتاویٰ و شامی وغیرہ
میں موجود ہیں اور آخر الذکر زمین کا جو نہ جاگیر دار مالک بنیں ہوتا، اس لئے امام اگر
مناسب سمجھنے تو اس سے واپس لے سکتا ہے، ملاحظہ ہو (شامی ج ۴ ص ۱۹۴)

زمین کو مزارعت و بیانی پر دینے کا مسئلہ

مزارعت کے جواز و عدم جواز دونوں کے
حق میں مختلف حدیثیں وارد ہوتی ہیں۔ اس بناء پر صحابہ کرام و ائمہ عظام میں مزارعت
کے بارے اختلاف واقع ہوا، خود احناف کے امام حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
اسے جائز نہیں سمجھتے اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ زمین کا مالک کا کرنے والے کو
ایک معین مدت تک تنخواہ مقررہ پر لے کر اس سے کاہلے اس میں شرط یہ ہے اسے
تنخواہ کے عوض اسے اتنی مالیت کی پیداوار ملے۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی

ج ۴ ص ۱۶۷)

لیکن صاحبین امام ابو یوسف امام محمد رحمہما اللہ مزارعت کو جائز سمجھتے ہیں
اور صاحبین کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام نسائی کے بغیر اصحاب صحاح ستہ نے
روایت کیلئے چنانچہ بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَآءِلَ أَهْلِ خَيْبَرَ يَشْطُرُونَهُمَا
يَوْمَ رَدِّهِ أَوْ شَعْبَانَ بَخَارِي ج ۱ ص ۲۳۳
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل
خیبر کے ساتھ زمین خیمہ کی کچھ پیداوار یا
بھل کے ایک حصے پر معاہدہ کیا۔

مزارعت میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے

صاحبین رحمہما اللہ

کے قول پر فتویٰ ہے چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

والفتویٰ علی قولہما لحاجة
الناس اليها ولظهور تعامل الناس
رہدایۃ ج ۳ ص ۳۶۳
یعنی لوگوں کی ضرورت اور امت
کے تعامل کے طہو کی بنا پر فتویٰ صاحبین
کے قول پر ہے۔

مقصود ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک

ہر ایک ہے گو شرح معانی میں بیگانہ

ان اختلاف میں امت کے فائدے ملحوظ ہیں اس مقصد میں سب ائمہ متفق

ہیں البتہ تاتہرین نے اس قول کو ترجیح دی جس میں امت کا فائدہ زیادہ ہے
اور وہ مزارعت کا جواز ہے یعنی کسی کو زمین اس طور پر دینا کہ کاشت سے جو
پیداوار ہوگی، دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی یا دو تہائیوں میں تقسیم
ہوگی اسے اسلام کی اصطلاح میں مزارعت اور یہاں کے عرف میں اسے بٹائی پر
زمین دینا کہتے ہیں۔

مسئلہ مزارعت

مزارعت کا مسئلہ فقہی اعتبار سے بڑی اہمیت
رکھتا ہے جس کے دو پہلوئے غور طلب ہیں ایک مزارعت

کا جواز یعنی کیا مزارعت زمین کی بٹائی پر دینا اجازت ہے یا نہیں؟ اور دوسرا حق
نصف ہے یعنی کیا مزارع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کے اولین پہلو
پر کچھ حضرات اپنا نقطہ نظر پیش کر چکے ہیں اور وہ یہ کہ مزارعت خلاف اسلام ہے دوسرا
پہلو یعنی مزارع کو حق شفعہ ملنا چاہیے یا نہیں؟ شوریٰ میں اس وقت سے زیر غور
ہے جب اسلامی نظریاتی کونسل کا مسودہ قانون شفعہ توثیق کے لئے پیش کیا گیا ہم یہاں

اس مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پر شرعی و فقہی حیثیت سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے اس میں شک نہیں اور نہ ہی یہ حقیقت اہل علم
سے مخفی ہے کہ قرآن کریم میں براہ راست مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی یعنی دونوں
میں براہ راست مسئلہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ یعنی دونوں پہلوؤں کے اعتبار سے
اس مسئلہ کا براہ راست قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں ملا البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں
شارح قرآن ہونے کی حیثیت سے اس مسئلہ کو بیان کر دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان
مسائل کی وضاحت و تشریح کی ذمہ داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد فرمائی جو قرآن میں
وضاحت طلب یا براہ راست مذکور نہ تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”ہم نے تمہاری طرف ذکر یعنی قرآن انما را کہ تم لوگوں کے لئے

نازل کئے ہوئے کو واضح کر دیا“

(سورہ نحل آیت ۱۰۴)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

”اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لے لو اور جس سے منع

فرمائیں اس سے باز رہو“ (سورہ شہر آیت ۷)

لہذا اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق چلا آ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے خدا کے رسول اور نبی ہونے کی حیثیت سے جو کچھ ارشاد فرمایا اور جو احکام صادر
فرمائے وہ بھی خدا تعالیٰ کی وحی اور حقیقت اسی کے نازل کردہ ارشادات احکام
ہیں اس حقیقت کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی واضح طور پر ہو جاتی ہے کہ
”اور وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے“

ان کی بات تو خدا کی وحی ہی ہوتی ہے جو انہیں بھیجتی جاتی ہیں۔

(سورہ النجم آیت ۱۳)

چنانچہ امام المفسرین امام قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث و سنت و جواب عمل میں خدا کی نازل کی ہوئی وحی کی

طرح ہے۔“ (التفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۸۵)

امام قرطبی نے حضرت مقدم بن معدی کرب کی حدیث کا حوالہ بھی دیا ہے جو جلد

اول کے صفحہ ۳ پر درج ہے۔

مزارعت کے بارے میں جو انا ویش ثمر لہیہ وارد ہوئی ہیں وہ ایک دوسری سے مختلف

ہیں کچھ حدیثوں سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز اسی لئے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے تبع کے حضرات ائمہ و فقہاء میں یہ مسئلہ

مختلف رہا کچھ تو مزارعت کو جائز قرار دیتے تھے اور کچھ اسے ناجائز ٹھہراتے آئے چنانچہ

صحابہ کرام میں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فاروق رضی اللہ عنہ علی مرتضیٰ اور عبد اللہ بن

مسعود و سعید و زبیر و اسامہ ابن عمر و معاذ و حباب اور ان کے بعد حضرات سعید

بن مسیب و طاووس و ابن ابی بیلہ و اوزاعی و ثوری و امام احمد اور امام عظیم ابو حنیفہ

کے شاگرد امام ابو یوسف امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اس کو جائز قرار دیتے تھے جب کہ حضرت

ابن عباس ابراہیم وایت و یحییٰ بن عمر و عکرمہ و ثقی و امام مالک امام ابو حنیفہ

وایت و ابو ثور و امام شافعی رضی اللہ عنہم سے عدم جواز منقول ہے مضافہ انصاری

شرح صحیح البخاری فیلہ اول ۲ صفحہ ۱۶۷ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب الابصار

میں ہے۔

مزارعت جائز ہے اور یہی مذہب کسی شک و شبہ کے بغیر ہے اور یہی امام احمد بن

حنبل کے تمام ساتھیوں اشاگردوں کا مذہب ہے (جلد ۵ ص ۴۸۱) اور امام ابن

قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں: ”بناقی پر زمین دینا جائز ہے بہت سے اہل علم کی یہی

راے ہے۔“

اس کے بعد امام ابن قدامہ امام بخاری کے حوالے سے امام ابو جعفر کا قول نقل

کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

”مذہب میں کوئی ایسا گھر نہیں جس کی طرف سے زمین کو پھٹائی یا

تہائی حصہ کے حساب سے بنائی پر نہ دیا جاتا ہو۔“

پھر فرماتے ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حضرت علی و حضرت سعد ابن مسعود و

عمر بن العزیز و قاسم بن محمد بن ابی بکر و غیرہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و علی مرتضیٰ رضی

دونوں کا مائدان و امام ابن سیرین و سعید بن مسیب و طاووس و عبد الرحمن بن اسود و

موسیٰ طلحہ و زہری و عبد الرحمن بن ابی ملیح ان کے صاحب زادے امام ابو یوسف امام

محمد ص ب مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں اور حضرت معاذ و حضرت حسن و عبد الرحمن

بن یزید سے بھی جواز مروی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مزارعت پر زمین دیتے ہوئے مزارعین

سے فرمایا کہ اگر بیج میری طرف سے ہوگا تو میرے لیے پیداوار کا آدھا ہوگا اور اگر بیج مزارعین

کی طرف سے ہوگا تو ان کے لئے اس قدر دیں کہ آدھے سے زیادہ ہوگا اور امام مجاہد و ثقی

ابو حنیفہ نے مزارعت کو پسند نہیں فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مختلف روایتیں ہیں

اور امام شافعی نے ایسی زمین بنائی پر بیج کو جائز قرار دیا جس میں کھیت اور کھجور دونوں

ہوں۔ اس کے بعد کچھ آگے چل کر امام ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ :

”ہم جو مزارعت کو جائز قرار دیتے ہیں ہمارے لئے اس قدر سند کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو اپنی زمین بٹائی پڑی تھی پھر حضرات ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم بٹائی پڑیتے رہے۔ ان کے بعد ان کے خاندان کے افراد بھی اسی پر عمل پیرا رہے کہ اپنی زمین بٹائی اور چوتھا پیادہ اور ایک بٹائی پڑیتے رہے۔“

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں کہ ”یہ حدیث صحیح و مشہور ہے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تادم وصال اس پر عمل فرماتے رہے پھر اچکے بعد خلفائے راشدین عمر بھر یہ عمل کرتے رہے پھر ان کے بعد ان کے خاندان کے لوگ بھی زمینیں بٹائی پڑیتے رہے۔ (المفنی لابن قدامہ جلد ۵ صفحہ ۶۴ تا ۶۸)“

جو حضرات مزارعت کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مزارعت کا عمل ایک زمانہ میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا اور اس کی دلیل وہ حدیث قرار دیتے ہیں جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کہ ”ہم زمین کا معاملہ بٹائی پر کیا کرتے اور اس کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو ہم نے مزارعت کا سلسلہ ترک کر دیا۔“ کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت شروع میں جائز تھی بعد میں منسوخ ہو گئی لہذا یہ ناجائز ہے۔ جمہور اہل اسلام جو اس عمل کو جائز سمجھتے ہیں ان کے دلائل مقابلہ و ردی ہیں ان میں سے ایک تو وہی حدیث ہے جسے امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین اہل خیبر کو بٹائی پڑی تھی (بخاری باب المزارعۃ امام بدر الدین

اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

”مزارعت کو جائز قرار دینے والوں کے لئے یہ حدیث عمدہ دلیل ہے“

وعمدة القاری شرح صحیح بخاری جلد ۱۲ صفحہ ۱۱۲۷

اور دوسری حدیث وہ ہے جسے امام بخاری، مسلم نے حضرت عمر بن دینار سے اپنی اپنی مندوں کے ساتھ روایت کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ مزارعت چھوڑ دیتے تو اچھا تھا کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا انہوں نے کہا کہ اے عمر میں اس کے ذریعے لوگوں کو کچھ دیتا ہوں ان کی مدد کرتا ہوں اور مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا کہ کسی شخص کا اپنے بھائی کو زمین مفت دینا اس پر اجرت لینے سے بہتر ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ امام ابو جعفر صادق چھ نہیں امام باقر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں مہاجرین میں سے کوئی گھر ایسا نہیں جو تہائی یا چوتھا یا پڑ زمین کی مزارعت کا معاملہ نہ کرتا ہو لہذا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ زمین کی بٹائی کا معاملہ ابتداء میں جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بعد خلفائے راشدین و دیگر صحابہ تابعین و ان کے بعد کے ائمہ دین اس پر کیوں عمل کرتے کیا ان کو منسوخ ہو جانے کا علم نہ ہو سکا تھا بلکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے وہ یہ کہ اگر مزارعت کو ناجائز اور جائز قرار دینے والی احادیث پر کچھ قیاس آرائی کرنے کے بغیر انہیں صحابہ تابعین و ائمہ کرام کے عمل و قول کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ کہنا سچا ہو گا کہ مزارعت بلاشبہ جائز ہے البتہ اس کی ممانعت کی ترجیح یہ تاویل کرنا ضروری ہے۔

اول تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ حضرت رافع بن خدیج والی حدیث اضطراب کا تکرار ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ہے اور اس میں اضطراب یہ ہے کہ کہیں تو اس کی سند میں عن بعض عموم سے ہے اور کہیں عن ظہیر بن رافع کے الفاظ ہیں اور کہیں خود اس کے سماع کا ذکر ہے اس قسم کی سند قابل استدلال نہیں ہوتی اور اگر اس اضطراب سے بھی قطع نظر کر لی جاتے تو یہ اس لئے بھی قابل استدلال نہیں رہتی کہ اجماع کے خلاف قرار پاتی ہے کیونکہ ہر امام کسی نہ کسی صورت میں مزارعت کے حوازا کا قائل ہے اگرچہ وہ جگہ جگہ ہاں مرفوعہ مزارعت سے مختلف ہو اور دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث رافع بن خدیج میں مذکورہ ممانعت کسی خاص صورت پر محمول کی جاسے اس کی توجیہ کی تائید خود اس رافع بن خدیج کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں انہی سے روایت ہے کہ ہم سب لوگ مدینہ منورہ میں زمین کاشت کرتے کرتے تھے اور کچھ لوگ زمین کو اس طرح کرایہ پر دیتے تھے کہ اس کے فلاں حصے میں جو پیداوار ہوگی اس کا مالک میں ہوں گا اور اس کے دوسرے ٹکڑے کی پیداوار تو ہماری ہوگی تو کبھی ایسا ہوتا کہ زمین کے کسی ایک حصے میں پیداوار ہوتی اور دوسرے میں نہ ہوتی جس سے ایک تو پیداوار اٹھا لیتا اور دوسرا محروم رہتا اور بسا اوقات جھگڑنے تک نہایت پہنچ جاتی۔ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ ممانعت کی یہی صورت ہو سکتی ہے اور اگر اس حدیث کو بالعموم مزارعت سے ممانعت پر محمول کیا جاتے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کا زمین کو بیانی پر دینا اس ممانعت والی حدیث کے منسوخ ہونے کی دلیل ہوگی۔ امام ابن حزم ظاہری بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ممانعت والی

حدیث منسوخ ہے۔

”مسند شافعی کا بعد کا عمل پہلی ممانعت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔“

(المحلی جلد ۵ صفحہ ۲۱۴)

امام ابن قدامہ بھی یہی کہتے ہیں کہ :

”مزارعت سے ممانعت والی حدیث کو منسوخ تصور کرنا ضروری

ہے۔“

اور بعض تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جن صحابہ کا حوازا میں اختلاف تھا۔ انہوں نے بعد میں حقیقت حال کے اشع ہونے پر ہرج مرج کر دیا تھا اور مزارعت کے جائز ہونے پر سب کا اجماع عمل میں آگیا تھا چنانچہ عدل ثرثوکانی وابن عمر و امام ابن قدامہ بھی یہی فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔ (ذیل الاوطار جلد ۵ ص ۶۷۴ و المحلی جلد ۵ ص ۲۱۴ و المغنی جلد ۵ ص ۱۳۱) اس کے باوجود بعض حضرات کا مزارعت کو بلاشبہ واصل خلاف اسدہم ٹھہرانا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو مزارع کے لئے سختی و شفقت ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل ملک کا ایک ایسا موثر ادارہ ہے جس کے اراکین جملہ مکاتب فکر کے مسلم فاضل لوگ ہیں اور جن کی علمی وسعت اور فنی بصیرت ملک و قوم سے بالاتر ہے۔ کونسل میں زیر بحث مسئلہ پر چڑی گہرائی اور بے لاگ تحقیق کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک ایک لفظ پر نسلی بحث عجز کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو فراخ دلی کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ اگر اختلاف ہو اور متفق علیہ نقطہ نظر نہ آ رہا ہو تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اختلاف کے دائرہ کو کم از کم کرنے کے بعد اکثریت کی رائے پر فیصلہ

ہے دیا جاتا ہے اور اختلاف فی نے والے فضلاء کا نقطہ اختلاف بھی ساتھ ہی نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ ایسے اوقات یا مسائل کہ ہیں وہ نہ اکثر و بیشتر بھی خاصی بحث و تمحیص کے بغیر اتفاق رائے سے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ قانون شفعہ جسے اسلامی نظر رانی کو نسل نے بہ اتفاق رائے مرتب کیا۔ اس میں کسی بھی ملک کے فاضل نے مزارع کو حق شفعہ دینے پر راتے نہیں دی اور نہ ہی مذہب مروجہ فقہ میں سے کسی مذہب میں مزارع کے لئے حق شفعہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تو دحق شفعہ کی نفی تعریف ہی مزارع کو یہ حق دینے سے مانع ہے کیوں کہ شفعہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے :

”کسی ایک شریک کے حصے کا جو ایک اجنبی کی طرف منتقل ہو چکا تھا
طے کردہ معاوضہ پر دوسرے شریک کی طرف منتقل ہونا“

(نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۳۲۱)

امام ابن قدامہ الحنفی میں شفعہ کی تعریف لکھتے ہیں۔

”ایک شریک کا اپنے شریک کے حصے کو اس اجنبی کے ہاتھ سے

چھڑانا جس کی طرف وہ حصہ منتقل ہو گیا تھا“

(المنہی جلد ۵ صفحہ ۳۰۷)

احناف فقہاء کے نزدیک حق شفعہ میں اشخاص کے لئے ہی ہے جن میں مزارع کے نام کا کوئی شخص نہیں ہے۔ ایک خلیطہ دوسرا شریک تیسرا جار ملاحظہ شریک وہ ہے جو فروخت شدہ جائیداد میں حصہ دار ہے جیسے ایک مشترکہ جائیداد میں ایک شریک اپنا حصہ فروخت کرتا ہے تو دوسرے شریک کو شفعہ کا حق حاصل ہے۔

دوسرا خلیطہ وہ شخص ہے جو فروخت شدہ چیز میں تو حصہ دار نہیں ہے البتہ اس چیز میں متعلقہ حقوق میں حصہ دار ہے مثلاً دونوں کے مکان یا جائیداد تو الگ الگ ہے لیکن دونوں کی گزرگاہ اور راستہ دونوں میں مشترک ہے یا دونوں ایک ہی مالی سے اپنے اپنے کھیت کو سیراب کرتے ہیں اور دوسرا اور جار ملاحظہ وہ ہے کہ دونوں کے مکان تو الگ ہیں لیکن دونوں کے مکان کی چھتیں باہم پیوست اور متصل ہیں شفعہ کا معاملہ جو حق جار سے تعلق رکھتا ہے اس لئے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے ائمہ دین نے اس میں از حد احتیاط برتی ہے تاکہ کسی حقدار کا حصہ غیر حقدار کو نہ پہنچ جائے۔ جس سے انہیں حد کے رو برو جواب وہ ہونا پڑے۔

اس میں احتیاط کا عالم یہ ہے کہ صحابہ کرام و ائمہ عظام نے جار ملاحظہ کے لئے بھی اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے، چنانچہ امام ابن قدامہ الحنفی میں فرماتے ہیں کہ :

”حضرت عمر و عثمان و عمر بن عبد العزیز و سعید بن مسیب و سلیمان

بن یسار و زہری و یحییٰ النزاری و ابو الزناد و ربیعہ و مغیرہ بن عبد الرحمن

مالک و اسحاق و شافعی و ابو ثور و ابن مسدد (و احمد بن حنبل) رضی

اللہ عنہم صرف دو اشخاص کے لئے حق شفعہ تسلیم کرتے ہیں اور تیسرے یعنی

جار ملاحظہ کے لئے اس حق کو نہیں ملتے جب کہ امام ابن شبرہ و امام

سفیان ثوری و ابن ابی لیلیٰ و اصحاب رائے (احناف) جار ملاحظہ کے

حق شفعہ کو تسلیم کرتے ہیں“ (المنہی جلد ۵ صفحہ ۳۰۹/۳۰۸)

حالانکہ احناف کے نزدیک جار ملاحظہ کے حق میں کئی احادیث بھی بطور دلیل موجود

ہیں لیکن وہ آثار ان ابادیت کو ضعیف قرار دیتے ہیں یا انہیں مبہم اور غیر واضح ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل ٹھہراتے ہیں اور یا ان میں وارد لفظ جار سے مراد شریعت کے لیتے ہیں۔ اگرچہ احناف نے ان آثار کے ان شکوک و توجہات کے اپنے طور پر جوابات بھی دیئے ہیں۔ لیکن تفصیل عمدة القاری شرح صحیح بخاری کی جلد ۱۲ صفحہ ۷۲ تا ۷۷ پر موجود ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے جار ملاصق کے حق شفع میں اماریت موجود ہونے کے باوجود بھی ان آثار کرام نے اپنے نزدیک اس کے بارے میں غیر واضح صورت حال ہونے کی وجہ سے اسے حق شفعہ کا مستحق نہیں ٹھہرایا۔ تاکہ ایک ایسے شخص کا حق جس کا صاحب حق ہونا یقینی نہیں بلکہ شکوک ہے اس میں ارباب اختیار و ارباب شوری کے سامنے ملوث فکر یہ ہے کہ وہ مزاد کو شفعہ کا حق کسی شرعی بنیاد پر دینا گوارا کریں گے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ارباب اختیار و ارباب شوری کے کو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ دیکھنا ہے کہ ظال بات کہیں خلاف شریعت اور اسلامی تقاضوں کے منافی تو نہیں ہے۔ اگرچہ تو اسے دلائل شرعیہ کی روشنی میں اسلام و شریعت کے مطابق بدل ڈالیں لیکن وہ اس بات کے مجاز نہیں کہ اسلام کے ایک متفق علیہ حکم کو اپنی مرضی یا خواہشات کے تابع کر ڈالیں۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حق شفع ایک غیر قیاسی حکم ہے یہ جو قیاس تو یہ ہے کہ ایک شخص اب اس کا مالک ہو گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی تیسرا اس چیز کو اس سے حاصل کرنے کا مجاز نہیں لیکن چونکہ شریعت میں حق شفعہ سے متعلق یہ حکم خلاف قیاس آگیا لہذا اسے اسی مذکورہ ہی تسلیم کیا جائے گا اور جن کو شریعت نے یہ حق دیا ان سے آگے کسی اور شخص کے لئے اس حق کو متجاوز کرنا نہ صرف شریعت سے تجاوز اور حقوق عباد سے کھینچنا ہے بلکہ عقل و قیاس

کے تقاضوں سے اعراض و انحراف بھی ہے۔

اسلام نے کسی کے حق کو ثابت کرنے کے لئے چار راستے متعین کر دیئے ہیں، قرآن مجید سنت رسول اجماع اور قیاس شرعی مزاد کے لئے حق شفعہ کو ثابت کرنے کے لئے چار راستوں میں سے کسی ایک راستہ کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں ہے ہی نہیں بلکہ یہ مسئلہ ہی خلاف قیاس ہے پچانچہ المعنی اور ہدایہ میں ہے۔

”شفعہ اصل و بنیاد (قیاس) کے خلاف ثابت ہو رہا ہے لہذا ایسے ان اشخاص کے سوا جنہیں شریعت نے یہ حق دیا کسی اور کے لئے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔“ حق شفعہ قیاس کے طور پر قبول سے ہٹ کر ہے۔ لہذا یہ حق کسی ایسے شخص کو نہیں دیا جاسکتا جس کا کتاب یا سنت میں کوئی ذکر نہیں۔“

(المعنی جلد ۵ صفحہ ۳۸ و ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸)

آخر میں گزارش ہے کہ شوری کو ایک اسلامی دیا سے منسوب ہونے کی بنا پر کسی ایسے قانون کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہیے جو شرعی و فقہی دلائل سے عاری ہو اور کسی ایسے قانون پر صاف کرنے میں جاوہ تاخیر نہیں کرنی چاہیے جو قرآن و سنت یا اجماع و قیاس شرعی ایسے دلائل سے راستہ ہو۔

ایجاب قبول کے بعد مزاد عین کے ذکر چار

مزادعت کی شرطیں

اور اس کے جواز کی شرطیں آج ہیں۔

میزانین غیر بیع، غیر کام، غیر بیل، غیر کھیر، اور اٹھ شرطیں ہیں۔

نمبر زمین زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو۔ غرض عاقلین کا اہل ہونا کہ معاملہ کرتے والے آؤاد اور بالغ ہوں، ہاں اگر غلام یا لڑکا ہو تو وہ اپنے آفا اور سرپرست سے اجازت یافتہ ہوں۔ غرض نہت زراعت متعین کر لی جائے غرض بیچ کن کی طرف سے ہو گا نمبر ۵ جس کا ذکر آجائے کہ کیا بوسے گا نمبر ۶ حصہ مفرد ہو کہ ہر ایک کو کس قدر ملے گا۔ نمبر ۷ مالک زمین کو کاشت کار کے سپرد کرے۔ صاحب درختدار نے آٹھویں شرط کو شرکت فی الخارج اپیدوار میں مالک زمین اور مزارع دونوں کا شریک ہونا قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بعینہ چھٹی شرط کا احاد ہے اپنا پنچہ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

لَا يَتَعَيَّنُ بِمَعْنَى الشَّرْطِ مُتَعَيَّنٌ مَرَكَبٌ
يَعْنِي بِهٖ أَشْهُوِيں شَرْطٌ لِّبَعْدِ قَادِرٌ هُوَ
لِلْإِسْتِعْنَاءِ بِمَعْنَى مَا شَرَطُوا طَرِيقًا وَهَكَو
قِسْمًا لِّلْعَامِلِ ۱۲۵۶ ص ۶

تو آٹھویں شرط زمین کا معلوم و متعین ہونا ہے کہ یہاں سے وہاں اور ادھر سے ادھر تک جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے (ج ۱ ص ۲۳۶ طبع مہرا) اور حکیم الامت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بہار شریعت میں بھی اسی شرط کا ذکر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو بہار شریعت ج ۱ ص ۱۵) نیز علامہ شامی نے اس شرط کا ذکر کر دیا ہے (۱۲۵۶ ص ۶) کہ زمین کا معلوم ہونا شرط ہے۔

اگر بیچ مالک زمین کی طرف سے طے پایا تو پانچویں شرط ساقط ہو جائے گی کہ جس جنس کا بیچ

افادات و مسائل

مالک زمین دے گا مزارع اس کو بوسے گا۔

یہ مالک مزارع سے کہہ دے کہ جو عرضی آئے بوسے تو بھی جنس کا تعین ضروری نہیں اور شرط یہ جائز نہیں کہ بیج والا پیداوار میں سے بیج اٹھائے گا اور بقیہ پیداوار کی تقسیم کی جائیگی، ہاں یہ جائز ہے کہ پیداوار میں سے پہلے عشر یا نصف عشر نکال جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ غلہ تقسیم ہو گا اور بھوسہ غلہ کے حصہ کے برابر کیا جائے گا یا جس کا بیج اس کا بھوسہ یہ بھی جائز کہ زمین مالک کی اور بیج اور کام اور بیل وغیرہ مزارع کے یا زمین اور بیج مالک کے کام اور بیل (یا ریٹزر) مزارع کے۔

اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کی اہمیت

نظام میں تو جو سب انسانی کے مخصوص عزائم کو پروان چڑھانے کے لئے مالک مزارع زمیندار و کسان وغیرہم کے درمیان طبقاتی منافرت پھیلا کر انسانی قدروں کو پامال اور نبی آدم کے خون کو انتہائی اوزاں کیا جاتا ہے، لیکن اسلام ایک ایسا عاقلانہ نظام معیشت ہے جس کی بنا مخلوق خدا کے درمیان ہر طرح کی باہمی منافرت و طبقاتیت کو ختم کر کے ان میں اخوت و الفت پیدا کرنے پر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھیتی کو لگانے کی نسبت اپنی طرف کر کے جہاں زراعت کے پیشہ کو نظام مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت میں بڑی اہمیت بخشی ہے وہاں جتنی طور پر کاشت کار کی عزت افزائی بھی فرمائی، ارشاد ہے:

اَفَرَأَيْتُمْ مَا يُخْرَجُونَ اَنْتُمْ
تَمْرَعُونَ اَمْ نَخْنَعُكُمْ اَمْ نَارِجُونَ (واقعا)

تم جو بوسے ہو کیا اسے تم نے دیکھا کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں

کاشت کاری پیشہ حضرت آدم علیہ السلام

امام ابن حجر عسقلانی
فتح الباری میں فرماتے

ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مستدرک امام حاکم میں مروی ہے کہ
نزلت آدم علیہ السلام کا پیشہ کاشت کاری حضرت نوح کا بڑھتی حضرت ادیس
کا روزی اور حضرت موسیٰ کا بکریاں چرانا تھا (رج ۳ ص ۲۵۹)

اس حدیث کا ایک تودہ کاشت کاری (ہاتھ کی کمائی) کی فیصدت ثابت ہوتی ہے۔
دوسریہ کہ کاشت کاری ایک ایسا مقدس پیشہ ہے جسے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام
نے اختیار فرمایا اور اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں جسے امام ابو داؤد نے اپنی مراسیل میں امام زین العابدین سے روایت کیا ہے۔

إِخْرَجُوا أَفْئِدَتِ الْغُرَثِ مُبَارَكًا
یعنی زمین میں کھیتی باڑی کے لیے
بل چلاؤ کہ بل چلانا بابرکت ہے اور

(المجمیع الصغیر ج ۱ ص ۶۳)

اس میں فرمایا گیا ہے کہ کھیتی باڑی کرو اور بل چلاؤ کیونکہ کھیتی باڑی کا کام
نہایت اور اس میں بیج بکثرت ڈالو بلکہ بیج مت ڈالو یا سردی سے کہ نظر بہ
اور پرندوں سے حفاظت کے لیے کھیتی باڑی پر بکثرت ہنڈیاں لٹکاؤ ہنڈیاں
نے کیا اثر کیلئے نہیں بلکہ امرارشادی ہے ملاحظہ ہو سراج سنیر شرح الجامع
(الصغیر ج ۱ ص ۶۴)

بیج بخاری کے باب فصل الزرع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”جو شخص درخت بوتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند
انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں
صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے (بخاری ج ۱ ص
نمبر ۳۵۲ معتبائی)

اس کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ
ہے کہ کسی نے درخت لگائے، اگرچہ حصول ثواب کی نیت اس کے دل و دماغ
میں مستحضر نہ تھی، یہاں تک کہ اگر اس نے درخت لگا کر اسے فروخت کر دیا یا اس
نے کاشت کی اور اسے فروخت کر دیا، پھر بھی اس کا یہ عمل اس کے لئے صدقہ ہوگا کہ
اس کا یہ عمل مخلوق خدا کی روزی میں اضافہ کا باعث بنا (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۵)
نیز فرماتے ہیں۔

رَبِيعُ الْمُحَسَّنِ عَلَى عِمَارَةِ الْإِزْمَنِ
کہ اس حدیث میں زمین کو اپنے اور
نَفْسِهِ وَلِئِنْ يَأْتِي بَعْدُ
بعد میں آنے والوں کے لیے اور بخواتین
عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۶

سریہ سبزہ کے کھڑے ہو کے کہا تم میں نے
غنچہ گل کر دیا و تو تبسم میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بل چلایا
چلانا ایک ایسا بابرکت

کام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بر نفس نفیس شرف بخشا پنا پیچہ امام
شمس الدین ترمذی المعروف بشمس الائمہ علیہ الرحمۃ کتاب المبسوط میں فرماتے ہیں:

اَوَّلُ مَنْ فَعَلَهُ آدَمُ صَلَوَاتُ
اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ
رُوحِیْ اَنَّهُ لَمَّا اُحْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ
أَمَّا جِبْرِیلُ یَحْبِطُهُ وَآمَرَ
بِالزَّعَاعِیَةِ وَازْدَفَ رُوحَ رَسُولِ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَرَفِ
وَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ الْمَزَارِعُ
یَتَجَرَّرُ بِهَا عَرْقُ وَجَلِّ (المبسوط ج ۱ ص ۱۰۸)

کرتے پہلے حضرت آدم علیہ السلام
نے جسکی باری کا کام کیا۔ بنا برآں کہ مری
ہے کہ آپ جب زمین پر اتارے گئے تو
حضرت جبریل آپکی خدمت میں گد م لائے اور
اسے زمین میں بونے کا امر کیا اور حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے تمام جرف میں یہ نفس نفیس
کاشت فرمائی اور فرمایا کہ کاشت کا رُخ
سے تجارت کرتا ہے۔

کمانی کے تین اصول

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری میں
امام المادری سے نقل ہیں، انہوں نے

فرمایا کہ کمانی کے تین اصول ہیں :

زراعت تجارت اور صنعت (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۲۵) امام المادری
علیہ الرحمۃ نے تینوں میں زراعت کو اولیت دیکر اسے سرفہرست رکھا ہے۔

مفسر اسلام مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ معاشیات کے بنیادی
مسائل میں زراعت کو بہت ہی اہمیت دیتے ہوئے اپنی مشہور کتاب حجتہ اللہ الباقیہ
میں فرماتے ہیں۔

وَاعْلَمُوا أَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ عَشْرَةٌ
أَوْ فَرَادَىٰ مِثْلًا فِي بَلَدَةٍ
فَالْبَيَاسَةُ الْمَذْنِيَّةُ تَسْبِغُ
بِغِلَابِهَا كَمَا تَسْبِغُ بِغِلَابِهَا
بَعْضُ النَّاسِ مِثْلًا فِي بَلَدَةٍ
بِغِلَابِهَا كَمَا تَسْبِغُ بِغِلَابِهَا

یعنی جب کسی شہر میں مثلاً دس ہزار
لوگ رہتے ہوں تو بیاسیت مدینہ ان کے
اسباب معاش سے بخت کرتی ہے تو اگر

عَنْ مَسَايِلِهِمْ فَإِنَّ كَلَامَهُمْ
الْمَشْيُورِينَ بِالْمَشْيُورِينَ وَبِالسَّيَةِ
الْبَسَلَةِ وَوَالْقَلِيلِ مِنْهُمْ مَكْتَبِينَ
بِالْمَرْحَى وَالْمَرْحَى فَسَدَ حَالُهُمْ
فِي الدُّنْيَا - (ج ۲ ص ۱۰۵)

ان میں سے اکثر صنعت کاری اور شہری
بیاسیت میں مصروف اور ان میں سے
تھوڑے زراعت و جانوروں کی حفاظت
میں مشغول ہوں، تو دنیا میں تباہ و برباد
ہو جائیں گے۔

یعنی زراعت کی معیشت میں ریشہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر یہ کمزور ہے
اور دنیا دل و دماغ کی فراوانی بھی نہیں کران سے تلافی و تدارک ہو سکے تو وہاں کے
لوگ ترقی کی بجائے سوا رنحطاط و زوال ہوں گے اور ان کی حالت نہیں سدھر سکے
گی اگر ملک کے اکثر باشندے زراعت پیشہ ہوں اور تمام زرعی سہولتوں سے مالا مال ہو
کر محنت شاق سے کام لیں تو زمین سے وہ بکثرت غاہر ہوں کہ ہمارے زراعت
پیشہ بھائی ان کا تصور بھی نہ کر سکیں۔

دھچکاں اگر نہ ہوں تن آساں

ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ

غافل منشیں نہ وقت بازی بست

وقت ہنر بست و کار سازی بست

اس حدیث کی توجیہ کہ بل ذلت کا باعث ہے
سے ثابت

ہوا کہ اسلام کے نظام معیشت میں زراعت کو نہایت ہی اہمیت حاصل ہے لیکن
صحیح بخاری کی کتاب المزارعہ میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے :

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فَمَنْ لَمْ يَحُلْ هَذَا آيَتِ قَوْمٍ إِلَّا دَخَلَهُ اللَّهُ الذِّلَّ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۲)

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے دل اور کھیتی کے دوسرے آلات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل ہو اس گھر میں خداوند کو داخل کرے گا۔

علماء محققین نے اس حدیث کی کسی ایک توجیہات فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ دل اور دیگر آلات زراعت کھیتی باڑی میں استعمال کرنے کے لئے ہیں لیکن اس کے برعکس جو قوم انہیں اپنے گھروں میں رکھ چھوڑے یعنی کھیتی باڑی کا کام ترک کرنے تو ان کے وسائل رزق میں کمی آجائے گی جس کے نتیجے میں وہ بھوک افلاس کی وجہ سے ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری توجیہ وہ ہے جو امام سرہنشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ إِذَا اشْتَغَلُوا بِالزَّوْاعِظِ وَاتَّبَعُوا أَذْنَ نَابٍ لَيَقْرَ وَتَعْدُوا عَنِ الْجَمَادِ كَرَمَلِيَسْمُ جَدُّهُمْ فَيَعْلَمُ أَذْلَهُ (کتاب البسوط ج ۱ ص ۸۳ سطر ۲۰-۲۱)

جب مسلمان سرکے سب زراعت میں مشغول ہوں اور بیلوں کے دم کے پیچھے پیچھے پھریں اور جہاد ترک کریں تو دشمن ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل کر دے گا۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زراعت کے فضائل بہت سے بیان فرمائے۔ اندیشہ تھا کہ کہیں ان فضائل کے

پیش نظر سب مسلمان زراعت و کھیتی کے کام میں مشغول ہو کر جہاد ایسی انتہائی اہم دینی ذمہ داری کو فراموش کر دیں اور دشمن کے ساتھ لڑنے کے فن سے بے بہرہ ہو جائیں اور دشمن اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کر دے اس لئے یہ ارشاد گرامی صادر فرمایا۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے یعنی يَابُ مَا يَخَذُ مِنْ مَوَاقِبِ الشُّغْلِ بِاللَّهْ التَّوْبِ أَوْ مَجَاوِزَةِ الْعَدَاةِ الَّذِي يُعْرِضُ بِهٖ بِعْنِ الزَّعَاوِثِ اٰهْلٍ وَغَيْرِهٖ سٓ سراسر مشغول مجزے اور زراعت میں مشغول ہونے کی مطلوبہ حد سے تجاوز کرنے کے انجام سے ڈرنے کے بیان میں : یہ بھی اسی توجیہ کی تائید کرتا ہے جو امام سرہنشی علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے امام بدر الملک والدرین عینی علیہ الرحمۃ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں داؤدی سے یہ توجیہ نقل کی ہے (بخوف طوالت ترجمہ عرض ہے)

یہ ارشاد نبوی ان حضرت سکتے ہیں جو دشمنوں کی حسدوں کے قریب ہیں اس لیے وہ اگر کھیتی باڑی میں لگ کر جنگی فنون و تہجرات کو نظر انداز کر دیں تو دشمن ان پر حملہ کر دے گا لیکن سب سے بڑا فائدہ لوگوں کے لیے زراعت کا کام ہی بہتر و مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تم حسب استطاعت دشمن کے مقابلہ کی تیاری کر دو اور یہ زراعت کے ساتھ ہی قائم ہے اور جو لوگ نہر حد پر یا دشمن کے قریب ہیں وہ کھیتی باڑی نہیں کر سکتے ذکر انہیں جنگی فنون سیکھنا اور تہجرات کرنا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ ضروریات زندگی میں ان کی مدد

حدیث مذکور کا پس منظر

کرتے ہیں (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۱۵۴)

نیز اس توجہ سے بھی اس حدیث سے بھی صراحت تاہم ہو جاتی ہے جسے امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ :

إِذَا خَصَّنَ النَّاسَ بِالْأَدْبَارِ وَاللَّهْم
وَشَيْئًا يَتَوَّابًا لَعْنَتُهُ وَأَذْنَابُ
الْبَقَرِ وَتَرَكَكُمْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أَذْخَلَ اللَّهُ تَعَالَى
عَلَيْهِمْ ذُلًّا لَا يَرْفَعُ عَنْهُمْ
حَتَّى يُرَاجِعُوا دِينَهُمْ (المجمع)
یعنی جب لوگ راہ خدا میں دنیا و
درہم خرچ کرنے میں بخل کرنے لگیں اور
ایک چیز میں ہنگاموں بیچ کر اس شخص
سے سستے داموں واپس خرید لیں اور
جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر کے کھیتی
باڑی کے شوق میں بیویوں کی دُم کپڑے
لیں خدا انہیں ذلت میں مبتلا کرے گا
اور ان سے اس وقت تک ذلت نہ اٹھائے گا جب تک وہ اپنے دین کی طرف
ترتوب نہیں گئے۔

غرضیکہ حدیث مذکورہ کا ایک پس منظر ہے جسے ملحوظ رکھنے سے بل ایابلی سے دیگر
آلات سے متعلق ارشاد نبوت کا عقدہ باقی نہیں رہتا اور اس علم و آگاہی کے
رازدان تو علماء کرام ہی ہیں، جب تک شریعت کے رازدانوں کے حضور ذلت
سوال نہ پھیلایں گے اس وقت تک علم کی ایسی باریک گتھیاں نہیں سلجھیں گی۔

ہم اپنی درود مندی کا فائدہ

مستفاد کرتے ہیں اپنے رازدان سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر
دینا کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے

کی خبر دی ہے کہ کسانوں پر ظلم ہوں گے اور حدیث مذکورہ آپ کی اسی پیش گوئی
پر معمول ہے، چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فتح الباری شرح بخاری میں
ابن تین سے نقل ہیں :

هَذَا مِنْ أَحْبَابِ رَسُولِ اللَّهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُتَعَبَاتِ الشَّاهِدَةِ
أَنَّ أَتَى النَّاسَ ظُلْمًا إِنَّمَا هُوَ عَلَى
أَهْلِ الْمَشْرِقِ (فتح الباری ج ۵ ص ۱۷۵)
یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر
ہے کہ آج شاہدہ ہو رہا ہے کہ سب
زیادہ ظلم کسانوں پر ہو رہے ہیں۔

اور امام بدر الملتہ والبدین عیسیٰ القاری اور امام عسقلانی ارشاد الباری
شرح بخاری میں امام ابن بطل سے نقل ہیں :

فِي الْحَبِيثِ عَلَامَةُ النُّبُوَّةِ
قَالَ ابْنُ بَطَّالٍ وَذَلِكَ أَنَّهُ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ أَنَّ شَيْئًا قَاتِي
أَخْرَافَ النَّاسِ يَجْعُدُونَ فِي أَحْسَنِ
الْمَصَدَقَاتِ وَالْعُشُورِ بِمَا خَدُّوهُ أَكْثَرَ
مِمَّا يَجِبُ لَهُمْ لِأَنَّهُ ذُلٌّ لِبَعْضِ أَخِيذِ
مُسْلِمٍ يَغِيرُ النَّاسَ إِسْتَهْوَ قُلْتُ
یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر
اوپیش گوئی ہے اور یہ اس لئے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آخری
زمانے میں ایسے جاگیردار پیدا ہوں گے جو
عشر و زکوٰۃ کی وصولی میں کسانوں پر ظلم
کریں گے اور حتیٰ شریعت سے زیادہ وصول

قُوَّةُ الْإِذْلِ وَكَثْرَتُهُ فِي الزَّأْوِ عَيْنٍ
فِي الرُّاحِ مَصْرَفَاتٍ أَصْحَابِ الْإِطْلَاقِ
يَسْلُطُونَ عَلَيْهِمْ وَيَخْذُونَ مِنْهُمْ
فَوْقَ مَا عَلَيْهِمْ بِضَرْبٍ وَحَبَسٍ
وَيَهْدِيهِمْ بِالْبَيْغِ وَيَجْعَلُونَ لَهُمْ
كَامُغْبِيَةِ الْمُشْرِكِينَ فَلَا يَتَّقُونَ
مِنْهُمْ فَإِذَا أَمَاتُوا لَمْ يَنْفَعِهِمْ
يُضَيِّقُونَ ذَلِكَهُ عَوْنُهُ بِالْغَنَصِ
وَالظُّلْمُ غَالِبٌ مَا تَرَكَ وَيَخْرِمُونَ
وَوَسَّاهُ (عمدة القاری شرح بخاری
ج ۳ ص ۱۷۲) (ارشاد افسادی
شرح بخاری ج ۳ ص ۱۷۲)

کریں گے کہ اس میں کسانوں کی ناحق توہین
ہے میں (علامہ مینی) کہتا ہوں کہ سب
زیادہ مصر کے جاگیردار کسانوں کی تدبیر و
توہین کرتے ہیں ان پر مسلط ہیں ان کی ٹاپیٹ
کر کے انہیں قید کرتے اور ان سے سختی شری
سے زیادہ وصول کرتے ہیں اور زر خرید تلافیوں
کا سالانہ سلوک کرتے ہیں بیچارے
کسان ان سے ہاتھی نہیں پاتے پھر جب
کوئی کسان مرجا تا ہے تو جاگیر دار وہی ملوک
ان کے بچوں سے کرتے ہیں اور ان کے
باپ کی اکثر جاگیر اور پناہ خانہ قبضہ کر کے
انہیں ارث کے حق سے محروم کر دیتے
ہیں۔

یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ ملکی معیشت کاشت کار کی مروجہ منت
جو، لیکن ایک مخصوص طبقہ استیصال کا نشانہ بھی نہیں بناتے
وائے ناما کامی ٹھاکے تاک کہ توڑ لائے
میں بنے جس ڈالی کو ٹاڑا اشیائے کے لئے

کسانوں پر ٹیکسٹوں اور کمیونسٹوں کے ہیمنہ نظام
کسانوں پر

اشتراکیوں نے جو مظالم ڈھائے۔ ان کی داستان نہایت درونگاہ اور رزہ خیز
ہے چنانچہ لیٹن نے ۲۵ فروری ۱۹۱۷ء کو ایک پمخت تقسیم کر دیا کہ بڑی بڑی
زمینداریاں ختم کر کے زمین بے زمین کسانوں میں بانٹ دی جائیگی پھر دو ماہ بعد
اپریل ۱۹۱۷ء میں لیٹن نے تمام زمینوں کو قومیلے کا اعلان کر دیا اور یہ اعلان
گول مول تھا۔

چھوٹے درجے کے کسانوں کو بڑے زمینداروں سے لڑا دیا۔ آخر بڑے اور
متوسط درجے کے زمینداروں میں بھیجان پیدا ہوا، تحریکیں چلیں۔ مارچ ۱۹۱۷ء
اور جون ۱۹۱۷ء تک درمیانی عرصہ میں کسانوں کی سترہ تحریکوں کو بڑی سفاکی اور
خوہشمنی کے ساتھ دبا دیا گیا اور ان پر جو مظالم ڈھائے گئے اس کی داستان کو قلم
بچھنے سے قاصر ہے جب بڑی بڑی اور متوسط درجے کی زمینداروں کو ختم کر دیا گیا
تو اب چھوٹی چھوٹی زمینداروں کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا آخر ۱۹۳۰ء تک ایک
کسان بھی ایسا نہ چھوڑا گیا جس کے پاس ایک انچ بھی زمین ہو ایک فرانسیسی مصنف
اپنی تصنیف (THE REBEL) میں لکھتا ہے کہ اس تعداد میں پچاس لاکھ انسان
قتل ہوئے۔ اہل اشتراکیت کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانوں سے جذبات اخوت
ہمدردی ختم کر کے انہیں کسی ایک طبقات میں تقسیم کر کے آپس میں لڑا دیتے ہیں
نتیجے میں لوگ ہلاک ہو گئے اور جو باقی بچے ان کا حکومت خود ہی صفایا کر دیتی ہے
بیچارے کسانوں کو عشق اشتراکیت کا یہی انعام ملا کرتا ہے لیکن بیچارے
کسان ہیں کہ اپنی سادگی کی بنا پر ٹیکسٹوں کے دام فریب میں آ جاتے ہیں
تیرے عشق کی انتہا پاتے ہوں! مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں!

اشتراکی اور سوشلسٹ ملکوں میں مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ سلوک

ان کے ساتھ بھی وہی سلوک
دوارکھا جاتا ہے جو ایک بے زبان
جانور کے ساتھ دوارکھا جاتا ہے

جب کہ اسلام کا معاشرتی نظام مزدوروں اور کسانوں کو ایک مقدس و حلال رزق کا
سبب تصور کر کے معاشرے میں اس کا احترام پیدا کرتا ہے لیکن اشتراکیوں نے
اجتماعی اور قومی مصالحوں کے نام پر مزدوروں پر ایسی قیود و پابندیاں اور سختیاں
عائد کر دیں کہ بیچارے مزدور انسانیت کے مقام سے گر کر کوہو کے بل بنا دیئے گئے
ان کی قوت سے بڑھ کر کام لینا احتجاج کرنے کے حق سے محروم کرنا اور ان کی
عورتوں اور بچوں کے مشقت لینا اور اس کے بدلے کوئی کے چند ٹکڑے اور موٹا
کپڑا اور رہائشی کیمپ میں تنگ سی جگہ دینا کہ جہاں غسل خانے تک مشترک ہیں جن
میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا ہونا پڑے۔ پھر بھی حسبِ خواہش بنانے کی آزادی
تک میسر نہیں۔ اشتراکیت کی بدولت بیچارے مزدوروں کے حصہ میں بھی عنایتیں
ہیں اور بس اور انفسوس یہ ہے کہ ان عنایات کے خلاف جو کسان و مزدور اواز
بلند کرے اور اسے باغی قرار دیکر چند منٹوں میں گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی

بڑا بے ادب ہوں سزا پاتا ہوں

اگر ان حقائق کو ملاحظہ کرنا ہو تو چین اور روس کا غیر سرکاری طور پر دورہ کر کے دیکھیں
جو سرکاری مہمان وہاں جاتے ہیں وہ وہاں کی حکومت کے مطابق ہوتا ہے وہاں کھانا
یتیم میں جن میں مصنوعی طور پر سب کو خوشحال دکھایا جاتا ہے جیسے مشرق

کے سانچے میں ہمارے فوجی قیدی جب ہندوستان کی قید میں تھے تو وہاں کی حکومت
ان کے بیانات ریڈیو سے نشر کرتی کہ ہمیں بڑے آرام سے رکھا جاتا ہے۔ ہمیں کسی
طرح کی کوئی تکلیف نہیں ہے ہم ایسے رہتے ہیں جیسے گھر میں ہوں، عانا کمرہ واپسی
کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ حکومت انڈیا کے کئے گئے سلوک کی جو داستانیں سنائیں
اس سے سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

محنت کشوں کے متعلق اسلام کی روح پر رہنمائی

اور مزدور کے ساتھ اسلام جو مشفقانہ سلوک دوارکھنے کے احکام صادر فرماتا ہے
ان سے ایک عام مزدور صنعت کار اور مالک ادارہ کے سربراہ کے ساتھ برابر
عزت و وقار کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے :

حضرت معمر در فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوذر سے مقام پر ملا تو میں نے دیکھا کہ
انہوں نے ایک ازار اور چادر زیب تن فرما رکھی تھی اور ان کے غلام نے بھی اس
طرح کا لباس پہن رکھا تھا (آقا اور غلام کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا) تو میں نے
حضرت ابوذر سے اس کی وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے
غلام کو سوخت کلمہ کہہ دیا (کالی عورت کے بیٹے کہہ کر پکارا تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے ابوذر!
تم نے اسے مال کے کالے رنگ کی عمارت دلائی ہے تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی
نہیں پھیر فرمایا :

یہ اللہ انکے جو کلمہ کہہ جائے

یعنی تمہارا رتبہ تخت کام کر رہا ہے

اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ
اَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَكُنْ
وَلْيَلْبَسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْفُرُوهُمْ
مَا يَخْلِفُ لَهُمْ فَاِنْ كَفَرْتُمْ لَهُمْ فَاِ
عَيْشُوهُمْ - (صحيح البخاري)

تہا رہے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں
تہا رہے تخت بنا دیا ہے تو جس کا بھائی
اس کے ماتحت کام کرتا ہے اسے ہی کھلا
جو خود کھاتے وہی پہنا سے جو خود پہنے
انہیں ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ بناؤ
اور اگر بناؤ تو ان کی امداد و اعانت کرو

یہ ہدایت مبارکہ معاشرہ میں مزدور کو ایک باوقار مقام عطا کرنے کے ساتھ
ساتھ لے کر ہمارا اصول بھی پیش کرتی ہے جنہیں عمل میں لانے سے وہ تمام مفاسد
اور خرابیاں بیکسر ختم ہو جاتی ہیں جو آج معاشرتی بے چینی کا باعث بنی ہوئی ہیں
یہ وہ اصول ہیں جنہیں محدثین و ائمہ اسلام نے اس حدیث سے اخذ کئے ہیں :
چنانچہ امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : بخلاف طلالت عربی
کے بجائے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے :

اسلام کے نظام معیشت و معاشرے متعلق اہم ہدایات و اصول :

اول : یہ کہ اپنے ماتحت کو ایسا کلمہ کہنا ممنوع جس سے اس کی عزت
انسانی میں فرق آتا ہو اور ایسی بات بھی کرنا منع ہے جس سے ایک کی برتری کے ساتھ
دوسرے کی تحقیر لازم آتی ہے بلکہ اس کے برعکس ماتحت کے ساتھ احسان و شفقت
سے بھرپور برتاؤ کیا جائے۔ پھر عید کا ایک وسیع مفہوم ہے (ماتحت خواہ وہ مزدور
مہر یا خادم و نوکر اور کمزور و ضعیف ہو اور اسی طرح جانوروں کو بھی بڑا بھلا کہنا
اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ دلانا منع ہے۔

دوم : ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس امداد سے اپنا ترغیب اور برتری
نہ جھلاتے کہ اس سے دوسرے کی تadelیل و تحقیر لازم آتی ہو۔ اگرچہ وہ غلام و نوکر اور
مزدور کیوں نہ ہو کہ برتری کی بنا پر کارخانہ داری یا صنعت کاری و زمینداری
نہیں بلکہ لغوی و پرہیزگاری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ
اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ
یہ امر بھی لائق تحسین و ثواب و راز جملہ آداب ہے کہ ایک
نوکر کا کھانا پینا بھی یکساں ہو عجب کھانے اور پہننے میں یکسانیت اسلام کے نزدیک
محبوب و مرغوب ہے تو رہائش و سکونت میں کیوں نہ ہوگی لہذا اسلامی آداب و اخلاق
عالیہ کا تقاضا ہے کہ رہنے کی سہولت بھی یکساں ہو۔ آج کے غیر عادلانہ سرمایہ دارانہ
اور سوشلسٹ : اشتراکیت کے سپہیانہ نظام میں جو معاشی و رہائشی تفاوت ہے اسے
اسلام پسند یعنی نیکو نگاہ سے نہیں دیکھنا کہ کوئی تو اعلیٰ و عمدہ اور ایک ایک مربع کے
ایک کنڈیشنڈ چنگوں اور تغریح گاہوں سے لطف اندوز ہوں اور ان کے علاوہ انہیں
گھر کے باہر دفاتر میں بھی بے پناہ سہولتیں میسر ہوں اور کسی کے ٹکٹ یا ایک کمرے
بھی مشکل سے ہوں اور نہ ہی انہیں بوقت چنگوں سے پسینہ سکھانے کی سہولت میسر
ہو اور حدیث میں ہے کہ جو شخص رہائش کے لئے مزدوریت سے زیادہ زمین چیرے گا قیامت
کے روز وہ اس کے سر پر رکھی جائیگا

چہارم : جنہیں طاقت سے آمد کام نہ بتایا جلتے اور نہ ہی ان سے
اس قدر تسلسل سے کام لیا جائے کہ وہ ٹھک کر چور چور ہو جائیں۔

لَا تَأْتِي النَّفْسُ لِلتَّعَرُّفِ بِمَا فِيهَا خُفٍّ كَمَا حَدِيثٌ فِيهِ وَادْعُ عَمَلُكَ بِالْإِتْقَانِ حَرِيمٌ
کے لئے ۔

پہنچیم : اگر انہیں طاقت سے زائد یا تھکا دینے والے تسلسل کے ساتھ کام
بتاؤ تو جسمانی یا مزید مالی یا دوسری قسم کی امداد کروا دو گویا دوسری اوقات میں اگر قصد
سے زیادہ کام بتاؤ تو اپنے یا دوسرے معاونین کے ذریعے سے اور دوسرے کام کی صورت
میں مالی لحاظ سے ان کی مزید امداد کرو جو معمول سے زائد ہو تو بہتر ہے ورنہ کسی
صورت میں کم نہ ہو ۔

ششم : سرمایہ اپنے نوکر مزدور اور خادم کو اپنا بھائی سمجھے اور ایک بھائی
کے دوسرے بھائی کے ساتھ کاموں کو کرے وغیرہ وغیرہ ۔

الحاشیہ جو عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۱ ص ۸۰۸-۸۰۹

اسلام کے معاشی نظام کی یہ ہدایت نہری حروف سے لکھ لینے کے قابل ہے کہ
لَا تَكْفُرُوا لَهُمْ مِمَّا يَفْعَلُونَ فَأَنْتُمْ قَائِلُونَ كُنْتُمْ مَوَدَّعِينَ لَهُمْ فَاَعْبَدُوهُمْ ۝ یعنی کارکنوں
کو ان کی طاقت سے زائد کام نہ بتاؤ اگر بتاؤ تو ان کی امداد ضروری ہے ۔ گویا
پیداوار بڑھانے کے شوق میں کارکن اور محنت کش کے کام و محنت میں اضافہ کرنیکی
اجازت نہیں ہے ہاں اگر ایسا کرنا ہے تو اس کی رضا اور رغبت سے کردا دے
مزید مالی اعانت سے خوش کرو ۔

محنت کش کی مزدوری جلدی ادا کرو | امام ابن ماجہ اپنی سنن
میں حضرت ابن عمر امام
ابو بکر اپنی سند میں حضرت ابو ہریرہ امام طبرانی اپنی اس میں حضرت جابر اور امام

حکیم ترمذی نوادہ حضرت انس سے روایت ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا :

أَعْمَلُوا الصَّيَاغَةَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ
يَجُفَّ عَرَقُهَا (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۲۱) کے پسینے کے خشک ہونے سے پہلے ادا کرو
مطلب یہ ہے کہ محنت کش کو اس کے کام سے فارغ ہونے کے بعد بلا تاخیر معاوضہ
ادا کرو ۔ خواہ اسے پسینہ آیا ہی نہ ہو یا آجئے کئے بعد ابھی تک خشک ہو اسراج منیر و
حاشیہ شیخ الاسلام الحنفی ج ۱ ص ۲۳۳ اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ روز قیامت
میں انہی شخص کا دشمن ہوں گا جس نے مزدور سے کام لیا ہو اور اس کی اجرت
نہ دی ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۰ کتاب الاجازۃ عن ابی ہریرۃ)

ان تمام نصوص میں بلا تاخیر حقوق العباد کی ادائیگی کا درس ہے بلکہ ان
محنت کشوں کی ہر ممکن طریقے سے ڈل جوتی اور حوصلہ افزائی کا سبق ہے جن پر پیداوار کے
انصاف کا دارومدار ہے ۔ ظاہر ہے کہ محنت کش خوش ہوں گے تو دل جمعی اور دلچسپی
سے کام بھی کریں گے ۔

قرآن کریم کے ارشاد یَسْلُكُونَكَ
هَذَا أَيُّفَعْلُونَ قُلِ اتَّقُوا اللَّهَ

مزدوروں کا منافع میں حصہ

خرچ کریں فرما دیجیئے اپنے مالوں کے فاضل حصہ کو ۔

ازالہ شبہ | اگر آیت مذکورہ کے منور ہوئے کا تبہ ہو جیسا کہ بعض
مفسرین سمجھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح یہی
ہے کہ یہ آیت منور نہیں ہے ۔ آیت زکوٰۃ اس کے لیے ناسخ نہیں بلکہ آیت

زکوٰۃ کا صدقہ واجبہ سے تعلق ہے اور اس آیت کا صدقہ نافذ ہے۔ امام ابن جریر
تفسیر طبری میں فرماتے ہیں :

بَلَا مُشَبَّهَةٌ الْعَقُوۡۤیْرِ
یعنی اس آیت کا حکم باقی ہے
مُسَوِّیَاتٍ (ج ۲ ص ۲۱۵)

اس آیت کو مزدوروں کے لئے صفت کے منافع میں حصہ کی دلیل بھی قرار دیا
جاسکتا ہے بہر صورت قرآن کریم میں دار و جامع الفاظ اپنی معنوی و مستقل کے
اعتبار سے اس نئی تفسیر کے بھی متحمل ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ آج کے حالات چونکہ پہلے
سے ہی غلہ اعلیٰم و خیر کے علم میں تھے اور اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس
میں محنت کشوں کے مسائل پیدا ہوں گے اور اسلام ایک ہم گیر اور ابدی دین ہے
تو مسلمان محنت کش اسلام سے امیری کے طلب گار ہوں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے
زکوٰۃ عشر کے حکم کو اپنے ارشاد و اتوالا صلوٰۃ اور والاتحاق لیسر حصہ
میں علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر ”العفو“ کی شق بھی رکھ دی اور ”العفو“ کا ذکر
قرآن میں صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں دیا ہوا۔ اتفاق فی سبیل اللہ خدا
کی راہ میں خرچ کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ واجب ضروری کہ اس کے ترک پر گناہ و
عذاب کا مستوجب ہو۔ یہ زکوٰۃ و عشر پر جادنی آتا ہے۔ دوسرا مستحب کہ اس کے ترک
پر گناہ و عذاب کا موجب تو نہیں لیکن وہ باہمی تعاون و ہمدردی و اخوت اور
اخلاقی قدروں کی عبادت و عظمت و شرافت انسانی کی نشانی ضرور ہے اور ”العفو“
اسی سے عبادت ہے جہاں کمال اتفاق واجب یعنی زکوٰۃ و عشر کا تعلق ہے اس کے
لئے احوال بھی متعین ہیں اور انصاف بھی! لہذا یہ بات واضح ہے کہ صحابہ کرام کا ماذا

یہ فقہوں سے اتفاق کے بارے میں سوال اتفاق واجب کے علاوہ کسی اور اتفاق سے
متعلق ہوگا اور وہ اتفاق مستحب ہے یعنی باہمی تعاون و ہمدردی کی بنیاد پر نہاگا
ایشیاء جو انسانی قدروں کی ترقی کا ذریعہ ہے اور وسعت ظرفی کا ثبوت بھی جو شرافت
انسانی کا ایک لازمہ ہے اور مزدوروں کے لئے یوش وغیرہ کی بنیاد اسی حقیقت
پر مبنی ہے ”جو العفو“ میں مضمر ہے۔ علاوہ ازیں سرمایہ دار اور محنت کش کے
درمیان جو گہرا رابطہ و تعلق ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے مستغنی نہیں اس
کی اہمیت بھی اس بات کی مقتضی ہے کہ سرمایہ دار مقررہ تنخواہ اور مزدوری کے علاوہ
بھی مزدور و اجیر کے ساتھ وقتاً فوقتاً آسان و روا داری کا برتاؤ کرتا ہے جو پیداوار
منافع میں سے شتاہی باسالانہ یوش کی صورت میں ادا کیا جائے جسے اسلامی معیشت
میں ایک کریمانہ اور فیاضانہ معاشرت یاہمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس سے بڑا فائدہ
یہ ہوگا کہ مزدور میں ایک مزدور کی حیثیت سے بڑھ کر سرمایہ دار کے حق میں ایک تیار و
کارکن ہونے کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہی جذبہ اسے دیانت و محنت پر مزید ابھارتا
گا اور محنت ہی پیداوار میں ترقی اور اضافے کا باعث ہے۔
بے محنت یا بے یوش کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررتیشہ سے ہے غامہ فرماؤ

زمیندار اور کسان کا مسئلہ
اسی طرح اسلام کے نظام معیشت
نے کسان کو وہ مقام نبھا ہے
جس کی مثال اسلام کے سوا دنیا کے کسی ازم میں نہیں ملے گی۔ زراعت و کھیتی
باڑی سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشاد اہانت عالیہ کی طور

پر کافی ہیں جو گزشتہ سطور میں مذکور ہوئے۔

کاشت کار اور زمیندار کا صحیح مقام

یہیں اس بات کا انوس
ہے کہ کسان و مزارع اور

زمیندار کو جو محنت کر کے زمین آباد کرتا ہے اور زراعت کی مدد سے ملک کی معیشت کے استحکام میں مدد دیتا ہے اس کا جائز مقام نہیں ملا۔ اسلامی معاشرے میں وہ حد احترام و تعظیم کا مستحق ہے کیونکہ پوری قوم بلکہ بڑے بڑے بادشاہ کا منہ بھی اس کی لکائی کھاتے ہیں۔

اس کے نعمت خانے کی ہر چیز بے ناگہانی ہوتی

ہیئے والا کون ہے؟ مرد خرب سبے نوا

کاشت کار اور زمیندار کے درمیان جو حاکم و محکوم کا غیر عادلانہ سلسلہ قائم ہے اسلام کے نظام معیشت میں وہ سراسر غلط اور ظلم و زیادتی ہے۔ کیونکہ اس میں زمیندار ایک قاصد حاکم اور کاشت کار ایک غلام و محکوم نظر آتا ہے۔

لیکن اسلام کا کاشتکاروں
زمیندار اور کاشت کار برابر کے کا رہا رہی ہیں

اگر اس نے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان ایک ایسا مقدس اور پرہیزگار تصور قائم کیا ہے جس کی مدد سے زمیندار و کاشت کار برابر کے کاروباری منتظر رہتے ہیں کسی کو ایک دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے کیونکہ صاحب زمین اگر تاجر منہ ہے تو دوسرا تاجر ہے۔ یعنی تاجر منہ اور تاجر میں حاکم و محکوم کا کوئی تصور نہیں بلکہ دونوں کی برابر کی رضامندی سے معاملہ طے پاتا ہے اور اگر ثبات کی صورت ہے تو ایک

طرف سے نہیں ہے تو دوسری طرف سے بیج و وسائل کاشت اور محنت ہے پھر کیا وجہ ہے کہ زمیندار حاکم و قاضی اور کاشت کار محکوم و غلام ہو؟ چنانچہ ملک العلماء و النجیبین فرماتے ہیں:

لَا تَقْضِ الْمَزَادَةَ فَفِيهَا الْإِجَارَةُ
وَالشَّرَكَةُ تَنْقُضُ إِجَارَةَ تَشْرِكُ
یعنی اس لیے کہ مزارعت میں اجارہ
اور شرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہ
ابتداء معاملہ میں اجارہ اور نتیجہ میں
شرکت بن جاتی ہے۔

(ج ۶ ص ۱۷۷)

اور اسی طرح مجمع الانہر شرح ملتقى الأبحر میں ہے (ملاحظہ ہو ج ۲ ص ۳۹۹)
طبع مصر اور امام ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

كَكَذَلِكَ الْأَرْضُ حَيْثُ
هِيَ بِحُكْمٍ لِنَفْسِ مَالِ الْمُضَارَبَةِ
یعنی جیسے مضاربہت درست ہے
کہ ایک طرف سے مال اور دوسری طرف
سے محنت اور نفع میں دونوں شریک

(ص ۸۸)

اسی طرح میرے نزدیک زمین بھی مال مضاربہت کے بمنزلہ ہے۔

یعنی ایک صاحب زمین اور دوسرا تاجر اور دونوں نفع میں شریک ہیں خواہ مزارعت
کا معاملہ ہو یا اجارہ کا یا یہ شریک ہے:

فَيَجُوزُ اخْتِبَارُهَا بِالْمُضَارَبَةِ
کہ مزارعت مضاربہت کے اعتبار
سے جائز ہے۔

(ج ۱ ص ۴۲۲)

اسی طرح نسائی شریف میں ہے:
كَانَ مُحْكَمَةً يَعْنِي أَنَّ سَيَرِيْنَ
امام محمد ابن سیرین فرماتے تھے کہ میرے

يَقُولُ الْأَوْصَالُ عِنْدِي مِثْلُ مَالٍ
الْمُضَارَبَةُ فَحَا صَلَاحٌ فِي مَالٍ
الْبُعْثَاتُ بِأَنَّهُ صَلَاحٌ فِي الْأَوْصَالِ
وَمَا لَمْ يَصْلُحْ فِي مَالٍ الْمُضَارَبَةُ
لَمْ يَصْلُحْ فِي الْأَوْصَالِ

نزدیکے میں مالی مضاربت کی طرح ہے
تو جس کی مال مضاربت میں گنجائش ہے
اس کی زمین میں گنجائش ہے اور جو مال
مضاربت میں جائز نہیں وہ زمین میں
جائز نہیں

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۴)

یعنی زمین کا معاملہ لگان اور بٹائی میں مضاربت کے مال کی طرح ہے اور مضاربت
بہمی تعاون و شراکت پر مبنی ہے جس میں فریقین کو مادی حیثیت حاصل ہوتی ہے
ان میں حاکم و محکوم اور اقا و غلام کا کوئی تصور نہیں ہوتا، لہذا زمیندار کے لئے ہرگز جائز
نہیں کہ وہ کاشت کار سے زمین معنوم کی کاشت کاری کے علاوہ دوسری خدمات بالجبر لے
یہ عین ظلم ہے جسے اسلام کا نظام عدل برگزداشت نہیں کرتا ہے
میں کہ میری نوا میں ہے آتش رفته کا سراج
میری تمام سرگزشت صحتے ہو توں کی جستجو

مزارعت یعنی زمین
مضارعت میں وارد متعارض حدیثوں میں تطبیق

بارے میں جو متعارض احادیث وارد ہوتی ہیں ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ عداقت
کی حدیثیں اس صورت پر محمول ہیں کہ متعاقدین زمین کے حصے کر لیں کہ اس طرف کی پیداوار
فلاں حصے اور دوسری طرف کی فلاں حصے چنانچہ اس کی تائید میں صحیح بخاری کی حدیث
شریف پیش خدمت ہے حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں:

كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ
حَقْلًا كَانَ أَحَدُنَا يَصْبُرِي
أَوْعَلَهُ فَيَقُولُ هَذِهِ النُّطْقَةُ
لِي وَهَذِهِ لَكَ قَرِيبًا أَخْرَجْتَ
زَهْرًا وَلَمْ تَخْرِجْ فِيهِ قَشْنَاهُمْ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یعنی ہمارے ہاں اکثر اہل مدینہ
کاشت کرتے تھے اور ہم میں سے کچھ لوگ
اپنی زمینیں خالی پر دیتے اور کھیت کر کے
مکڑا میرا ہے اور برتیرا پس کبھی اس مکڑے
میں پیداوار ہوتی اور کبھی اس میں لہذا
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ

(ج ۱ ص ۲۱۳)

خلاصہ یہ کہ زمین بٹائی پر دینا بلاشبہ جائز ہے اور اس میں زمیندار و کاشت کار
برابر کے معاشرہ دار ہیں اس میں مالکیت و حکومت کے تصور کو اسلام برداشت نہیں
کرتا۔ نیز اگر زمیندار کاشت کار کو رہائشی جگہ اور مکان دیتا ہے تو محض اس کی
وجہ سے اسے کاشت کار کو اپنا غلام بنانا جائز نہیں۔ اگر چاہے تو وہ اس جگہ کا منسوب
کر لے سکتا ہے ورنہ یہ کاشت کار کے ساتھ باہمی رواداری اور ہمدردی پر مبنی
مراعات تصور ہوگی اس سے اس کو اپنا خدمت گار یا غلام نہیں بنا سکتا ہے

کہہ رہا ہے داستان بے دردی ایام کی

کوہ کے دامن میں وہ علم خانہ دھقان پیر

سہاشی
ملکی زراعت کی ترقی کے لئے وسائل آبپاشی میں ترقی و توسیع
بھی ضروری ہے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں
اسے بھی اہمیت حاصل ہے اس لئے اسلام نے اس کے حد فیہ فی ضوابط و قواعد
مقرر کیے ہیں:

۱۔ تالاب کنوتیں جو بڑا درخت ہے اگر کسی خاص شخص کی ملکیت میں نہیں ہیں تو ان میں سے ہر ایک کے تمام افراد حق دار و نفع اٹھانے کے مجاز ہیں۔ یہ حقیقت قرآن مجید میں مذکور حضرت صالح علیہ السلام کی ناکہ کے پانی پینے کے واقعہ سے عیاں ہے۔ سورۃ شعراء کو ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث میں ہے
انحضرت صلی اللہ

مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں

علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي
الْمَاءِ وَالْكَلْبِ وَالنَّارِ الْهَدَاوۃ
کہ تمام مسلمان تین چیزوں یعنی پانی
گھاس اور آگ میں برابر کے شریک
ہیں۔

ج ۳ - ص ۳۹۲

امام شمس المصنوع فرماتے ہیں (بخلاف طوالت صرف ترجمہ دیا جاتا ہے)
کہ دوسری روایت میں ہے 'آپ فرماتے ہیں۔

"الناس شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ" تمام لوگ ان تینوں چیزوں میں

برابر کے حصہ دار ہیں اور پہلی روایت ابو داؤد کی روایت سے عام
ہے کہ اس میں تمام انسانوں کی شرکت کا اعلان ہے خواہ مسلمان ہو
یا کافر اور پانی کے بجائے یہ شرکت وادیوں، دریاؤں (یعنی خود
پانی اسے متعلق ہے جیسے دریائے سیحون، بیحون، وادی ذات، نیل (او
پنجاب میں پانچوں دریا اور نہریں) اس لئے کہ ان سے فائدہ اٹھانا ایسا
ہے جیسے سورج کی وضو پیا اور ہوا سے فائدہ حاصل کرنا کہ اس میں تمام

کائنات انسانی برابر کے شریک ہیں کسی کو حق نہیں کہ دوسرے کو روک
سکے، اس کی مثال شارع عام کی ہے کہ اس پر ہر مسلمان و کافر سب کو
چلنے کا حق ہے اور لفظ شرکت (وارد در حدیث سے اصل اباحت اور
انتفاع میں تمام انسانوں کا مساوی ہونا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ وہ
ان کی ملکیت ہے کہ وادیوں اور دریاؤں میں موجود پانی کسی کی ملکیت
نہیں (المبسوط ج ۲ ص ۱۱۴۴)

یہ آپس کی کا حق تھا۔ البتہ شخصی کنوتوں، حوضوں اور تالابوں و چشموں میں
پانی پینے اور جانوروں کو پلانے کا ہر ایک کو حق ہے، مگر اس پانی کو پینے کے لئے
فروخت نہیں کر سکتا، البتہ برتنوں میں بھرا ہوا پانی فروخت کر سکتے ہیں۔ امام
ابویوسف فرماتے ہیں :

وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْمَاءِ إِذَا كَانَ
فِي الْأَوْعِيَةِ كِتَابُ الْخُرَاجِ ص ۹۵
کہ جب پانی برتنوں میں ہو تو اسے فروخت
کر سکتے ہیں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر ایک شخص کے پاس پانی ہے اور دوسرے کو اس قدر پیاس ہے کہ خطرہ
جان تک نوبت پہنچ رہی ہے اور قوت خرید بھی نہیں اور پانی کا مالک معاوضہ
کے بغیر پینے کی اجازت نہیں دیتا، تو اس کی اجازت کے بغیر ہی جیسے ہو سکے پانی
لے کر پیاس بجھاتے۔ کتاب الخراج میں ہے :

إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَالُ خَضَعَةٍ
يَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ (ص ۹۰)
کہ خطرہ جان کی حالت میں بلا اجازت
پنی سے۔

اسی سے واضح ہو گیا کہ معاشیات نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں انسانی

زندگی کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہو تو اس کے مقابل میں ذاتی ملکیت کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ یہ پانی بہت ہی محدود نہیں اس حکم میں دیگر ضروریات زندگی بھی شامل ہیں جن پر انسانی کے بعد کا دار و مدار ہے۔ زبردستی لے کر جان بچانے کا علاج تو آخری علاج ہے اور یہ ان سے بڑا جائید ہے جو سرمایہ دولت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں انسانی زندگی کی قدروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، لیکن اسلام ایمان کے تقاضوں سے پہلے وہ مسلمان یہاں تک نوبت پہنچنے ہی نہیں دیتے بلکہ وہ اس کے برعکس اپنے اشار و خدمت خلق کے عملی جذبے سے معاشرہ میں یک نگی پیدا کے بغیر نہیں سمجھتے۔

بغاواں ہو سبق آموز جو یک نگی کا ہر باں ہو کے نہیں کیوں طیو و گلزار
دے ہی جام ہمیں کو مناسب ہے ہی تو بھی سرشار ہو تیرے فقار بھی شرار

اور بہتر
فالتویانی نیچے والا روز قیامت خدا کے فضل سے محروم ہوگا ہے کہ جس
کے پاس فالتویانی ہو تو وہ آپاشی کے لئے دوسروں کو مفت میں دے کہ ایک مرتبہ حضرت
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نے ان کو خط لکھا کہ میں نے آپ کی زمینوں کی
سیرابی کے بعد باقی پانی کا تیس ہزار درہم میں فروخت کر کے کا فیصلہ کر لیا ہے آپا کی
اجازت مطلوب ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں نے تمہارا مطلب سمجھ لیا
لیکن میرے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں ضرورت سے زیادہ پانی اور گھاس کو روکنے
اور دوسرے کو فائدہ نہ پہنچانے والے شخص کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف سے ممانعت کا ذکر ہے۔

مَنْعَهُ اللَّهُ فَضْلَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فَإِذَا سَجَّكَ كَمَا فِي
هَذَا فَاسْتَنْتَحَلْتَ وَرَدُكَ
وَأَمْنَكَ وَمَا فَضَّلَ فَاسْتَنْتَحَلْتَ
أَلَا قَرَبٌ فَإِلَّا قَرَبٌ -
کتاب الخراج ۱۹۶

سب زیادہ قریب ہو پھر اسے جو اس کے بعد قریب ہو۔

اللہ اگر پانی دے گا کچھ خرچ ہوا ہو تو پانی لینے والے سے مناسب اور کم از کم
جو خرچ ہوا ہو سہلے سکتا ہے، لیکن پیداوار کا نصف لینا دوسروں کی مجبوری ہے
فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے جو جذبہ ایشا و اخلاق مایہ ہمدردی کے بنانی ہے۔
آپاشی کی نہریں اور سرکاری ذرائع آپاشی صرف مصالح کا
آبیانہ۔ اور معاشی مسائل کی ترقی کھاتے ہیں، حکومت کو اجازت

نہیں کہ وہ انہیں آمدنی میں اضافہ کا ذریعہ بنائے۔ اگر حکومت کا بیت المال (خزانہ)
اس قدر متحمل ہے کہ ان نہروں اور ٹیوب یوں کی حفاظت اور بقا کر کے لے غلام
ضروریات کا بوجھ اٹھا سکتا ہے تو عوام سے آبیانہ یعنی پانی کی قیمت وصول کرنے کی
اسلام کا نظام معیشت اجازت نہیں دیتا اور اگر بوجھ نہ اٹھا سکتا ہو تو اس قدر قلیل
آبیانہ لیا جاسکتا ہے جس سے ان نہروں کی او ٹیوب یوں کی حفاظت و بقا کے انتظامات
ہو سکیں اور جہاں عوام کو نہروں کی ضرورت ہو وہاں سربراہ مسلمان کے لئے ضروری
ہے کہ نہریں کھولے اور اس کا خرچ عوام کے نہیں بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ ہاں

اگر بیت المال میں اس قدر سرمایہ نہیں کہ نہر کی کھدائی کو کافی ہو سکے تو بقدر ضرورت دولت مندوں سے لے سکتا ہے، چنانچہ کتاب المصنوع میں ہے :

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَيْتِ الْحَالِ
أَكْرِيتَ الْمَالَ فِي كَيْفٍ هُوَ مُكْرِمٌ
فَلَهُ أَنْ يَجْزِيَ السَّيَّاسِينَ عَلَى ذَلِكَ
وَيُخْرِجَهُمْ لِأَنْ الْمُنْعَقَةِ فَيَسْلُ
لِلْعَامَّةِ فَتَقِي تَرْكُهُ عَصْرًا عَامًّا

(ج ۲۳ ص ۱۴۵)

اسلام کے نظام معیشت پر صرف گیری کرنے والے ذرا غور تو فرمائیں کہ اس میں عوام پر ٹیکس عائد کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ ملکی خزانہ اقرباً کا متحمل ہے اس میں ٹیکس عائد کرنے کو مشغلہ بنانے کی اجازت نہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر اس نظام کی بہتری اور برتری کسی کو نظر نہ آئے تو اس کے سوا کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔

میں نے تو کیا پروہ اسرار کو بھی چاک

دیرینہ ہے تیرا مرض کورنگا ہی

مکہ صنعت و حرفت

اسلام ایک ایسا ہمگیر نظام حیات ہے جو ہر زمانے میں ترقی کی راہنمائی فرماتا ہے اپنے ماننے والوں کو سائنسی عملی اور تجرباتی دنیا میں آگے بڑھتے رہنے کا سبق دیتا ہے کسی بھی ملک کی کامیابی اور ترقی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کی معاشی حالت بہتر بلکہ بہتر سے بہتر ہو اور معاشی بہتری کا حصول اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک

ملک کے ذرائع پیداوار مستحکم اور مضبوط نہ ہوں اور اس میں بھی کوئی شکست شائبہ نہیں کہ ذرائع پیداوار میں صنعت کاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

صنعت کاری کی اہمیت کا اندازہ قرآن و سنت کے مطالعے سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو صنعت کاری کی تعلیم سے نوازا اور انہیں صنعت کاری کا حکم فرمایا،

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا: وَاصْبِرْ الْفَلَکَ یَا عِیْنًا وَوَعِیْنًا کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرو وَصْنَعِ الْفَلَکَ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے کشتی بنانے کے کشتی تیار ہو گئی جس میں نوح علیہ السلام نے خود کو اپنے ماننے والوں کو سوار کر کے ہلاکت خیز طوفان سے بچالیا۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ تغیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس قدر وسیع و عریض تھی کہ اس وقت کی مومن آبادی اور جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے، پھر نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا جو حکم ہوا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بذات خود اپنے ہاتھوں سے اسے تیار کرتے بلکہ کارگر و ل کے ذریعے تیار کرانا بھی اس حکم میں داخل ہے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے سے جہاں کئی ایک دوسری حکمتیں مضمر ہیں وہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مملکت کے کارپرداز اور ذمے دار حضرات کو اپنے ملک میں ہر ایسی صنعت و حرفت کو عمل میں لانا اور پھیلانا چاہیے جس سے ملک کے باشندوں کی جانی اور معاشی تحفظ کی صورت پیدا ہو۔ اگر اُس زمانے میں کشتی کی صنعت اسی عرض کے لئے ضروری تھی تو آج اس کا بدلہ دوسرے قسم کی صنعتیں ہیں جن کا وجود ملک اور اس کے

کے باشندوں کی بقاء کے لئے از حد ضروری ہو گیا ہے نیز یہ بات واضح ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی تیار کرنے کا حکم اس وقت ہوا جب طوفان کا ابھی وہم و گمان بھی نہ تھا۔ جب آپ کشتی تیار کرنا شروع کی تو غافلین آپ پر طعن و تشنیع کرنے لگے کوئی کشتی گریہ کیسے آدمی ہیں کہ پانی کا نام و نشان تک نہیں اور یہ اپنے آپ کو بلا وجہ رحمت میں ڈالے ہوئے ہیں اور کوئی یوں کشتی کو تباہ نہوت کرتے کرتے بخاری یعنی ترکھان پنا بھی کرتے لگے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یقیناً نوح صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتی تیار کرنا شروع کیا تھا اب ترکھان پنا ہے لیکن آپ نے اس قسم کی باتوں پر کان دھرے بغیر اپنی ذمہ داری پوری نہ کی اس میں یہ ارشاد بھی ہے کہ مملکت کے سربراہوں اور بااختیار لوگوں کو نہ صرف موجودہ مشکلات سے قوم کو نجات دلانے کی فکر کرنا چاہیے بلکہ مستقبل میں پیش آنے والی متوقع مشکلات بھانپتے ہوئے ان سے غلطی کی قبل از وقت تیاری کو ذہنی چاہیے اور اس سلسلے میں تمام حفاظتی تدابیر روکے گاڑ لائے بغیر نہ کرنا چاہیے۔

صنعتی ترقی ہی ایک ایسی کامیاب تدبیر ہے جسے اختیار کرنے کے بعد ملکی مشکلات پر بہ احسن وجہ قابو پایا جاسکتا ہے پھر لوگوں کی طرف سے نوح علیہ السلام کو بخاری اور ترکھان پنا کے طعنے دینے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نوح علیہ السلام نے کاریگوں سے کشتی بنوائی جو تاہم انہوں نے خود بھی عملی طور پر اس میں ضرر و نقصان نہ ہو گا اس سے ہمیں اس بات کا درس دینا مقصود ہے کہ صنعتی ترقی میں مملکت کے ذمے دار افراد کو بذات خود حصہ لینا اور خود جا کر صنعتی مراکز کا جائزہ لیتے رہنا

چاہیے تاکہ صنعتی کارکردگی بہتر سے بہتر ہو اور کام کی رفتار سست ہونے کی بجائے تیز تر ہوتی چلی جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد و باہتیکار سے جس کے معنی ہیں۔ ”ہماری نگرانی میں“ اس بات کی تہنید ہے۔ ملک و ملت کی فلاح و ترقی کے جذبے سے جو صنعت کاری عمل میں لائی جاتی ہے۔ اس کا نگران اعلیٰ ملک و ملت کا خالق و مالک خدا ہے۔ وہ صنعت کاریوں کا ریگروں اور کاریگوں کے نہ صرف عمل و کارکردگی کو خود دیکھ رہا ہے۔ بلکہ ہر ایک کی نیت جذبے اور اخلاص سے بھی باخبر ہے۔

اگر کوئی صنعت کاری اور ملکی ترقی کے جذبے سے عاری ہو کر محض حصول زر اور نفس پروری کے خیال سے صنعت قائم کرتا ہے تو خدا سے قدوس اس کے اس غلط جذبے سے بھی باخبر ہے اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ صنعت کا دنیا میں کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ مگر اسے روز قیامت کسی بہتر چیز کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ بلکہ اس کی بجائے ہو سکتا ہے کہ اسے خدا داد صلاحیتوں کو رضائے الہی، ملکی اور ملی مفاد کے خلاف استعمال کرنے کی سزا بھی مل کر رہے۔ اسی طرح اگر کوئی کاریگر اور کارکن ملکی اور ملی جذبے سے عاری ہو کر قومی و اجتماعی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کا حق ادا نہ کرے ہو سکتا ہے وہ دنیا کی باز پرس سے بچے مگر خدا سے قدوس جو اس کا نگران اعلیٰ ہے وہ اس کی باز پرس سے تو نہیں بچ سکے گا۔ نیز اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی بلاشبہ قادر تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو کشتی کے بغیر طوفان سے محفوظ رکھتا مگر اس کے باوجود انہیں کشتی کی صنعت کا حکم دینا اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان جسے ہم دنیا کے نام سے یاد کرتے ہیں عالم انساب ہے اس لئے دنیا میں خیر اور شر ترقی اور زوال کو اسباب و علل کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے کٹھنی اور دانے سے پودا ابھی اُگ سکتا ہے جب اسے زمین میں دبا دیا جائے پیاس بھگدنے کو پانی بھوک مٹانے کو کھانا اور مرض دور کرنے کو دوا ایک خدا کا پیدا کردہ سبب ہے اسی طرح ملک ملت کی ترقی کے لئے بھی اسباب پر نظر رکھنا قانون خداوندی کی تعمیل ہے۔ معاشی خوشحالی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اسباب بنائے ہیں، ان میں سے صنعت کاری ایک ہم سبب ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی قوم معاشی خوشحالی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔

صنعت و حرفت کی دو قسمیں

صنعت و حرفت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے جسے ہم

معاشی خوشحالی کے لئے عمل میں لاتے ہیں اور یہ وہ فیکٹریاں اور کارخانے ہیں جن سے حاصل کردہ پیداوار ہمارے لباس، خوراک، سواری، مکانوں اور دیگر کی تعمیر و ترقی میں کام آتی ہے اور جب ان کی پیداوار ملکی ضروریات سے زائد ہو جاتی ہے تو اسے بیگ سے باہر بھیج کر زرمبادلہ بھی کمایا جاسکتا ہے۔ دوسری وہ صنعت ہے جو ملک ملت کی دفاعی اور جنگی ضروریات میں ہمیں مدد دیتی ہے جن سے اسلحہ کی پیداوار حاصل کی جاتی ہے اسلحہ سازی کی صنعت کی اہمیت بھی اس بارے میں واضح ہو جاتی ہے کہ اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے بذات خود اپنے دستِ اقدس سے شرف بخشا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے (سورہ انبیاء) ترجمہ یعنی ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تمہارے نفع کے لئے زرہ کی صنعت سکھلا دی تاکہ وہ تمہاری

ادشمن سے لڑائی میں بچا سکے۔ اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ملک میں ایسی صنعتیں قائم کرنا جن سے ملکی خوشحالی کے علاوہ دفاعی ضروریات بھی پوری ہوں عین منشا اہلی ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی قوم اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتی۔

اور یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ صنعت کاری سنتِ انبیاء ہے اگر ہم قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہ جاتا کہ صنعت کاری کے بہت سے شعبے انبیاء سابقین کے ہاتھوں معرضِ وجود میں آئے اور یہ کہ صنعت کاری کے متعدد شعبوں کا سلسلہ کسی نہ کسی نبی سے جاملتا ہے چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کا پیشہ زرہ سازی حضرت آدم کا کھیتی باڑی حضرت نوح کا طرہی، حضرت ادریس کا درزی اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا بکریاں چرانہ تھا۔

امام ابو محمد حسین بن محمود بغوی علیہ الرحمۃ اپنی مشہور تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں یعنی حضرت ادریس کو ادریس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آسمانی صحیفوں کا کبر ثبوت درس دیا کرتے تھے آپ نے سب سے پہلے قلم سازی کپڑے سینے، کھانہ سے لڑنے کے لئے اسلحہ سازی کی صنعت اور علم حساب علم تارگان کا فن بھی آپ نے ایجاد کیا۔ آپ سے پہلے لوگ چمڑے کو بطور لباس استعمال کرتے تھے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صنعت کاری کی ابتداء کس قدر پہلے سے کی جا چکی ہے اور یہ کہ کوئی معاشرہ صنعت کاری کی ضرورت سے کبھی بھی بے نیاز نہیں رہا۔ نیز اس بات سے بھی صرفِ نظر نہیں کی جاسکتی کہ ملکی اور ملی ترقی کے

لئے جہاں معاشرہ کی معاشی خوشحالی کے سلسلے میں صنعتیں قائم کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ فروغ دینا انبیاء سابقین کی سنت رہی ہے۔ وہاں ملک کی دفاعی ضروریات کے حصول اور سازی کی صنعتیں قائم کر کے انہیں زیادہ سے زیادہ عروج دینا بھی انبیاء علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان سنتوں کا بیان کرنا اسی حکمت پر مبنی ہے کہ فَبِهَذَا الْمَثَلِ اقْبَلُوا یعنی تم ان کی روش پر چلو گے مطابق ہم بھی ہر طرح کی صنعتیں قائم کر کے ملک و ملت کی بھلائی کے قلعہ مضبوط کر کے رہیں۔

اقوام عالم سے مقابلے کا حکم | اس سلسلے میں امت محمدیہ کو بھی واضح حکم دیا جاتا ہے کہ لَا تَجِدُ دَالِمًا

مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (انفال) یعنی تم سے جس قدر دھوکے اقوم عالم کے مقابلے میں قوت تیار کرو۔ اس میں بڑی گہری حقیقت کی تعلیم ہے وہ یہ کہ اہل کفر و دین اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں اور رہیں گے وہ تمہیں معاشی اور جنگی حربوں سے کمزور کرنے کی مسلسل کوشش جاری رکھیں گے۔ تمہیں بہر حال معاشی اعتبار سے اور سامانِ حرب و جنگ کی تیاری میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ جاری رکھنا ہوگا۔ وہ ہر طرح کی صنعتیں قائم کر کے تمہیں اپنا دست نگر رکھنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس سلسلے میں تمہیں ہمت پر ہمت دھریے خاموش اور مست نہیں نہایت ہوشیاری اور چستی کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالنا ہوگا اپنے پاؤں پر کھڑے ہونا ہوگا ان کے آگے دست نگر ہونے اور ان سے اسرار و کائنات کی جھیک مانگنے بغیر اپنی خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔ ملی حیمت و غیرت کا دامن تھامے ہوئے

اپنی علمی ادبی اور تجارتی قوت صرف کر کے غیروں کا حسن و خوبی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا قوتِ محفہ ہے جو اپنے نفعی کے تحت واقع ہو کر عموم کا فائدہ نہ لے رہا ہے۔ پھر من مزید استغراق و احاطے کے لئے لاکر ہمیں اس بات کا سبق دیا جا رہا ہے کہ تمہیں شہنائی اسلام کے مقابلے کے لئے معاشی اور جنگی ضروریات کے حصول کے لئے ہر طرح کی صنعتیں قائم کر کے اپنی قوت کا خوب مظاہرہ کرنا چاہیے تاکہ تمہیں اپنی قائم کردہ صنعتوں کے بل بوتے پر بے نیازی کی دولت میسر ہو اور اختیار کے آگے دست سوال دراز کرنے کی قطعاً ضرورت نہ پڑے۔

صنعتی ترقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں | آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے جب اپنے اپنے نئے والوں کو خدا تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا اور ساتھ ہی صنعتی کام میں دلچسپی لینے کے فضائل بیان فرماتے تو مسلمانوں نے صنعتی کاموں میں خوب محنت کی اور روز بروز صنعت کاری میں ترقی کرتے چلے گئے شاید ہی کوئی فن ایسا ہو جس کی طرف مسلمانوں نے توجہ نہ دی ہو۔ معاشی خوشحالی سے متعلق صنعتِ حرفت میں نہ صرف وہ خود کفیل ہونے کی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے بلکہ جنگی تیاری میں بھی انہوں نے ترقی کے منازل خوب طے کئے۔ تلوار سازی اور نیزہ تیرکی ایجاد و ساخت میں وہ آگے نکل گئے۔ معاشی فلاح و بہبود سے متعلق تمام ذرائع بروئے کار آتے اور سامانِ حرب جنگ بھی نئے سے نئے ایجاد کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے عہد خلافت میں وہ صنعتی ترقی فرماتی جو ان کے در مقابل غیر مسلم اقوام کے خوابِ خیال تک میں

مذہبی حضرت امیر معاویہؓ نے ٹینک اور بحری بیڑا تیار کر لیا اور ان کے ذریعے فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ محمد بن قاسم کے زمانہ میں مغنیق یعنی توپ بھی مسلمان کارگروں نے تیار کر کے صنعت کاری میں ایک اور شہری باب کا اضافہ کیا اس صنعت کاری کو عروج و ترقی سے پہنچا کر کے مسلمانوں کو وہ معاشی خوشحالی نصیب ہوئی کہ ہر شخص خوشحال اور فراخ البال نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کی صنعت کاری کے سلسلے میں ترقی کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ افریقہ و یورپ تک ان کی صنعتی ترقی سے اکتساب فیض کرنے لگے۔ آج ہم یورپ و مغرب کے اقوام میں جو صنعتی ترقی دیکھتے ہیں دراصل یہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان کارگروں کا چشمہ فیض ہے جو نہ صرف یورپ و مغرب کے اقوام کو ارتقائی انداز میں سیراب کر رہا ہے بلکہ پورے اکناف و اطرافِ عالم کے لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں مگر طریقِ کار میں جدت کی بدولت دیکھنے والے کو مناظر لگتا ہے کہ یہی لوگ ہی ان صنعتوں کے خالق و موجد ہیں۔

عرب مسلمانوں کے فہم و ذہانت اور ان کی علمی و عقلی استعداد کا لوہا اقوامِ عالم کے اکثر و بیشتر مفکرین نے تسلیم کیا ہے انہوں نے اپنی تقریر و تحریر میں اس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ عرب مسلمان علوم و فنون اور صنعت و معرفت میں اہلِ ذکاوت و راز بابِ مغرب سے بدرجہا فائق تھے آج مغرب ممالک کی بوسیدہ اور پرانی و قدیم عمارات و صنعتات اور یورپ مغرب کی جدید صنعتوں کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات دھچکی جیسی نہیں رہتی کہ یورپ مغرب کی جدید صنعتیں عرب کے قدیم صنعتی شاہکاروں کی نقل معلوم ہوتی ہے۔

پھر عرب کے کارگروں کے بعد برصغیر کے مسلمان کارگروں کی صنعتی ترقی نے نہ صرف بوقتِ ماضی کی بلکہ اس کے اقوامِ عالم سراپا استعجاب ہو کر رہ گئیں۔ آج بھی مسلمان کارگروں کی کمی نہیں ہے اپنے ملک میں اگر انہیں خدمتِ کاغذ موقع فراہم کیا جائے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تو صنعتی ترقی کے سلسلے میں ہم آج بھی دنیا کو پیچھے چھوڑ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ہم صنعت کاری کے میدان میں اپنی تمام قوت و صلاحیت عمل میں لا کر اپنے ملک کو ایک مثالی ترقی یافتہ مملکت کے طور پر دیکھ سکتے ہیں اس سلسلے میں ضروری ہے کہ ہم غیر ضروری کاموں اور لالچے مشاغل پر ملک کی دولت کو لگانے کی بجائے اسے صنعتی ادارے قائم کرنے پر صرف کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ صنعت کاری کو اپنائیں۔ انشاء اللہ اس سے ہم غیردوں کے محتاج ہونے اور ان کے حضور دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ یہی ہمارے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور یہی ہماری دینی حیثیت و غیرت کا مقتضی ہے۔

خداوندِ قدوس اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔

سُودُ كَاخَاتِمِ

(ترجمہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (اپنی

قبروں سے) ایسے اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان

(آیہ) نے چمکراتا کر دیا۔ یہ اس لئے ہے کہ انہوں (سود

خوروں) نے کہا کہ بیع سود کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال

اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے تو جسے خدا کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ

(آمدہ کے لئے سود سے تائب ہو کر بازار گیا تو گزر چکا اسے معاف ہے اور اس کا معاملہ خدا کے پیش رہے اور جو پھر ایسا کریں وہ دوزخی ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ سود (میں بے یقینی ڈال کر اس) کو مٹاتا اور صدقات (علائی کفائی) کو بڑھاتا ہے اور مالک کے گنہگار کو خدا پسند نہیں کرتا (القرآن)

دوسرا ارشاد ہے :

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا (کسی کے پاس) سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم تمہیں اپنا اعلان جنگ کرتے ہیں! خدا اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرو تمہیں تمہارا اصل مال (مقرض سے) ملے گا نہ تم دوسری پر ظلم کرو اور نہ ہی کوئی دوسرا تم پر ظلم کرے (القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :

(ترجمہ) سود پہلے دینے، سود کا کاغذ لکھنے اور اس پر گواہ ہونے والے پر لعنت اور فرمایا کہ یہ سب کے سب گناہ میں برابر ہیں (رواہ مسلم) ابن ماجہ اور بیہقی شریفین مرقی ہے :

(ترجمہ) سود کے گناہ کے شر وہی ہے، ان میں صبح کے درجہ جہاں مال نے ناکر نہ کے برابر ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے : اس حضرت صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

(ترجمہ) معراج کی رات کو کچھ ایسے لوگوں پر سے میرا گزر ہوا جن کے پیٹ مکان کی طرح بڑے بڑے تھے، ان پیٹوں میں ذہریلے سانپ اور بچھو تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، جبرائیل نے بتایا کہ یہ سود خوار ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

سود برابر برابر

سودا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے لکھنوں لکھنوں کے، جو جو کے کھجور کھجور کے اور نمک نمک کے بدلے میں برابر (بلا کم و بیش) اور دست بدست (ادھار کے بغیر) بیچ سکتے ہو اور جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو، یہ صحیح کہ دست بدست ہو (صحیح مسلم شریف)

مجتہدین اہل سنت نے اس حدیث صحیح کو جس کی صحت مشہرت درجہ تواتر تک تجارتی کاروبار میں رہا (سود اسے متعلق اساس و بنیاد قرار دیا ہے اور اپنے اجتہاد سے ان وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث میں بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے رہا (سود) کا باعث بنتا ہے، اس کی تفصیل منقریب آتی ہے۔

ابا یہ سوال قرآن کریم نے تو سود کی اس شکل کو منع کیا ہے جو اصناف مضاعف سود در سود ہو، تھوڑے

ازالہ شبہ

سے سود کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اصناف مضاعف قید واقعی ہے نہ کہ قید احترازی۔

جب سود کو منع کیا گیا اس وقت چونکہ اصناف مضاعف سود و در سود کی صورت رائج اور وقوع پذیر تھی اس لیے یہ قید شامل ہو گئی، ورنہ سود بہر صورت ممنوع ہے خواہ سود در سود ہو یا تھوڑا سا ہو، چنانچہ سنت کی روشنی میں واضح ہے موطا شریف میں ہے :

لَا يَجُوزُ ذَمُّهُ قَلِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ
یعنی سود کسی طرح بھی جائز نہیں
موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۵۵ نہ تھوڑا اور نہ زیادہ

نفع کی شرط سے قرض حرام
حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اوی ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا :

كُلُّ قَرْضٍ جَرٌّ مُنْقَعَةٌ فَهُوَ وَجْهٌ
یعنی جس قرض میں قرض و ہندہ
مِنْ وَجْهِ الرِّبَا (بیمتی عن فضالہ)
کے لئے نفع کی شرط ہو، وہ سود ہی کی
ج ۵ ص ۵۵۵ بیوع و جامع صغیر ایک قسم ہے۔

عن علی ج ۲ ص ۹۳

قرض واپس کرتے ہوئے کچھ زیادہ دے دینا جائز ہے
نفع لینے کی شرط شامل کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر مقرض اپنی مراد و جن ملوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مرضی سے قرض خواہ کو کچھ زیادہ دے تو جائز ہے اور قرض خواہ کا اسے قبول کر لینا بھی جائز ہے چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قرض واپس کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے دیا۔ حضرت جابر کے الفاظ میں فقہانی و زائدی کہ حضور نے میرا قرض مجھے ادا کیا اور کچھ زائد بھی دیا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۳)

قرض بلا سود کا ثواب
حاجت مندوں کو بلا قرض سود دینا اسلام کے نزدیک بہترین عبادت ہے حدیث شریف میں ہے کہ قرض دینے والے کو اس وقت تک قرض دی گئی رقم کے برابر روزانہ راہ خدا میں خیرات کرنے کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک کہ مقرض قرض واپس نہ کرے۔

مجبوری کی صورت میں سود دینا
(غیر ملکی قرضے اور سود)
اگر ایک شخص اس قدر مجبور ہے کہ کنبہ کے لئے سر چھپانے کو مکان بیٹھ نہیں یا بیویوں

مرنے کا اندیشہ ہے خرچ نہیں اور نہ ہی اسے قرض بلا سود ملتا ہے، تو اس صورت میں وہ قرض لے کر اپنی ضرورت شدیدہ پوری کر سکتا ہے اسے سود دینے کا گناہ نہ ہوگا، ہاں سود لینے والا مبتلائے معیشت ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی ملک کی معیشت اس قدر کمزور ہے یا کسی بلا و آفت سے تباہ و برباد ہو گئی ہے کہ وہاں کے باشندے بھوکوں مرنے لگے ہیں اور مبتلائے فقر ہو رہے ہیں اور اس ملک کو کہیں سے بغیر سود کے قرض نہیں ملتا، تو وہ بقدر ضرورت سود پر قرض لے سکتا ہے۔ چنانچہ امام ابن نسیم متوفی ۷۸۵ھ حنفی فرماتے ہیں :

اور حاجت شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے،

يجوز للمحتاج الاستعانة بغيره في دفع الحاجة الشرعية في وقت
بالربح . حاجت مند نفع کی شرط پر قرض مانگ

الاشباه والنظائر ج ۹۲ - نسکت ہے (مکذافی الشامی ج ۵ ص ۲۸۵)

اور فتاویٰ شامی میں ہے۔ قنّٰ عدہ فقہہ ہے الضرورات تبیح المحظورات
کہ ضرورت شرعیہ صاحب ضرورت کے حق میں ممنوع کو جائز کر دیتی ہے کا یہی مطلب
اور اس کی یہی صورت ہے اور یہ قاعدہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۳ قُلْ لِيُخْطَرُ
عَيْنِي بَايَعُ وَلَا عَادَ فَإِنَّهُ عَلَىٰ سَئِئَةٍ مِّنْ عَمَلٍ غَيْرِ عَمَلِي قَوْلُ
پر سود دیے کا جواز بھی اس میں داخل ہے، لیکن اگر ہم کفایت شعاری اور
قناعت کے ساتھ اپنے ملکی وسائل سے صحیح فائدہ اٹھائیں تو ہمیں انشاء اللہ
تعالیٰ فریاد کے آگے دست سوال دراز کر نیکی حاجت ہرگز نہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے
ہمارے وطن عزیز میں بے بہا خزانے دیعت فرماتے ہیں۔ فطرت شناس اور صاحب
بصیرت قیادت ملکی وسائل کو بردے کار لاکر اسی ارض پاک سے تمام ضروریات
حاصل کر سکتی ہے۔

خدا اگر دلی فطرت شناس سے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھائے شیشہ گراں فرنگ کے احسان
سفال پاک سے مینا و جام پیدا کر۔

فلسفہ حرمت سود

اس کائنات کی آبادی کے امن و سکون اور

راحت و آرام کا دار و مدار اس بات پر ہے

کہ انسان آپس میں اخوت و ہمدردی اور حق معاشرت سے بچائیں اور کسی
طمع و لالچ کے بغیر باہمی ایثار و اخوت سے کام لیں، لیکن سود خوار انسان کو پیڑ
دولت کے نشر میں ایسا ہیست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق و مروت اور ہمدردی
سے خالی ہوتا ہے۔ دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول اس کی زندگی کا
نصب العین بن جاتے ہیں۔ وہ ہر وقت اسی نگہ دو میں پاگل بن کر پھرتا رہتا
ہے۔ ضرورت مندوں، محتاجوں اور بے کسوں کی حالت زار دیکھنے سے اندھا
اور ان کی آہ سرد کو سننے سے بہرہ بن جاتا ہے، اس کا دل پتھر سا سخت ہو جاتا
ہے اور یہ چیز اس جذبہ ایثار کے لئے زہر قاتل ہے جس پر انسانی معاشرہ کی عمارت
قائم ہے اس لیے اسلام میں سود کو حرام قرار دیا ہے۔

یہ کافری نہیں، کافری سے کم بھی نہیں

کہ مرد مسلم ہو مینلائے ذوق سود

نیز بیع میں باق و مشتری (بیچنے اور خریدنے والے) کے درمیان مندرجہ ذیل
تین اصول کار فرما ہوتے ہیں۔

۱۔ دونوں طرف سے ارادی (دلی خوشی کے ساتھ) رضا و رغبت

۲۔ باہمی تعاون و اشتراک

۳۔ دونوں کے لئے منفعت کا حصول

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون و اخلاق و انسانی ہمدردی و ہمدردی

اخوت اور علم معیشت کی نظر میں صحیح اور درست ہیں اور سود میں اس کے برعکس تین اصول جاری ہیں۔

- ۱۔ ایک طرف سے رضا و رغبت اور دوسری طرف سے مجبوری و اضطراب
- ۲۔ ایک کے یقینی ضرر و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار۔
- ۳۔ باہمی تعاون اور اشتراک کا فقدان۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں اصول قانون و اخلاق و انسانی ہمدردی و جنبہ اخوت اور علم معیشت کی نظر سے ہرگز لائق تحسین نہیں بلکہ قطعاً غلط اور لائق نفرت ہیں ظاہر ہے کہ دین اسلام جو دین فطرت ہے اس غیر فطری کاروبار کی کیلئے اجازت دے سکتا ہے۔ اسلام نے اس لئے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ اس کی حرمت ایک فطری تقاضا ہے اسی میں حیات حقیقی کا راز مضمر ہے۔

دیں مسکب زندگی کی تقویم
دیں ستر محمد و براءیم

حضرت عبادہ بن صامت

مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ

رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہے مجتہدین کرام نے مسئلہ سود میں ایک بنیادی قاعدہ و ضابطہ اخذ کیا ہے جسے پیش نظر رکھنے کے بعد عند الضرورت قاعدہ اٹھایا جاسکتا ہے 'وہ یہ کہ دونوں طرف سے خرید و فروخت کی شئی اگر ہم جنس ہوں اور ماپ تول سے ملتی ہوں مثلاً سونا سونے کے عوض چاندی چاندی کے گہیہوں گہیہوں کے جو جو کے نمک نمک کے اور کش مش کش مش کے عوض لی 'وی ہ استے تو کھوٹے کھڑے، منقوش و غیر منقوش

قیمت و بیش قیمت اور عمدہ و ردی کے لحاظ کے بغیر دونوں طرف سے ماپ تول میں برابری اور نقد خریداری ضروری ہے نہ کہ بیشی جائز چاہے وہ نہ ہی ادھار درست ہے۔ اگر ایک چیز آزاد اور دوسری چیز کم ہو تو یہ سود ہوگا اور اسے بربا الفضل کہتے ہیں اور اگر ایک چیز اسی وقت دی جائے اور دوسری کے بعد میں دیتے کا وعدہ کیا جائے تو یہ بھی ناجائز ہے اور اسے بالنبذیہ (ادھار کا سود کہتے ہیں

ہم جنس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزوں کا نام بھی ایک ہو اور کام و مقصد بھی ایک تو

ہم جنس کا مطلب

وہ ایک ہی جنس کہلائیں گی اور اختلاف جنس اصل مقصد اور نصف کے اختلاف (مختلف ہونے) سے متعلق ہوتا ہے (القدر المختار مع الشامی ج ۵ ص ۱۸۳)

جیسے گہیوں اور جو، کپڑے کی قسمیں، لوبہ، پیتل، تانبا، سیسہ، اون، ریشم، سوت، لگاتے، بکری، بھیڑ اور دنبہ کا گوشت اور روغنات سب مختلف جنس ہیں لیکن کھجور سب ایک جنس ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۱۷۷) اگر دو چیزیں غیر جنس ہوں، مگر تولی، ماپ یا جاتی ہوں، تو اس صورت میں ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو تو جائز ہے مگر ادھار حرام۔ اسی طرح ایک جنس کپڑے کے ایک تھان کو دوسری جنس کے دو تھان کے عوض بیچا یا گندم کا ایک من دو من جو کے عوض بیچا، تو درست بدست جائز ہے، ادھار پر جائز نہیں اور نہ ہی ماپ یا تولی جاتی ہیں (اگرچہ دو میں سے ایک ٹپ یا تولی جاتی ہے تو ایسی صورت میں زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں مثلاً ایک طرف سے گندم یا کپڑا اور دوسری طرف سے قیمت کہ یہاں جنس بھی بدل گئی اور قدر بھی۔

(ایک تول دونوں میں نہیں ایک میں ہے) تو یہاں زیادتی اور ادھار جائز ہیں کہ ایک طرف سے دو من اور دوسری طرف سے ساٹھ روپے یا ایک طرف سے ایک تھان اور دوسری طرف سے پچاس روپے نقد اور ادھار دونوں جائز ہیں کما ہو مفصل و دلائل فی کتب الفقہاء

بیگم اس ہمہ سر ہادیہ بہار ازمن

کہ گل بدست نواز شاخ تازہ زمانہ

سو سے بچنے کی تدابیر

آج کل سود کی اس قدر کثرت ہے کہ فرض حسنہ (قرض بلا سود) کوئی شاذ و نادر ہی دیتا ہے لوگ دولت کی ہوس اور دنیا پرستی میں اس قدر لگے پڑے ہیں کہ نفع کے بغیر قرض دینا ہی نہیں چاہتے اور ضرورت مند بھی اگرچہ اس قدر شرعی مجبوری میں مبتلا نہیں ہوتے کہ ان کے لئے اس حالت میں ایک حرام جائز ہو جاتے بلکہ لڑکے لڑکی کی شادی ختنہ اور دیگر تقریبات میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور برادری و خانہ ان کے رسوم میں اس قدر حکمران ہوئے ہیں کہ جس قدر نصیحت کی جائے ایک نہیں سنتے، رسم و رواج میں کمی کرنے کو اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسلمان بھائیوں سے پہلے تو یہ گزارش ہے کہ ان رسوم و تکلفات سے بچیں، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائیں دنیا و آخرت کے تباہ کن تاج و عذاب ڈریں، صنوعی سی عزت یا برادری میں نام و نوا کا خیال کر کے آخرت کی زندگی کو تلخ نہ بنائیں، لیکن اس کے باوجود اگر باز نہیں آتے تو عذاب الہی سے بچانے کی ہمدردی کے پیش نظر ہم کچھ طریقے عرض کرتے ہیں کہ مجبوری

کی صورت میں سود لینے دینے کی بجائے اگر ان پر عمل کریں: تو فریقین خدا تعالیٰ کے قہر غضب سے بچ سکیں گے اور مطلب بھی پورا ہو جائے گا۔ لین دین کی صورت و نوعیت میں ترمیم و تبدیلی کرنا پڑے گی کہ جواز و عدم جواز لین دین کی نوعیت پر موقوف ہوتا ہے۔

نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے

اس مسئلے میں صحیح مسلم کی دو حدیثیں دلیل کے طور پر کافی ہیں: چنانچہ حضرت ابو ہریرہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کو خیبر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، وہ خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی سی کھجوریں لاتے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ نہیں یا رسول اللہ! ہم ہلکی کھجور کے دو صاع کے بدلے ان کھجوروں کا ایک صاع اور تین صاع کے بدلے دو صاع بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ معمولی کھجوروں کو پیسوں سے بچ کر اس قسم کی (اچھی کھجوریں) خرید کر دو اور قول کی چیزوں میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷ طبع کراچی)

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لاتے، آپ نے ارشاد فرمایا کہاں سے لاتے ہو؟ عرض کی کہ ہمارے ہاں خراب کھجوریں ہیں

وہ دو صاع دیگر ان کا ایک صاع لیا تاکہ آپ تناول فرمائیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ افسوس یہ تو بالکل سوچے، ایسا نہ کرنا، ہاں اگر ان کے خریدنے کا ارادہ ہو تو اپنی کھجوریں بیچ کر ان کے پیسوں سے یہ خرید کر حضرت ابو سعید خدری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

فَرَدَّةٌ تُشْرِبُ بِعَدَانَتِنَا
وَاشْتَرُوا لَنَا مِنْ هَذَا - رَحِيحٌ
دو پھر ہماری کھجوریں بیچو اور ہمارے لئے اس قسم کی کھجوریں خرید لاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کھجوریں سب کی ایک جنس ہیں کہ ان میں کی بیشی پر تبادلہ جائز نہیں۔ ان حدیثوں سے اور بھی کئی ایک معاشی مسائل نکل سکتے۔ ایک تو یہ کہ سود کی بیع کا نسخ کرنا واجب ہے کہ رَدَّةٌ امر ہے اور امر و جواب کو مفید و دوسرا یہ کہ خریدی ہوئی چیز واپس کرنے پر اس کے مقابلے میں دی ہوئی چیز (مثلاً) واپس کی جائیگی۔ تیسرا یہ کہ سو سے بچنے کو ایک ہی شخص سے دو بار لین دین کیا جاسکتا ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد گرامی میں

اس کے خلاف کوئی شرط نہیں فرمائی۔ کما افادہ الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ جو تھایہ کہ عقد کی نوعیت کے بدل جانے سے عقد کا حکم بدل جاتا ہے۔ ان حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ بات وہی ہے کہ عمدہ اور بوٹھیا کھجوریں بیچ کر پیسوں سے اچھی کھجوریں خریدیں تو جائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام قاضی خان علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ شریفہ میں سو سے بچنے کی وہ صورتیں جو ہم نقل کرنے لگے ہیں بان کرتے ہوئے فرماتے ہیں وَمِنْ هَذَا مَرْوِي عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(فتاویٰ امام قاضی خان ہاشمی قضاوی عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

اور سو سے بچنے کی وہ صورتیں اور تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:

اگر کوئی شخص کسی کو کچھ میعاد کے لئے
سو سے بچنے کی تدبیر

مثلاً دو روپے نفع پر دس روپے قرض دینا چاہتا ہے تو مقرر قرض (قرض لینے والے) سے دس روپے کی کوئی چیز خرید کر اسے دس روپے دے پھر اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے لے اور اس چیز کو مستقرض کے ہاتھ طے شدہ میعاد تک دوبارہ بارہ روپے میں بیچ دے اس سے مقرر قرض کے مستقرض کے ذمہ دس روپے کی جگہ بارہ روپے ہو جائیں گے اس میں دو روپے نفع کے ہو گئے اور اس طرح سے سو سے بھی بچ گئے۔

دوسری تدبیر

مقرر قرض اپنی کوئی چیز مثلاً ایک سو دس روپے میں مستقرض کے ہاتھ بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے پھر مستقرض اس شے کو کسی اور کے ہاتھ ایک سو روپے میں بیچ کر اس کے قبضہ میں دے دے پھر مقرر قرض اس دوسرے شخص سے اسی چیز کو سو روپے میں خریدے اور وہ دوسرا شخص مقرر قرض سے سو روپے لے کر مستقرض کو دے دے اس طرح سے مقرر قرض کی چیز اس کے پاس واپس آگئی، مگر مستقرض کے ذمہ مقرر قرض کے ایک سو دس روپے لازم اور واجب الادا رہے (قاضی خان مع عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹)

مقرر قرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ مثلاً تیرہ روپے چھ ماہ کی مدت کے ادھار بیچ دے پھر اس کے

تیسری تدبیر

قبضہ یا بعد قبضہ بیع کا اتنا کر کے اس چیز کو مقرض کے ہاتھ دس روپے میں بیچ کر اس سے دس روپے لے لے اس سے مقرض کی چیز بھی واپس آگئی اور اسے تین روپے نفع کے مل گئے اور مستقرض کا کام بھی ہو گیا، سود بھی نہ ہوا، لیکن انہوں نے کہ مسلمان دین فطرت کی ایسی تدابیر سے غافل رہ کر سود ایسی لعنت میں مبتلا ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو

دیکھے نہ تیری آنکھ نے فطر کے اشادات

ایک اور تدبیر ہے جس کو اختیار کر کے حصول مقصد کے باوجود سود سے بچا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ مقرض اپنی کوئی چیز مستقرض کے ہاتھ ایک مدت کے لئے ادھار پر بیچ دے اور اس کے قبضہ میں دے دے پھر اسی چیز کو مستقرض خرید کر وہ قیمت سے کم قیمت پر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور وہ اسی چیز کو خرید کر وہ قیمت پر مقرض کے ہاتھ بیچ دے اور مقرض سے قیمت لے کر مستقرض کو دے دے لے لے اسی طرح سے مستقرض کو قرض مل جاتا ہے اور مقرض کی چیز مقرض کو واپس مل جاتی ہے اور سود کی مصیبت میں پڑے بغیر مقرض کو نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے امام قاضی خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس تدبیر کا امام محمد علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے بیع العینہ کہتے ہیں اور موصوف مشائخ بلخ سے نقل ہیں، انہوں نے فرمایا یہ بیع العینہ ہمارے زمانے کے بازار میں مرد و تہ بیع سے بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

العینۃ جائزۃ ما جودۃ و
قال اجرة لسمکان الفراء من العوام
کریع العینہ جائز ہے اس کا ثواب
لے گا اور ثواب اس نے لے گا کہ سود
یہ عوام سے بچنے کے لئے اسے اختیار
کیا گیا۔ (مصری ۲۸۶/۲۸۹)

مقرض اپنی چیز کو مستقرض کے ہاتھ بیچے۔ مثلاً
مقرض کو اگر سو روپے ضرورت ہیں تو اسے
سو روپے کی چیز اتنی قیمت پر جتنا اسے سو روپے پر نفع درکار ہو۔ مثلاً سو روپے
پر دس روپے نفع چاہتا ہو، تو اسے مقررہ مدت تک ادھار پر سو روپے میں بیچ
دے پھر مستقرض اسے بازار میں ایک سو روپے پر فروخت کر کے اپنے سو
روپے کھرے کرے، پھر اختتام مدت پر مقرض کو ایک سو دس روپے ادا
کرے (ابہار شریعت ج ۱ ص ۱۵۷)

چھٹی تدبیر

یہ تدبیر فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے ہے
جیسے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں

فرماتے ہیں :

وَأَحْتَجَّ بِهَذِهِ الْحَدِيثِ أَعْلَانًا
وَمُؤَاقِفُ مَسْئَلَةِ
الْعَيْنَةِ لَيْتَ بِحَرَامٍ وَهِيَ الْعَيْنَةُ
الَّتِي يَعْمَلُهَا بَعْضُ النَّاسِ تَوْضِيحًا
إِلَى الْمُتَقَوِّدِ الرِّبَا بِأَنْ يُعْطِيَهُ
کہ ہمارے حضرات شوافع اور ان
کے ہمہ نوا علمائے اس حدیث سے اس
میں استدلال کیا ہے کہ بیع العینہ حرام
نہیں، اور بیع العینہ اس تدبیر کو کہتے
ہیں جسے لوگ (سود سے بچنے کے لئے)

ماتۃ درہم بساتین فی بیۃ سود کے مقصود (نفع) تک سائی کے لئے
ثوباً بساتین ثم یشتربہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے
میلۃ بساتین۔ کو مثلاً ایک شخص کسی ضرورت مند کو دو

شرح الامام النووی علی سو روپے کے بدلے ایک سو روپے دیتا
الصعیح المسلم ج ۲ ص ۲۶۵ چاہتا ہے، تو اس کے ہاتھ دو سو روپے

میں ایک کپڑا بیچ کر پھر اسی کپڑے کو اس شخص سے ایک سو روپے میں خرید کر لے۔

اسلام نے حرمت سود سے متعلق جو اصول قائم کئے ہیں،
بینک عام سودی لین دین کے علاوہ دو جدید کے ذمہ ترقی یافتہ

ادارے اور کمپنیاں بھی اس حرمت کے تحت آجاتی ہیں جن کا مدار سودی لین دین
پر ہے، چنانچہ ان میں سے ایک ادارہ بینک سسٹم ہے، کہا جاتا ہے کہ بڑی بڑی

تجارتوں کی سہولت و تیز دولت کے ذخیرہ کی حفاظت اور ان سے مزید زر گشت
حصول نفع کے لئے اس ترقی یافتہ دور میں بینکوں کا وجود نہایت ضروری ہے

لیکن خوشنما تصویر میں جو خطرہ کارفرما ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ
یہ کہ ملکی معیشت کو تباہ و برباد کرتے اور دولت مندوں کو مزید دولت مند

اور غریبوں کو مزید غریب بنانے میں ان بینکوں نے بنیادی کردار ادا کیا ہے،
اور کر رہے ہیں۔ بینک خوبصورت طریقے سے دولت کو دولت مندوں میں

محدود کرتے اور عوام کی غریبت کو ہولناک اور تباہ کن حد تک پہنچاتے ہیں۔
تہذیب نو کے اس جہاں کو جو بینک کے نام سے بچھا ہوا ہے۔ دورِ قدیم کی مہاجنی

ہندوؤں کے بیویار کی ایک نئی تصویر قرار دینا بہتر ہوگا۔ سرمایہ داروں کی تجویز

بھرنے اور غریبوں کی تمنا کے خون کرنے کا کردار یہی بینک ادا کر رہے ہیں۔

قصاص خون تمنا کا مانگے کس سے؟

گنہ گار ہے کون اور خون بہا کیا ہے؟

بینک کے طریقہ کی دوسری صورت ہے
کو آپریٹو سوسائٹیاں جسے کو آپریٹو سوسائٹی (مجلس ادارتی)

کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ غریب کاشت کاروں، مزدوروں اور متوسط طبقے کے
لوگوں کو قرض دینے کی بنیاد پر چلائی جاتی ہیں، لیکن یہاں بھی جو سود کی لعنت

موجود رہتی ہے، اس لئے سرکاری طور پر جس قدر سوسائٹیاں ہیں، غریب قرض
خواہوں کے لئے وبال جان ہیں اور فائدہ کی بجائے ان کے لئے باعث نقصان

نہایت ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس اسلام کا اپنا
نظام مصطفیٰ کا اقتصادی نقشہ ایک اقتصادی نقشہ ہے جس

میں وہ خرابیاں نام کو نہیں ہیں جو بینکوں اور کو آپریٹو سوسائٹیوں میں موجود ہیں
اگر ملک کے معاشی نظام کو اس نقشہ کے مطابق چلایا جائے، تو پھر بینکوں کے

موجودہ سسٹم کی کوئی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور اگر بینک سسٹم
کی ضرورت بھی تسلیم کر لی جائے، تو پھر ان کے قیام کی ایسی ٹیکس ممکن ہیں جو سود

کے بغیر اس مقصد کو پورا کر سکیں جس کے لئے اس اجتماعی ادارہ کی ضرورت پیش
آئی، یعنی انفرادی اور اجتماعی ضرورت کے لئے حصول زریعہ امانت کے طور پر

زیر کا تحفظ جیسا کہ حضرت عیسیٰ کی توضیح آجائے گی۔

اسلام باہمی امداد کے اجتماعی اداروں کو جو سود کے لین دین سے پاک ہوں جائز و مستحسن قرار دیتا۔ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ اسلام نے ان صحیح ذرائع کی طرف راہبری فرماتی ہے جس سے معاشرہ کے متوسط اور غریب لوگ صرف سرمایہ داروں اور دولت مندوں کے استیصال سے بچ سکیں، بلکہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد وہ خوشحالی اور فلاح بالی کی منزل بھی پا سکیں گے، بلکہ ان کی زندگی حقیقی مسرتوں کی شرح و عملی تفسیر بن جاتے گی۔

خوب نامحسوس عمل کی ہو گرہ و اکبوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارج امراریات

بنکوں کے موجودہ نظامہ سٹم
امداد باہمی کے اجتماعی ادارے

قائم کئے جاتیں اور دولت مندوں کو اس سودی نظام کے ملتے کے بعد یا تو خود ہی اپنی دولت کو کسی صنعت، تجارت یا زراعت میں لگا کر نفع اور بنانا ہو گا یا وہ ان امداد باہمی کے اداروں سے وابستہ ہو کر نفع پاسکیں گے جن کے کاروبار کا مدار نفع و نقصان کی شراکت پر ہو گا۔ یہ ادارے بنکوں کی طرح شہر شہر، بلکہ قریب قریب قائم ہوں اور حکومت کی تحویل میں نہیں، بلکہ اس کی امداد و امانت پر ہوں۔ البتہ حکومت ان امداد باہمی کے اداروں میں مالی حصہ شامل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اسی طرح حکومت انفرادی تجارت کو فروغ دینے کے لئے با اعتماد و اجروں کو قرض بھی دیگی، یعنی حکومت کی رقم سے افراد یا ادارے پراپیٹ اور سبھی طور پر کاروبار کریں گے اور وہ رقم قرض کے طور پر بھی ہو سکتی ہے اور نفع

نقصان میں شراکت پر بھی

بلا سود بینکاری کا مطلب یہ ہے کہ سودی نظام کو بحیرہ ختم کر کے انہیں امداد باہمی کے تجارتی اور

بلا سود بینکاری

کاروباری اداروں کی جائز اغراض و مقاصد کا حامل کر دیا جائے اور قطعاً ممکن ہے۔ ہر نئے کام کا مرتب کرنا ابتدائی مراحل میں کچھ مشکل تو ہوتا ہے، لیکن صحیح جذبے سے نیک نیتی اور تسلسل کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے، تو ساری کامیابی خود بخود دور ہوتی چلی جاتی ہیں اور آخر کامیابی ہوتی ہے۔ جس جذبے سے استیصالی قوتوں نے اس باطل نظام کو یہاں نافذ کیا تھا اور وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی طرح اگر اس سطح کے جذبہ اسلامی سے حتی و صداقت اسلام کے علمبردار اس مذمتی نظام کو نافذ کر دیں تو وہ بطریق اولیٰ کامیاب ہوں گے بنکوں کے کچھ امور اب بھی ایسے ہیں جو بعد میں بھی جاری رکھے جاسکتے ہیں جن میں سود کا عنصر موجود نہیں، مثلاً کمیشن پر خدمات انجام دینا، امانتوں کا رکھنا اور لا کر زمینیا کرنا، زیورات، دوائیات، کائنات، سندات اور دوسری چیزوں کی حفاظت کرنا، سفری چیک، بینک ڈرافٹ جاری کرنا، اسی طرح گاہکوں کی طرف سے خرید و فروخت، صنعتی کاروبار اور دیگر امور میں باہر انہ شور سے دینا جو سود کے عنصر سے پاک ہیں، پھر بھی جاری رہیں گے۔ بہر حال بلا سود بینکاری کے کاروبار کی صورتیں بہت ہیں اور وہ صورتیں ہر ملک ہر جگہ اور ہر کہیں کامیابی سے اپنائی جاسکتی ہیں۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے مومن کا مقام ہر کہیں ہے

غیر ملکوں سے لین دین

غیر ممالک سے قرضے لینے کی بجائے تمام ملکی وسائل کو بروئے کار لاکر اپنے ملک کو خود کفیل بنانے کی کوشش کی جائے۔ اشیاء تعینات کی درآمد مطلقاً بند کر دی جائے اور بیرون ملک سے کسی شدید ضرورت کے بغیر کوئی چیز درآمد نہ کی جائے اور مجبوری کی صورت میں مال کا مال سے تبادلہ کر لیا جائے، تو سود کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ البتہ حیل کو قیمت میں خریدیں گے، تنب سود کا سوال ہوگا، تو اس صورت میں سود سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ادائیگی کی میعاد تک جو سود بنتا ہو اسے اشیاء صرف یعنی درآمد شدہ مال کی قیمت میں اضافہ قرار دیکر شروع ہی سے اس قرار یافتہ بھانڈ پر ہی ان کا لین دین کیا جائے۔ اس پر سود نہ دینا پڑے گا، مثلاً ایک چیز دس ڈالر میں آتی ہے اور دس ڈالر قسط کی صورت میں پانچ ماہ میں ادا کرنا ہیں، اور ان دس ڈالروں پر تین ڈالر سود کے ملکر تیرہ ڈالر ہوں گے، تو شروع ہی سے پانچ ماہ کی مدت پر دہ تیرہ ڈالر میں خریدی جائے، تو اس سے سود کی ادائیگی سے بچ جائیں گے، ورنہ غیر ممالک اس معاملے میں تعادل کرنے سے گریز کریں، تو جواز باہر مجبوری کا قول ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اس پر عمل کیا جائے۔

بینکوں کو امداد باہمی کے اجتماعی کاروبار

بینکوں میں بنیادی تبدیلی

اسلامی اداروں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بنیادی تبدیلی کرنی پڑیگی اور وہ یہ کہ بینک حکومت کے کنٹرول سے آزاد پبلک اتھارٹی کے تحت ہوں گے، البتہ حکومت ہر متعلقہ امداد عطا کرنے کے لئے

سرپرستی کرے گی، اگر کوئی فاسد اور غلط عنصر اس نظام میں دھتکہ اندازی یا خرابی کرے گی نہ سوچ سکے۔ دوسرے یہ کہ بینک اپنا کاروبار سود کی بجائے شرکت یا مضاربت کے طریقے پر انجام دیں گے۔ اس طرح سے نام کے بینک ہوں گے، مگر حقیقت میں امداد باہمی کے وہی اجتماعی کاروباری ادارے ہوں گے جو اسلام کے نظام انیشت میں ہوا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں شرکت و مضاربت کے طریقے قابل ذکر ہیں جو ہماری کاروباری بنیادوں کو قرار دے سکتے ہیں۔

میرے باغ سخن کے لیے تو باد بہار
میرے تیار بن چیل کو دیا تو نے قسار

شرکت و مضاربت

شرکت اس بات کا نام ہے کہ دو یا دو سے زیادہ فریق کاروبار کریں اور ایک

طے شدہ نسبت کے مطابق ان میں نفع تقسیم ہو اور نقصان بھی سب کو اپنے اپنے سرمایہ کی مناسبت سے برداشت کرنا پڑے، شرکت میں ہر حصہ دار اپنے حصہ پر مالکانہ حقوق رکھتا ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم ہوتی رہتی ہے اور کبھی بلا تعین مدت مسلسل سے بھی چلتا رہتا ہے اور مضاربت یہ ہے کہ ایک فرد یا پارٹی کا سرمایہ ہو اور اس سرمایہ سے کاروبار کوئی دوسرا فرد یا دوسری پارٹی کرتی ہے، اس میں سرمایہ لگانے والا فریق کاروبار میں عملی حصہ نہیں لیتا بلکہ ایک طے شدہ نفع کا حقدار ہوتا ہے، لیکن اگر نقصان ہو جائے، تو اصل سرمایہ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور کاروبار کو خیر الٰہی کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور کاروبار میں نفع و نقصان ہوتا ہی رہتا ہے۔

کہیں سامانِ مسرت کہیں سازِ غم ہے
کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

لیکن جیب نفع ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر نقصان کی تلافی ہوتی رہتی ہے اس لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

بینکوں کی حیثیت

بینکوں سے سودی نظام کو ختم کرنے کے بعد ان کی حیثیت ان تجارتی اداروں کی ہوگی جو تاجروں کے حصص و سرمایہ جات سے قائم ہوتے ہیں اور ان تجارتی اداروں میں اگر حکومت اپنا حصہ شامل کرے، تو کر سکتی ہے اس کے حصہ کے مطابق نفع و نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ یہ بینک یا دوسرے لفظوں میں امدادِ باہمی کے اجتماعی ادارے مضاربت و شراکت پر کام کریں گے۔ علاوہ انہیں باعتماد عوام کو اپنے اعتماد یا شخصی ضمانت جاری رکھ کر قرضے بھی دیں گے اور اپنی انفرادی تجارت یا زرعی یا صنعتی کاروبار میں ان قرضوں سے استفادہ کریں گے۔ نیز یہ ادارے عوام کو شراکت و مضاربت پر بھی رقم لے سکتے ہیں۔ نیز عوام کاروبار کے لئے مندرجہ بالا صورتوں میں بھی بیت المال سے قرضے اور مضاربت پر رقم لے سکتے ہیں۔ حکومت کو عوام سے تعاون کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ملکی نظام کی کامیابی کا دار و مدار حکومت و عوام کے باہمی جذبِ تعاون پر ہی ہے۔

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظم سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

حضرت ابو موسیٰ اشعری (بصرہ کے گورنر) کا
دو تاجروں کو بیت المال سے قرض دینا

امام مالک رحمہ اللہ

میں فرماتے ہیں

کہ حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کے دو صاحبِ زادے حضرت عبداللہ بن عمر و عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ایک شکر میں عراق گئے، واپسی پر یہ جیب بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ہوتے ہوئے گزرے تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ اگر آپ کو مالی فائدہ پہنچانے کی صورت ہوتی، تو میں اسے ضرور اختیار کرتا پھر فرمایا کہ ضرور ایک صورت نکل آتی ہے، وہ یہ کہ میں اللہ کے مال سے کچھ مال امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا جاتا ہوں، میں اسے آپ حضرات کو قرض پر دیتا ہوں، اس سے تم عراق کی اشیائے تجارت میں سے کچھ چیزیں خرید لو اور مدینہ منورہ میں جا کر انہیں فروخت کر دینا اصل سرمایہ امیر المومنین کے حوالے کر دینا، کہ وہ بیت المال میں جمع فرما دیں گے، اور نفع تمہیں مل جائیگا، فلاذہ دنا خلائک انہوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ تجویز پسند ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جیب مدینہ منورہ پہنچے اور ان چیزوں کو بیچا، تو انہیں نفع ہوا، تو انہوں نے (ماجرایان کہتے ہوئے) اس المال (اصل سرمایہ) امیر المومنین کے حوالے کر دیا۔ امیر المومنین نے سوال کیا کہ ابو موسیٰ اشعری نے سب شکر کے ساتھ اسی طرح نوازش فرمائی ہے جس طرح تم دونوں سے؟ انہوں نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اس لئے کہ تم امیر المومنین کے صاحبزادے ہو، میں ایسی خصوصی نوازش کو پسند نہیں کرتا، جو کچھ تمہیں نفع ہوا، وہ بھی لاؤ اور بیت المال میں اصل سرمائے کے ساتھ اسے بھی جمع کراؤ۔ حضرت عبداللہ تو خاموش

ہے، لیکن حضرت عبید اللہ نے امیر المؤمنین سے نظر ثانی کی گزارش کی اور عرض کی کہ اگر ہمیں نقصان ہو گیا اصل سرمایہ ہم سے ضائع ہو جاتا تو جو نگریر قرض تھا اس لئے ہم اصل سرمایہ جمع کرانے کے پابند تھے آپ نے مانے اور اصل سرمایہ کے ساتھ سب نفع بھی جمع کرانیکا حکم دیا۔ حضرت عبداللہ اب بھی خاموش رہے اور حضرت عبید اللہ کیے درمیان بطور ثالث مشورہ دیا یا امیر المؤمنین تو بعقلتہ قراضاً۔

امیر المؤمنین! میرا مشورہ ہے کہ آپ اس معاملے کو نہ تو قرض محض قرار دیں کہ سارا نفع صاحب زادوں کا ہو اور نہ ہی امانت کہ امانت کے منافع کی طرح سارا نفع صاحب امانت یعنی بیت المال کو چلے بلکہ آپ اسے مضاربت قرار دیں۔ اس پر آپ نے فرمایا اہل بیت میرے منظور ہے لہذا میں نے اسے مضاربت قرار دیا (صاحب زادے بھی اس پر راضی ہو گئے) تو آپ نے کل نفع کا نصف صاحب زادوں سے لے کر بیت المال میں جمع کرادیا اور یقینہ نصف کو صاحب زادوں نے آپس میں تقسیم کر لیا (لاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۷۲ طبع مصر)۔

ترجمان نبی، ہسم زبان نبی!

جان شان عدالت پر لاکھوں سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ہند زوجہ حضرت ابوسفیانؓ کو قرض دینا اور حضرت ابوسفیانؓ کا ضامن بننا

ذکر کرتے ہیں کہ حکومت بیت المال سے نجی قرضے بھی فراہم کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں اعتماد یا ضمانت کا خیال رکھنا ضروری ہوگا، چنانچہ امام طبری اپنی تاریخ میں

لکھتے ہیں کہ حضرت ہند بن عتبہ زوجہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے چار ہزار درہم بطور قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کی جائے۔ آپ نے قرض کی واپسی کے لئے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ضمانت لئے لی اور انہیں قرض دے دیا۔ انہوں نے تجارت کی اور نفع کی بجائے نقصان اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نقصان کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرض کی رقم مسلمانوں کا مال ہے۔ اگر میرا ذاتی معاملہ ہوتا تو میں آپ کے مطالبہ نہ کرتا۔ آپ نے حضرت ابوسفیان کو بلوا کر انہیں اس وقت تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ جب تک کہ حضرت ہند نے پورا قرض واپس نہ کر دیا (لاحظہ ہوتا ریخ طبری حوادث ۲۳ ص ۵ ص ۲۹/۳۰ اور کتب فقہ میں بھی اس طرح ہے۔

نیز حدیث میں ہے الزعیم غارم کو قلیل ضامن ہے
لے عمر! عدل تیرا فطرت کی آبرو ہے
حق کا ہر بول بالاتیری قدیم خو ہے

مندرجہ بالا روایت
قرض سے متعلق تھی
اور یہ روایت مضارب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مضاربت
پر ایک شخص کو سرمایہ دینا

سے متعلق ہے جسے امام مالک اپنی موطائیں حضرت مالک بن عبد الرحمن سے اور وہ اپنے والد عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دور خلافت میں مضاربت پر سرمایہ دیا تاکہ وہ اس سے کاروبار

کریں اور نفع دونوں کا ہو۔

(ملاحظہ ہو موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۳ طبع مصر)

الغرض حکومت بینکوں (امداد باہمی کے اجتماعی کاروباری اداروں) اور بیت المال سے عوام کو قرض اور مضاربیت پر سرمایہ دے تاکہ عوام کی معاشی حالت بہتر ہو اور حکومت کو بھی نفع پہنچے۔

عوام کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے حکومت اور تاجروں کو ہدایت

مرد بہ محصول چوکنگی

حکومت ناجائز طور پر اور جبراً عوام سے جو مصارف وصول کرتی ہے ان میں سے ایک محصول چوکنگی بھی ہے۔ ملکی معیشت کو خراب کرنے میں اس کا بھی بڑا دخل ہے کہ تاجر اشیائے صرف کی قیمتوں کے بڑھانے کے جواز میں جو اسباب و غفلت ملحوظ رکھتے ہیں ان میں ایک محصول چوکنگی بھی ہے، چنانچہ اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام میں دستور کی مذکور آئد میں موجود ہے جس کی تشریح گزر چکی ہے۔ لہذا محصول چوکنگی کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ فاضل علم معیشت حکیم الامت مولانا امجد علی عظمیٰ رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو 'مہار شریعت ج ۱۱ ص ۱۶۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا محصول چوکنگی ختم کر دینا

حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکمرانوں نے کچھ عرصہ قبل محصول چوکنگی عائد کر دیا تھا، مگر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی چوکنگی ساری مملکت سے

معاف کر دی اور گورنروں اور اہل کاروں کو لکھا کہ یہ نجس ہے۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَجْسُرُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (الایقہ)

کہ لوگوں کو ان کی چیزیں کم مت دو۔ فرمایا کہ لوگوں نے اس کا نام بدل کر (یعنی محصول کے نام سے اسے اجازت دیا) ہے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے چند شرعی محاصل کے علاوہ ہر طرح کے ناجائز محاصل اور بیسیوں ٹیکس جو سابق حکمرانوں نے عائد کر رکھے تھے، یہ سب معاف کر دیے اور خشکی اور سمندر کے راستے کھول دیے، کاروبار پر ہر طرح کی پابندیاں اٹھالیں تاکہ لوگوں کی مصاشی حالت بہتر ہو (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۵۰ بہ تعینیر لیسر)۔

عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی ممانعت اسلام کے اقتصاد نظام میں حکومت

کو ایسا صرف کی قیمتوں پر کنٹرول کر نیکی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس پر اثر پڑتا ہے کہ جس چیز کی قیمت پر کنٹرول ہوتا ہے، وہ بازار سے غائب کر دی جاتی ہے اور اس کا دستیاب ہونا ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس کی بیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجہ خوام بیچارے اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترستے رہ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب غلہ کی گرانی کے زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے نرخ مقرر کرنے کی درخواست کی تو آپ نے اس تجویز پر عمل کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا :

إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ الْفَقِيرَ الْفَاقِعَ
الْبَاسِطُ الْمِرَاقِي وَالْفِي لَا زَجْرُ
کشادگی کرنے والا، رزق دینے والا

إِنَّ اللَّهَ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ وَلَيْسَ أَخْذُكُمْ
يُكَالِبُكُمْ بِمُظْلَمَةٍ فِي دِمَائِهِمْ وَلَا أَمْوَالِهِمْ
(ابوداؤد عن الشرح ج ۲ ص ۴۹ و
ترمذی عنہ ج ۲ ص ۱۵۴)

اللہ ہی سب سے اور میں امیر کرتا ہوں کہ خدا سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے کسی حق کا مطالبہ نہ کرے، خون کے متعلق اور نہ مال کے متعلق۔ صدر الشریعہ حکیم الامت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں : امام یعنی پادشاہ کو غلہ وغیرہ کا نرخ مقرر کر دینا کہ جو نرخ مقرر کر دیا ہے اس سے کم و بیش کر کے بیع نہ ہو یہ درست نہیں (ابہار شریعت ج ۱ ص ۱۰۵)

خاص حالات میں کنٹرول کی اجازت خاص حالات میں کنٹرول کرنے کی اجازت

ہے۔ ہاں یہ ہے کہ تاجروں نے اگر چیزوں کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا اور نرخ مقرر کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا، تو حاکم علماء کرام اور سوجھ بوجھ والے اور اہل علم و دانش سے مشورہ لے کر نرخ مقرر کر سکتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

فَإِنْ كَانَ أَزْيَابُ الْمَدِينَةِ
يَتَكَبَّرُونَ وَيَتَّبِعُونَ عَنْ الْقِيَمَةِ
تَعَبًا يَأْخُذُ حَتَّىٰ عَجَزَ الْفَقَاءُ
عَنْ صِيَانَةِ حَقُوقِ الْمُسْلِمِينَ
بِالتَّغْيِيرِ فَجَبَّتْ لَأَيَّامُ رَبِّهِ
بَشُورُهُ أَهْلُ التَّوْحِيدِ وَالْبَصِيرَةِ

یعنی اگر تاجر حضرات ڈھائی پر اتر آئیں اور قیمتوں میں کھنی زیادتی کرنے لگیں اور حاکم وقت مسلمان صارفین کے حقوق کا تحفظ قیمتوں میں کنٹرول کرنے میں ہی سمجھے تو اہل رائے اور اہل علم و دانش حضرات کے مشورہ

ہدایہ ج ۳ ص ۴۰۰ (تحدید مختار ص ۴۰) سے قیمتوں پر کنٹرول کر سکتا ہے۔

نیز حاکم وقت کو اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا، کوئی تاجر، دکاندار مقرر کردہ قیمت سے زیادہ وصول نہ کرے، چنانچہ احادیث سے بھی اسی طرح واضح ہوتا ہے۔

ایک گراں فروش دکاندار کو فاروق اعظم کی تنبیہ
(گراں فروشی کا سد باب)

ایک خاص حکمت کے تحت عام حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کے حق میں نہیں ہے، وہاں دوسری طرف تاجروں اور مارکیٹ کے دکاندار پر بھی کڑی نظر رکھنا ہے کہ وہ کہیں بغین فاحش اور گراں فروشی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ دکانداروں کو نفع کمائے کی اجازت ہے اور بلاشبہ وہ نفع کمائیں، مگر بغین فاحش اور بے تحاشہ گراں فروشی کی اجازت بھی نہیں دیتا، بلکہ اسلام اس سلسلے میں ایسے دکانداروں اور تاجروں کو بازار سے اٹھا دینے کی بھی سفارش کرتا ہے جو بے تحاشہ نفع اندوزی اور گراں فروشی پر اترتے ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں خلیفہ وقت اور اس کے نائبین حکام شہروں میں ضرورت حال کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہیں گے اور وہ ایسے شخص کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے مجاز ہیں جو بازار میں گراں فروشی کا مرتکب ہو رہا ہو۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
كَرِهَ أَنْ يَمُرَّ فَارُوقُ اعْتَمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
كَرَّكَرَ أَيْكَ وَكَانَ رَاغِبًا بِنِائِي

وَهُوَ يَبِيعُ زَيْبًا بِاللَّهِ بِالسُّوقِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ إِنَّا لَا نَزِيدُ فِي السُّوقِ وَإِنَّا نَنْفَعُ مِنْ سُرْقَتِنَا (موطا)
طبقہ سے ہوا، وہ بازار میں منقہ بیچ رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ منقہ کا نرخ زیادہ سننا کرو۔
امام محمد ص ۳۲۱ اور ہمارے بازار سے دکان اٹھا لو۔

فلا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حدیث کی عبارت ان تنبیہ میں لا محذور ہے۔ تقدیر یہاں ان لا تزیید ہے اور ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ راقم اس کی مثال میں آیت والذین یطیعونہ پیش کرتا ہے کہ یہاں بھی حرف لا محذور ہے اور تقدیر عبارت ہے والذین لا یطیعونہ اور اگر ہمزہ سلب کا ہو تو پھر لا کے حذف کی ضرورت نہیں، امام محمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَيُفْهَذُ أَنَّا خَذُ لَا يَسْتَبْغِي أَكْثَرُ
يَسْعَرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَيَقَالُ لَهُمْ
بِيعُوا كَذَا بَكْذَا وَيُسْجَبُ بِرَأْيِ
ذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ
وَالْعَامِلُ مِنَ فُقَهَائِنَا (موطأ امام محمد ص ۳۳۱)
یعنی ہماری یہی رائے ہے کہ عام حالات میں مسلمانوں قیمتوں کا کنٹرول نہ کیا جائے۔ البتہ خاص حالات میں گراں فروشوں سے کہا جائیگا کہ فلاں فلاں قیمت پر بیچو اور انہیں مجبور کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ اور ہمارے فقہاء کی یہی رائے ہے۔

لہذا گراں فروشی کے سد باب کے لئے دوسرا کوئی چارہ کار باقی نہ ہے تو ایسے خاص حالات میں قیمتوں پر کنٹرول کی بلاشبہ اجازت ہے اور اس کی خلاف ورزی پر فاسق تادیبی کارروائی بھی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو خلاف ورزی کے مرتکب کو مارکیٹ سے نکال دینے، پھر ملنے یا جسمانی سزا کی صورت میں ہو سکتی ہے اور تقریری

کار وائی ضروری ہے کہ دین و آخرت سے بے خبر تاجر دل کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔

ہاتھوں سے ان کے دامن دیں بھی نکل گیا
رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھی

نیز افراط زرنے کی معیشت کو خراب کر رکھا ہے۔
اس کا خاتمہ ہو تو معیشت پر اچھا اثر پڑے گا۔ سونا
چاندی و پیدائش کے اعتبار سے نقد ہیں اس لئے یہ نقد اصلی اور نقد حقیقی
ہیں اور روپیہ اصلاحی یا نقد عرفی ہے یہ نقد اصلی کی جگہ نقد عارضی ہے۔
نقد اصلی کی نقدیت کو کوئی طاقت منسوخ نہیں کر سکتی، مگر روپیہ اور
نوٹ کی نقدیت کو جب چاہیں منسوخ کر دیں۔ منسوخ ہونے کے بعد یہ سوکانوٹ
چار آنے کا بھی نہیں رہے گا۔ توجیب نوٹ اور روپیہ نقد عارضی اور نقد اصلی
(سونے چاندی) کی جگہ ہے تو نوٹ اور روپیہ اتنا ہی چھاپنے چاہیے جتنا ہمارے
ملک کے پاس سونا اور چاندی ہو، کیونکہ یہ روپیہ تو سونے اور چاندی کی نسبت بے
قمن اصطلاحی ہے، تو سونا اور چاندی منسوب الیہ ہوتے اور روپیہ منسوب
تو جو روپیہ مقرر ہوتا ہے وہ بلا نسبت رہ جاتے گا اور وہی معیشت
کی بد حالی کا باعث بنے گا اور بن رہا ہے، لہذا ملک کی معاشی حالت کو سدھارتے
کے لئے ضروری ہے کہ افراط زر (بلا نسبت) کا روپیہ اور نوٹ ختم کیا جائے
کیونکہ اس سے ملک کی معاشی حالت سدھرتی نہیں، بلکہ بدستور خراب بلکہ
زیادہ خراب ہوتی ہے۔

تیرا جلوہ کچھ بھی تسلی دل نا صبور نہ کر سکا
دہی دھری دھری رہا دہی آہ نیم شبی رہی

تاجروں میں رائج ہے
کرجب کوئی شخص کسی
بیعانہ واپس نہ کرنے کی ممانعت

چیز کا سودا پرکا کرتا ہے تو بیعانہ دیکر باقی (بیچنے والے) کو اس بیع کا پابند بنا
لیتا ہے۔ پھر اگر وہ کسی وجہ سے اس چیز کو خریدنے سے رہ جاتے تو تاجر
اس بیعانہ کو بحیثیت خلیفہ ضبط کر لیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے؛ چنانچہ امام مالک
ابوداؤد، ابن ماجہ حضرت عمرو بن شیبہ عن ابیہ عن جدہ اور امام احمد بن
حنبل اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ
عنہما سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانہ ضبط کر لینے سے
منع فرمایا۔ امام مالک علیہ الرحمۃ اپنی موطا میں فرماتے ہیں:

فَاتَّيْتُ مَدِينَةَ الْمَشْرِقِ فَقَالَ
لِلْبَائِعِ اِقْلَنْ وَأَمْطِرِكَ بِالْقَنْ
دَفَعْتُ إِلَيْكَ فَإِنْ ذَلَّتْ لَا يَصْلُحُ
وَالْمُخْلِي الْعَلَسُ يَنْسَهُمْ عَقْلًا
الْبَيْعُ (مَوْطَا اَعَامَ مَالِ الشَّحْ ۴۳)
کہ اگر مشتری ناہم ہو اور باقی سے
کہے کہ بیع کا قائل کیجیے اور جو بیعانہ
میں نہیں دے چکا ہوں، وہ میں
نے چھوڑ دیا، تو باقی کو ایسا کہ ناجائز
نہیں اور اہل العلم یعنی علماء اس
سے منع فرماتے ہیں۔

لہذا تاجروں کو بیعانہ کار کھ لینا جائز نہیں، بلکہ مشتری کو واپس کر دیا
جاتے۔ جب و انسان کی درخواست پر بیع کو توڑ دینا ٹوا بے۔ حدیث میں

ہے کہ اس سے بائع و مشتری میں سے مجبور کے ساتھ تعاون کرنے والے کے گناہ خدا تعالیٰ روز قیامت معاف فرمائے گا۔

معدوم کی بیع سے ممانعت | تاجر لوگ اپنے تجارتی کاروبار میں جہاں کئی ایک اور غیر اسلامی کاروباری طریق کار میں ملوث ہو کر معاشی بحران کا سبب بنتے ہیں وہاں معدوم (مدیم الوجود) اشیاء کی خیالی تجارت کے بھی معاشی بد حالی کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ عکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میرے پاس نہ ہو (ترمذی ج ۲ ص ۱۳۸ معتبات)۔

اور ترمذی کی دوسری روایت: اور ابو داؤد و نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت عکیم بن حزام کہتے ہیں یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور مجھ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے، وہ چیز میرے پاس نہیں ہوتی (میں بیع کر دیتا ہوں) پھر بازار سے خرید کر اسے دیتا ہوں، آپ نے فرمایا: لا بیع مالیں عندک جو تیرے پاس نہ ہو اسے نہ بیچو (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ و نسائی ج ۲ ص ۲۲۵ و ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۸) اس حدیث کے بعد امام ترمذی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

والعمل علیٰ ہذا عند اکثر
اہل العلم کبرھون یبیح
الرجل مالیں عندہ (ج ۱ ص ۱۳۸)

اور امت کے اکثر علماء کا اس پر عمل ہے وہ بیع معدوم کو مکروہ و ممنوع قرار دیتے ہیں۔

اگر تاجر حضرات اس حدیث کے مطابق عمل کریں اور معدوم کی بیع کرنا چھوڑ دیں تو ہماری معاشی حالت رو بہ اصلاح ہو سکتی ہے اگر تاجروں کو ملک ملت سے ہمدردی ہوگی تو وہ اس لعنت سے کنارہ کیے بغیر نہیں رہیں گے۔

دیجھ تو اپنا عمل تجھ کو نظر آتی ہے کیا!!
تیرے آباء کی نگر بھلی تھی جس کے واسطے
وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت آفریں
ہے ہی باطل تیرے کاشانہ دل میں ملیں

معدوم کی بیع حلال نہیں | ترمذی، ابو داؤد و نسائی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده سے جو روایت

کی ہے: اس میں لا یبخل کا لفظ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لا یبخل سلف و بیع ولا شرائط فی بیع ولا بیع مالیں (یعنی اس طرح کہ میں نے یہ چیز آپ کے شرائط سے بیع کر لی تھی اس شرط پر بیچ کر آپ مجھے عدلت (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۸ و نسائی ج ۲ ص ۳۲۳ و ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۵) قرض دیں اور نہ ہی بیع ایک یا دو شرطوں سے مثلاً کپڑا لیتا ہوں، سکر تمہیں ملو اور دنگ کر اگر دینا ہو گا) اور نہ اس چیز کی بیع حلال ہے جو تمہارے پاس نہیں۔

جس پر قبضہ نہیں کیا اس کا نفع بھی ممنوع | ابو داؤد اور ترمذی کی روایت

میں دَلَّ رِبْحٌ سَالِمٌ يُغْنِيكَ کے لغت میں 'یعنی جیب تک خرید کر وہ تمہارے قبضہ ضمان میں نہ آجائے' اسے بیچ کر نفع کما کر بھی تمہارے لئے ناجائز ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شے (خرید کر وہ) پر جیب تک خریدار قبضہ نہ کرے اس وقت تک اس کی بیع آگے جائز نہیں۔ امام غنیم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی حکم ہے کہ اشیا منقولہ پر (مشتري کا قبضہ ضروری ہے) بیع تو غرض ایجاب قبول اور شے کی دیکھ بھال کے بعد قطعاً ہو گئی لیکن اگر مشتری بیع (خرید کر وہ چیز) کو آگے بیچ کر نفع کما نا چاہتا ہے تو پہلے بیع پر قبضہ کرے پھر اس کی بیع کرے ۱۰ اشیاء غیر منقولہ میں رعایت ہے کہ قبل القبض ان کی بیع جائز اور نفع بھی حلال (ملاحظہ ہو موطا امام محمد ص ۱۳۱) یہ جو بولی سے بیع کی جاتی ہے یہ بلاشبہ جائز ہے ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ٹاٹ اور پیالہ بیچا اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو کون خرید کرے۔ ایک صاحب بولے میں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مَنْ يَشِئُ عَلَى دَرْهَمٍ کہ ایک درہم سے زیادہ کون دیتا مَنْ يَشِئُ عَلَى دَرْهَمٍ ہے ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے۔

ایک شخص نے عرض کی کہ میں دو درہم دیتا ہوں تو اس نے دو درہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیے اور آپ نے دونوں چیزیں اس کو دے دیں (ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹)

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی اسی طرح ہے لہذا بولی جائز ہوئی، مگر کھجور کی بولی جائز نہیں کہ ایک آدمی بائع کی طرف سے اس کی سازش سے خریدار بن کر آجائے اور صرف قیمت بڑھانے کے بہانے بولی میں حصہ لے اس سے حدیث میں لغت آتی ہے ایسے ناجائز عربوں اور حیلوں سے باز آ کر وہ اسلامی طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن میں مسلمان کی دنیاوی بھلائی بھی ہو اور آخرت کا فائدہ بھی ہے جن کی تباہی میں انداز کہیں بھی تو بھی ہے اور تیرے کو کب تقدیر کا پر تو بھی ہے

بولی میں قیمت کا توازن قائم رہنا چاہیے | بولی میں قیمت کا تناسب توازن

قائم رہنا چاہیے۔ حدیث مذکور سے واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بولی پر فوراً مسیح کو بولی دینے والے کے حوالے کر دیا، حالانکہ اس (مسیح) کی قیمت اور بڑھانے کے لئے مزید بولی دی جا سکتی تھی، مگر آپ نے تعلیماً مزید بولی ترک فرمادی تاکہ خریدار کو بازار میں اس چیز کے دام زیادہ نہ بڑھانے پڑیں اور اکیٹ میں اس چیز کی قیمت تناسب و توازن سے بچاؤ واقع نہ ہو۔ بولی دینے اور بیلام کرنے والے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مشعل راہ بنا کر چلیں تو مہنگائی کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

فلک میں گراتی اور مہنگائی کے بنیادی اسباب | غیر اسلامی طریقے ہیں جو تاجروں

اور کاروباری حضرات میں رائج ہو چکے ہیں یا انہوں نے امیر سے امیر تر بننے کی

جو کس میں ان غیر اسلامی طریقوں کو اپنایا ہے یہ بات مسلم اور ناقابل تردید ہے کہ حجت تاجروں میں اسلامی اور شرعی طریقوں کے مطابق کاروبار کرنا چاہیے و عمل تھا مہنگائی نام کو نہ تھی اور حجت غیر اسلامی اور غیر شرعی طریقے جزد تجارت بن گئے جس سے مہنگائی بڑھتی چلی گئی اور کوئی تدبیر اسناد کا رکھنا بت نہ ہوئی عارض بڑھنا گیا جوں جوں دوا کی

مہنگائی کے دور کرنے اور معاشرہ کے خوشحال ہونے کی صورت اور احد

یہ بھی ہے کہ کاروباری حضرات رضا کارانہ طور پر (حکومت کے حکم سے اپنے کاروبار کی بنیاد اسلامی اور شرعی طریقوں پر استوار کریں۔ اس سلسلے میں کچھ طریقے تو ہم ذکر کر چکے ہیں جن میں جائز اور ناجائز کی تفصیل بھی حد ضرورت تک گزر چکی ہے۔ اب ہم اس سلسلے میں مزید کچھ عرض کرتے ہیں تاکہ حضرات ان پر عمل کر کے نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی شعبوں میں بہتر کردار ادا کر کے مہنگائی کے کم کرنے میں مدد دے سکیں۔

بیع باطل اور فاسد

اس سلسلے میں تاجروں کو استرازا کرنا چاہیے کہ جس صورت میں بیع کا کوئی ٹکڑا (جس کے بغیر دو فریقوں میں بیع عمل میں نہیں آسکتی) مفقود ہو یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو وہ بیع باطل کہلاتی ہے (یعنی بیع حرام و ناجائز) مثلاً پاگل یا بے عقل بچہ کو بیع میں فریق بنانا بیع باطل ہے کہ ایجاب قبول بیع کا رکن ہے اور بچہ غیر قائل یا حیاب قبول کرنے کا اہل نہیں لہذا

اس صورت میں بیع کا رکن مفقود ہوگا۔ اسی طرح مردار، خون اور شراب ایسی حرام چیزیں یا کسی آزاد انسان کی بیع بھی باطل و حرام و ناجائز ہے کہ یہ چیزیں بیع کے قابل ہی نہیں ہیں اور اگر رکن بیع یا بیع کے قابل و محل میں کوئی خرابی نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور غرابی لازم آتی ہو تو اسے بیع فاسد کہتے ہیں مثلاً شراب ایسی حرام چیز کے معاوضہ کو لے کر آگے اس کے ساتھ کوئی سود اسلف لینا یا ایسی چیز کا سودا کرنا جسے خریدار کے خواہ کرنا میں نہیں یا عقد بیع کے تقاضوں کے خلاف کوئی شرط عائد کر دینا بیع کو فاسد و غراب کر دیتا ہے۔ فتاویٰ در مختار میں ہے :

وَمَنْ مَّا أَوْ رَثَ سَخْلَةً فِي رُكْنٍ كَرِهِيَ سَيْعُ فِي رُكْنٍ بَيْعٌ فِي غُلٍّ آتَى
الْبَيْعِ فَهُوَ مُبْطِلٌ وَمَا أَوْ رَثَ اس سے بیع باطل ہوتی ہے اور جس چیز فی غلہ فیہ فیسفد۔ سے رکن و محل کے علاوہ کسی میں غللی آئے وہ بیع کو فاسد کرتی ہے۔ (۳۴۴ مطبع احمدی دہلی)

بیع مکروہ

بیع مکروہ سے بھی بچنا چاہیے مثلاً بولی کے وقت قیمت بڑھانے کے لیے اس قسم کے آدمی کو بولی میں شامل کر دینا جو خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتے مگر دکھاوے کے لئے بولی میں حصہ لیتے ہیں اور دام بڑھ چڑھ کر بتاتے ہیں تاکہ دوسرے تاجر ان سے بڑھیں اور وہ چیز ہنگامہ دامن فرودخت ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع بخش سے منع فرمایا اور بیع بخشی اسی طریقے کی بیع کو کہتے ہیں۔

بیع مسلم

بیع مسلم جائز ہے اور یہ کہ ایک شخص نقد پیسے دیگر بخش غلہ وغیرہ ایک مدت متعین تک لینے کا عہد لیتا ہے اور

دونوں طرف سے ایجاب و قبول سے سودا ملے ہو جاتا ہے اسے بیع مسلم کہتے ہیں۔
رقم دینے والے کو ربّ المسلم یا مسلم اور منس دینے والے کو مسلم الیہ اور جنس کو
مسلم فیہ اور رقم کو راس المال اور اس طریقہ بیع کو بیع مسلم کہتے ہیں۔ اس کے
جواز میں سات شرطیں ہیں :

۱۔ جنس کا معلوم ہونا مثلاً گندم یا جو وغیرہ

۲۔ نوع کا معلوم دے دینا کہ کون سی قسم ہوگی۔

۳۔ وصف یعنی اعلیٰ ادنیٰ کا معلوم ہونا۔

۴۔ مقدار کا معلوم دے دینا۔

۵۔ مدت و مہلت کا معلوم دے دینا۔

۶۔ رقم کا معین و معلوم ہونا یعنی راس المال کا معلوم ہونا۔

۷۔ جنس مذکور کہاں پہنچانا ہوگی، جب کہ پہنچانے میں خرچہ ہوتا ہو۔

(ہدایہ ج ۳ ص ۹۶ طبع یوسفی لکھنؤ)

اسلامی کے اقتصادی و

عیاشی اور تکلفات کے روک تھام

معاشی نظام میں کوئی

گنجائش نہیں کہ یہ اسراف و تبذیر و اسراف قرآن و سنت کی رو سے
حرام ہے۔ عیاشی سے مراد دولت کا بے جا ضیاع ہے۔ اچھا پہنتا اور اچھا کھانا
اور اچھا سیلفیہ اختیار کرنا اسلام میں ممنوع نہیں بلکہ کسی حد تک درست ہے اسلام
اس قدر تنگ دین و مذہب نہیں کہ خوش پوش اور خوش خوردی کو منع کرے بلکہ
مناسب حد تک یہ محسوس و مطلوب ہے صحیح ترمذی میں ہے کہ حضرت مالک بن

حرف رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھتے پرانے کپڑوں میں بلبوس
دیکھا، تو فرمایا کہ ”کیا تیرے پاس مال ہے؟“ فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور میرے
پاس خدا کے فضل سے ہر قسم کا مال ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَنْتَهِ عَنْ تِلْكَ الْكَلَامِ فَقَالَ عَطَايَ

اللّٰهُ مِنْ الْاَسْبَلِ وَالْعَسَنِ

قَالَ قَلِيلٌ عَلَيْكَ

ترجمہ ج ۲ ص ۱۲۱

کے کہ اظہار کر دو، فقیرانہ لباس ترک کر دو

لیکن آج جس طرح عیاشی کی بے لگام و دوڑ جاری ہے۔ یہ ملکی و قومی اور

انفرادی معیشت کے لئے خطرناک ہے۔ اس قسم کی عیاشی کی روک تھام ضروری

ہے اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کی ہدایات موجود ہیں صرف

عمل کی ضرورت ہے پھر یہ معاشی و رسانی معاشی خوشحالی میں بدل سکتی ہے۔

نہیں ہے تا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے

ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

عیاشی کرنے والے دو قسم

کے لوگ ہیں ایک تو

سرمایہ دار اس میں زمیندار تاجر اور صنعت کار تینوں گروہ شامل ہیں ملکی

معیشت کی بدتری اور خرابی کے یہی تین گروہ ذمہ دار ہیں، کیونکہ ملکی معیشت

کا انحصار انہیں تین چیزوں پر ہے تجارت و صنعت و معرفت اور زمیندار

لیکن انہوں سے کہنا پڑتا ہے کہ تاجر و صنعت کار اور زمیندار عیاشی کی دوڑ میں ان تینوں اداروں کے تقدس کا مذاق اڑانے میں پیش پیش ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض افراد اچھے سمجھے بھی ہیں اور قابل تعریف بھی۔ مگر ان کی تعداد آٹھ میں نمک کے برابر ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو حکومت کے اعلیٰ عہدوں اور مناصب عالیہ پر فائز ہیں جو ہزاروں روپے مالدار تختہ پایاں اور دیگر ہر قسم کی مراعات مفت میں حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ بھی عیاشی کی دوڑ میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اور برس میں پچھلے طبقے کے لوگ بھی عیاشی کی طرف بڑھنے کی کوشش میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے رشوت تانی وغیرہ ایسی خرابیاں ہیں جو معاشرے کو اپنی پلیٹ میں بے پکی ہیں اور یہ خرابیاں ملک کے کم آمدنی والے سفید پوش شرفاء کے لئے وبال جان بن کر رہ گئی ہیں اور وہ نہ تو ناجائز ذرائع سے کمائی کرنا گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ کی ایسی ہر گیز خرابی کا اخلاقی مقابلہ کرنے کی اپنے میں جہمت پاتے ہیں۔ اس لیے وہ ملک چھوڑنے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں اور یہ خرابی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوٹھی اکا دو ٹیلی ویژن ہوا اور نوکر چاکر ہوں۔ کیونکہ موجودہ عیاشی کی دوڑ میں شرافت انسانیت کا معیار صرف یہی تین چیزیں سمجھی جا رہی ہیں۔ اس دوڑ کا مدار ملک و روک تھام بہت ضروری۔ اس سلسلے میں اسلام کے اقتصادی نظام کے تقاضوں کو بروئے کار لانے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی اشد ضرورت ہے۔

نظر آتیں مجھے تقدیر کی گہریاں اس میں

نہ پوچھ لے ہم نشیں مجھ سے وہ چشم سر سا کیا ہے

عیاشی سے ممانعت کا ایک قانون فقہ

اس قانون کو قانون

حجر عیاشی کا قانون

کہا جاتا ہے۔ فقہ اسلامی کا قانون حجر عیاشی کی روک تھام کے لیے ایک موثر قانون ہے۔ لعنت میں حجر کے معنی روکنا ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مال میں تصرف کرنے سے روکنا ہے۔ اگرچہ امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ قانون حجر کو صرف نابالغ بچے اور مجنون کے ساتھ مختص رکھتے ہیں تاہم آپ کے صاحبزادے امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ قانون حجر کو ان کے علاوہ ایسے لوگوں پر بھی عائد فرماتے ہیں جو اپنے مال کو عیاشی، بیہودگی اور لہو و لعب وغیرہ میں صرف کر کے معاشی خرابی کا باعث بنتے ہیں اور فقہ احناف نے امام اعظم علیہ الرحمۃ کی بجائے صاحبزادے کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ درمختار میں ہے

وَعَنْدَ هَٰذَا يَجْعَلُ عَطْلُ
النَّحْرِ بِالْإِسْفَادِ وَالْعَطْلُ وَبِهِ
أَيُّ بَقُولِهِمَا يُعْتَقَلُ
(ص ۴۶۶ مطبعہ احمدیہ دہلی)

یعنی صاحبزادے کے نزدیک بیہودہ اور عیاش لوگوں کو بھی قانون حجر میں شامل کیا جائے گا اور صاحبزادے کے قول ہی پر احناف کا فتویٰ ہے۔

اسی طرح فتاویٰ قہستانیہ ج ۴ ص ۵۸۶ پر فرماتے ہیں والاحتیاط فوسلما کہ صاحبزادے کے ہی قول کو اختیار کیا گیا ہے، یعنی ماقول و بالغ عیاش انسان پر اس کی بے ہودگی و کج فہمی کی بناء پر اس بات کی پابندی عائد کر دی جائے کہ وہ اپنے مال میں شریعت و عقل مندی کے خلاف کوئی تصرف نہ کرے۔ محمد قادیانی

اس سلسلے میں مزید تفصیل فقہ اسلامی کی کتابوں Books of Islamic Law میں دیکھی جاسکتی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا شخص اپنے مال میں فضول خرچی و عیاشی کرنے اور اسے عقل و شریعت کے مقتضائے برعکس کرنے لگے تو سرپرست یا سماج و با اختیار ادارہ سرکاری یا غیر سرکاری جسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو اس کا حق تصرف اس وقت تک محفوظ کر دے: جب تک کہ انہیں اس بات کا یقین یا ضمانت میسر نہ ہو کہ وہ آئندہ کے لیے اپنے مال کو شریعت و عقل کے مطابق ہی خرچ کرے گا اور یہ قانون انہیں کے لئے ہے جو اخلاق کی زبان نہیں سمجھتے ہیں اور جو اخلاق سے سمجھتے ہیں انہیں اخلاق سے اور دوسروں کو قانون حجر کے قاهرانہ طریقے سے عیاشی سے باز رکھنا چاہئے اور اسلام کا یہ بہترین قانون ہے۔ جب سے اس سے حکمرانوں نے صرف نظر کی تب سے معاشرہ برباد ہوتا چلا گیا ہے اسے لالہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں!

گفتار دہرانہ، محمد وارث بہرانی

حکومت کے اعلیٰ افسران و عہدیداران
کے لئے فاروق اعظم کی ہدایات

حکومت کے اعلیٰ عہدیدار اور اعلیٰ افسران بھی برابر کے شریک ہیں جس کی وجہ سے پہلے لازم بھی مبتلا ہے شکست ہو کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا معیار زندگی اعلیٰ افسران کے مطابق بنانے میں مصروف عمل ہیں لہذا اسلام کا اقتصادی نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ سب سے پہلے سرمایہ ملکیت سادگی اختیار کرے۔ عیاشی

کی سختی سے سختی روایت قائم کرنے کی بجائے سابقہ روایات کو ہی ختم کر کے بے تکلف زندگی کا آغاز کرے اور سیرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مدنظر رکھیں۔ سادگی کے باوجود جن کے تقویٰ و اللہیت کی ہیبت سے لوگوں کے دل کانپتے تھے۔ تیری نگاہ سے دل کانپتے تھے سینوں میں کھویا گیا ہے تیرا جذبہ قلندرانہ اور قومی خزانے سے ضرورت سے زیادہ وظیفہ نہ لے اس سلسلے میں بھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت کی اقتدا کرے۔

اس سلسلے میں
گاندھی کی اپنے وزیروں کو ایک اہم نصیحت

کم از کم گاندھی سے پیچھے تو نہ رہیں جو غیر مسلم ہونے کے باوجود سیدنا ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی سیرت کا اس قدر دلدراؤ تھا کہ ۱۹۳۵ء میں اس نے کانگریسی وزیروں کے نام ایک ہدایہ نامہ جاری کیا کہ ”میں اپنے وزراء کو ہدایت نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ابو بکر و عمر کے طریقہ پر چلیں“ (دستور اسلام ص ۲۰۹) معلوم ہوا کہ گاندھی جیسے مقتصد اور کٹر ہندو کی نظر میں ابو بکر و عمر کی عمرانی اور عدل عمرانی کا ایسا پاک اور سنہرا دستور اور قانون صفا، سستی پر ابھی موجود ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کا دستور اور قانون اس کی گرداؤں کو بھی نہیں پہنچ سکتا اور یہ وہی قانون و دستور ہے جو خلفائے راشدین نے کتاب الہی اور سنت مصطفوی سے سمجھا۔ گاندھی نے اپنے ہدایت نامہ میں ابو بکر و عمر کے طریقے پر چلنے کی ہدایت کی اور امریکہ و برطانیہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطابق خلفاء راشدین

کا دور انسانیت کے ارتقاء و عروج کا بہترین دور تھا جب کہ امریکہ و برطانیہ اور روس کی حکومتوں کا دور انسانیت کے انحطاط و زوال کا دور ہے۔
تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ اموت
جسے حضرت انسان کیلئے اسکا ثمر موت

سیدنا
معاشی حالت کو سہارنے کے لیے تین قیمتی اصول فاروقِ اعظم

رضی اللہ عنہ نے ملکی میشت کو ترقی دینے کے لیے سب سے پہلے اپنے آپ پر سادگی کا قانون نافذ کیا اور اس قانون کے نفاذ کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا۔ چنانچہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ تم ۱۸۲ھ اپنی کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی اپنی پوزیشن عوام پر واضح کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي لَا أَحِبُّ
هَذَا النَّعَالَ يَصْلُحُهُ الْإِحْلَالُ
ثَلَاثٌ أَنْ يَتَّخِذَ الْحَقُّ وَيُعْطَى
فِي الْحَقِّ وَيَمْتَنِعَ مِنَ الْبَاطِلِ
(اصد ۱۱۷)

سیرت فاروقی کی یہ ہدایت ملکی میشت کو سنوارنے کے لیے ایک عظیم ضابطہ اور بہترین راہنمائی ہے کہ مال اور دولت جائز اور حق پر مبنی طریقوں سے حاصل کی جائے۔ خیر اور نیک کاموں میں خرچ کی جائے اور عقل و شریعت کے

منقضا کے خلاف کسی بات میں اسے خرچ کرنے سے قطعی گریز کی جائے۔ پھر اپنے اپنے اس وظیفے کی مقدار کا اعلان فرمایا جو اپنے سرکاری فرائض و بیت المال سے لینا منظور فرمایا جسے امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں نقل فرماتے ہیں۔
آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا قَالُوكُمْ كَوْنُوا
الْبَيْتِمْ إِنَّ اسْتَعْنَيْتُمْ اسْتَعْنَيْتُمْ
وَأَن تَنْتَزِعُوا أَكَلْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ
(کتاب الخراج ص ۱۱۷)
میرے لئے تمہارا بیت المال ایسے
جیسے یتیم کے سرپرست کے لئے یتیم
کا مال اگر مجھے ضرورت نہ پڑی تو میں
اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت
ہوتی تو حاجت کی حد تک لوں گا۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ احیاء العلوم میں
فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقِ اعظم
عزت اسلام سے ہے

رضی اللہ عنہ شام میں داخل ہوئے یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ کا لباس
بالکل سادہ تھا۔ آپ کے رفتار نے عرض کی کہ آپ اسلامی سلطنت کے سربراہ
ہیں اور آپ کے لباس اور وضع قطع میں انتہائی سادگی ہے۔ بہتر تھا کہ آپ اس
کی نسبت کچھ لباس زیب تن فرماتے پھر شام میں داخل ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ
مجھے کسی کی طاعت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم
نے سادگی کی تعلیم پائی ہے۔

إِنَّا قَدَّمْنَا أَعَدَّ اللَّهُ بِالْإِسْلَامِ
فَلَنْ نَطْلُبَ الْعِزَّ فِي غَيْرِهِ
کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں اسلام پر عمل
کرنے سے عزت بخشی ہے۔ ہم غیر اسلامی

(احیاء العلوم ج ۳) رسم و رواج کے ذریعے عزت کے

طلبکار برگز نہیں ہوں گے۔

۱۳۴۷

جب کسی قوم کے سربراہ مملکت میں اس قدر ملک ملت سے ہمدردی کے جذبات و جہان ہوں تو اس قوم کی معاشی حالت کیونکر نہیں سدھر سکتی۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ

حکومت کے اعلیٰ عہد کی چار شرطیں

کتاب الخراج میں لکھتے

ہیں کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کسی کو کوئی عہدہ سپرد فرماتے اور گورنری وغیرہ کے منصب پر فائز کرتے تو ان سے چار چیزوں کا عہد لیتے اور اس عہد و پیمان پر بہا جرین و انصار کے اکابر صحابہ کو گواہ بناتے اور فرماتے:

أَنْ لَا يَكُتَبَ يَزْدَ وَنَا وَلَا
يَلْبَسَ ثَوْبًا زَيْنًا وَلَا يَأْكُلَ لَيْقًا وَلَا
يَعْلُقَ نَابًا وَلَا يَنْحَبِجَ النَّاسَ
وَلَا يَتَّخِذَ حَاجِبًا (کتاب الخراج ص ۵۵-۵۶)

تاریخ الطبری ج ۵-۶۱) ایک پہنچے میں رکاوٹ نہ کرنا۔

یہ چار اہمیت کسی شہر بازی یا کاری پر مبنی نہ ہوتی تھیں بلکہ انہیں عملی جامہ پہناتے اور صورت حال پر کڑی نظر رکھتے تھے اس سلسلے میں حضرت محمد بن مسلمہ کی تقرری خصوصی طور پر عمل میں لائی گئی تھی وہ دور سے کرتے رہتے اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں کو جا کر دیکھتے تھے کہ وہ ان شرائط پر باقاعدگی سے عمل کر رہے ہیں یا غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں ایک مرتبہ مصر کے گورنر عیاض بن غنم کے

بارے میں آپ کو مصدقہ اطلاع ملی کہ وہ ان شرائط پر عمل کرنے میں کسبستی کر رہے ہیں تو آپ نے اسے بلا کر ڈانٹا اور انہیں گورنری کے عہدہ سے معزول کر دیا اور فرمایا تمہیں وہ زمانہ بھول گیا جب تمہارا باپ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آج تم گورنری کے عہد میں اپنی اصلیت کو بھول گئے، یہ لاشعری کچھو کچھو اور اپنے باپ کی طرح بکریاں چراتو نہ

نظر نہیں تو میرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ

کہ نہتہ ہائے خردی میں مثال تیغ ہیل

امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کتاب الخراج میں مزید لکھتے ہیں کہ پانچویں شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ گورنر اپنی ریاست کے امیر و غریب کے ساتھ برابر سلوک کرے گا اور اسے بیماروں کی عیادت کے لیے بھی جانا ہوگا جس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوتا کہ:

أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهِ الضَّعِيفُ
وَلَا يَدْخُلَ عَلَيْهِ الضَّعِيفُ
نَزَّهَةً (ص ۵۷-۵۸)

آپ کا فلاں گورنر بیماروں کی عیادت کے لئے نہیں جاتا اور کمزور ضعیف بے رسید لوگ اس تک نہیں پہنچ پاتے تو آپ اسے معزول کر دیتے۔

بہر حال اسلام کے معاشی و اقتصادی نظام کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور خلفاء راشدین مہدیین نے اسے وہ عروج بخشا کہ اس کی مثال چشم فلک نے نہ پہنچے کبھی دیکھی تھی اور نہ بعد میں دیکھنے میں آئی۔

دورِ ضر کے کچھ اہم سوالات

اور اُن کے جوابات

سوال : کیا حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ یہ ضمانت دے کہ غیر سودی بینک کو اگر نقصان اٹھانا پڑا، تب بھی عند الطلب کھانے دار کا پورا سرمایہ محفوظ رہے گا؟ چاہے حکومت کو اپنے پاس سے ادا کرنا پڑے؟

جواب : اس صورت میں حکومت کو ادا کرنا لازم نہیں ہوگا۔ اسے ضمانت العسران کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں، لہذا لازم بھی نہیں۔ چنانچہ عنایہ

شرح دایر میں ہے :

سَمِعْتُ قَالَ لَا خَرْبَ مَتَاعِكَ
فِي هَذِهِ السُّوقِ عَلَى أَنَّ كُلَّ وَحْيَةٍ
وَحْيَانٍ يَحْيِيكَ فَإِنَّ صَادِقًا لَكَ
فَأَنَّهُ عَيْكَ صَحِيحٌ -

(عنایہ شرح ۳۰۰ ایہ ۵۰)

(ص ۱۱۲)

نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق

سوال : زید علانیہ کہتا ہے کہ اس کے سامان کی نقد قیمت سو روپے ہے اور ادھار ایک سو بیس روپے ہے۔

(۱) زید سامان قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور ایسے سامان کو جس کی نقد قیمت عام طور پر سو روپے ہے دس روپے ماہانہ کی بارہ قسطوں میں بیچتا ہے۔ قسطوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) زید قسطوں پر فروخت کرتا ہے اور اعلان کرتا کہ اگر کوئی فرد پوری رقم یکمشت ادا کرے، تو اسے بیس فیصد رعایت دی جاسکتی ہے۔

(۳) زید خود تاجر نہیں، لیکن کسی شخص سے جو مال کی یکمشت رقم نہیں ادا کر سکتا، معاہدہ کرتا ہے کہ وہ سامان خرید کر دس فیصد سے زیادہ قیمت پر وصول کرے گا۔

جواب :

(۱) یہ جائز ہے۔

(۲) یہ بھی جائز ہے۔

(۳) یہ بھی جائز ہے کہ دایر میں ہے : وَبِجَوِّزِ أَنْ يَحْطَلَ عَنِ الشَّيْءِ

(رج ۲ ص ۸۷) کہ بائع کو جائز ہے کہ واجب الادا قیمت میں سے کچھ معاف کرے۔

(۴) یہ بھی جائز ہے۔

قرض میں کٹوتی ہینڈی

ایک قرض خواہ اپنے قرضے کی رقم
سے شدہ مدت گزرنے سے قبل وصول

کرنا چاہتا ہے۔ مقررہ یا اس کے وکیل کی یقین دہانی پر قرض خواہ کو یہ رقم کٹوتی
کے وقت سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ جیسے تین ماہ بعد ایک ہزار روپے کے
بدلے حاضر میں نو سو پچاس روپے کی ادائیگی اس طرح قرض چکانے کی شرعی
حیثیت کیا ہے اس کا فیصلہ کرتے وقت مندرجہ ذیل نکات پیش نظر رہیں
آج کل بطریقہ ہینڈیوں Bills of exchange کی ادائیگی کے
سلسلے میں کیا جاتا ہے جس کی تکنیک مندرجہ ذیل ہے۔

زید نے عمرو سے مال غریبہ اور تین ماہ بعد رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا اس
کے لئے زید نے عمرو کو ایک تادیب ہینڈی کی شکل میں پیش کر دی ۱۰ عمرو نے
بنک الف میں یہ ہینڈی پیش کر دی تاکہ اس کی بنیاد پر بنک کے رقم قرض لے اور
بنک الف عمرو کو وہ رقم ادا کرتا ہے لیکن پوری رقم نہیں بلکہ اصل میں سے
کچھ حصہ اپنے حق کے بطور وضع کر لیتا ہے۔ گویا عمرو کو وقت سے پہلے رقم وصول
کرنے کے لئے کٹوتی منظور کرنا پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث پر نظر رکھیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں نحن ائسکالی بائسکالی والذین

بالذین اوکما قال علیہ السلام۔

جواب: اس کے جواز کے خلاف کوئی دلیل نہیں لہذا یہ جائز ہے
اور یہ ہینڈی گویا زید نے عمرو سے مطلوبہ رقم کے عوض بشرط کفالت ادا کی۔ گویا
زید کی دی ہوئی ہینڈی عمرو کے لئے وثیقہ اور ضمانت ہے کہ اس نے تین ماہ بعد

اس پر رقم ادا کرنا ہے اور عمرو اس پر بنک سے کچھ حصہ کم کر کے مطلوبہ رقم وصول کرتا
ہے اور جو کم کیا اسے اپنی رضا و رغبت سے کم کیا اور عرف میں اس صورت میں
مترک و رقم اس سے ساقط بھی جاتی ہے جس نے ہینڈی دی: لہذا جس پر راضی
ہوا وہ وصول کیا باقی معاف کرتا ہے: تو یہ جائز ہے چنانچہ حوالہ گذار کہ
صاحب دین جس قدر چاہے مدیوں سے دین ساقط کرے۔ فتح القدیر میں نقد
کی بیع نقد کے ساتھ کی چار صورتیں لکھی ہیں جس کی ایک صورت جو جواز سے متعلق
ہے ہمارے میں بھی ہے:

و یجوز بیع النفس بالنفس یا عیناً کما عند ابن حنیفۃ والی

یوسف (ج ۲ ص ۸۳)

کہ ایک معین پیسے کی بیع دو معین پیسوں سے جائز ہے کہ یہ خلقت کے اعتبار
سے تو ضمن نہیں بلکہ عارضی طور پر ضمن ہیں خلقت کی نروسے عرصہ میں لہذا
عائدین جب چاہیں ان کی عارضی ضمانت کی نفی کر کے تفصیل سے دست بردست
بیع کر سکتے ہیں لہذا ایک طرف سے بانڈ اور دوسری طرف سے نوٹ ہوں تو دست
بردست تفصیل سے ان کی بیع جائز ہے یعنی اس روپے والا بانڈ بانک یا بیچ روپے
میں اور چاہے تو سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے اور بیع اسکالی یا اسکالی کا معنی
یہ ہے کہ دست بردست نہ ہوں بلکہ ادھار سے ہوں چنانچہ ہمارے میں ہے۔

بغلاف اذا کان البیوع عیاناً نہما لاندکالی بائسکالی و نہیں غنہ (ج ۲ ص ۸۳)

اور امام حاکم مندرک شریف میں فرماتے ہیں:

اسکالی بائسکالی بمر النسبۃ کہ اسکالی بائسکالی کا مطلب ادھار

کی بیع ادھار کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ہنڈی کی صورت میں بھی گویا ہنڈی خریدی اور بیچی گئی جیسے باندہ خریدے اور بیچے جلتے ہیں، تو اس میں کئی پیشی بردھائے عائد ہیں جائز ہے بیع الجبس بخلاف الجبس یا حط عن المشن کے طور پر اور یہ دونوں جائز ہیں۔

افراط زری وجہ

قوت خریدیں کی پیشی اور حکومت کا فرض

ہوئی ہے۔ یہ افراط زری بعض قرضی مفاد کے حق میں پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات بیرونی اثرات کی وجہ سے اور بعض اوقات غلط پالیسی کی وجہ سے افراط زری میں لوگوں کی قوت خرید گھٹ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کیا کسی صورت میں حکومت کے لئے یہ شرعی فرض ہے کہ وہ قوت خرید میں کمی واقع ہونے پر لوگوں کے نقصان کی تلافی کرے اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آج سو روپے دیئے جس سے چار من غلہ خرید سکتا ہے۔ اگر تین سال بعد زید اپنی رقم واپس طلب کرے اور اس وقت چار من غلہ کی قیمت ایک سو بیس روپے ہو تو اس کو بجائے ایک سو روپے کے ایک سو بیس روپے دیئے جائیں، لیکن اگر یہ قیمت اسی روپے رہ جائے تو اس کو اسی (۱۰۰) روپے دیئے جائیں۔

جواب: اس طرح سے جائز نہیں، ہاں حکومت اس رقم کے بانڈ دے دے پھر بانڈ کا معاد رخص بانڈ والے صاحب کی مرضی سے کی پیشی سے دے سکتی ہے کہ بانڈ اور نوٹ دو مختلف جنسیں ہیں اور جنس بدل جاتے تو دست بردست

کئی پیشی سے لین دین جائز ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اور جیسا کہ امام اہل سنت اس سہی کے مجدد امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسرکتہ الارا کتاب کفیل الفقہ شریف میں ارقام فرمایا۔

ہمارے کاروباری اور
صنعت کار افراد بھی

قرض اور شرح مبادلہ میں تبدیلی

قرض یعنی جس کا کام غیر ملکی مشینیں وغیرہ کی درآمد ہوتا ہے۔ یہ قرضے ان حضرات کو پاکستانی سکے کی شکل میں دیئے جاتے ہیں اور اسی شکل میں ان کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ لیکن قرض کی اصل مقدار کا معیار پاکستانی سکہ نہیں، بلکہ غیر ملکی سکہ ڈالر ہوتا ہے جس سے پاکستان مشکل ہے لیکن اب نہیں ہے اس معیار پر یقین پہلے سے متفق ہوتا ہے لیکن اس طرح واجب الادا مقدار غیر یقینی ہو جاتی ہے، کیونکہ سکہ کی اضافی قیمت غیر یقینی ہے۔ مثال کے طور پر زید نے پانچ سال قبل دس لاکھ روپے قرض لے کر سامان منگوا یا تھا جس کی قیمت اس وقت دو لاکھ ڈالر بنتی، کیونکہ ایک ڈالر پانچ روپے کے مساوی تھا، لیکن بعد میں پاکستانی سکے کی قیمت گرا دی گئی، نتیجتاً دو لاکھ ڈالر کی قیمت میں لاکھ روپے ہو گئی۔ اس طرح دس لاکھ روپے کا مقرر دهن خود بخود بیس لاکھ روپے کا مقرر دهن بن گیا۔ اسی طرح آگے چل کر اگر ایک ڈالر تین روپے کے مساوی ہو جائے۔ اس صورت میں دس لاکھ روپے کا مقرر دهن صرف چھ لاکھ کا رہ جائے رہ جاتا ہے۔ شرح میں تبدیلی اور اس کے لحاظ سے واجب الادا رقم کا یقین کو پہلے سے علم نہیں ہوتا، البتہ دونوں اس نوعیت کے سود سے پرستش ہوتے ہیں جو یہاں غیر یقینی ہے، لیکن اس کے بغیر پاکستان جیسے ملکوں کو گزارا کرنا انتہائی دشوار ہے

اس معاملہ کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالی جاسے

جواب : اس صورت حال سے نمٹنے کی کوئی صورت نہیں۔ پاکستانی سکتے کی قیمت ڈالر کے مقابلے میں گر جائے تو تاجروں کو حکومت کا ضمانت اعتراف دینا صحیح نہیں کہ پیسے گز رہے چکا ہے لایمچ ضمانت اعتراف کے ضمانت خسرو صحیح اور لازم نہیں ہاں اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ حکومت سونے اور چاندی کا مسئلہ رائج کرے تو اس میں آئے دن کی سیبیت سے کہ پاکستانی سکتے ڈالر کے مقابلے میں گر جاتا ہے اور حکومت و عوام کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے۔ خلاصی ہو جائے گی اور جیسا کہ پہلے سکتے ہوا کرتے تھے۔ اس طرح غیر ملکی ڈالر کا تسلط ختم ہو جائے گا اور آئے دن کی پریشانی سے نجات بھی حاصل ہوگی۔

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ نیک

لیجے عرصے کے لئے پیداواری قرضوں

قرضوں کی جدید نوعیت

پر مقررہ شرح سے سود لینے کی بجائے اپنے قرضوں کا نیلام کیا کریں۔ اس کی فرضی مثال یہ ہوگی کہ بینک الف کے پاس دس کروڑ روپیہ لمبی مدت کے لیے قرض دینے کو دستیاب ہے۔ بینک مدت اور رقم کے لحاظ سے اس رقم کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے جیسے :

پچاس لاکھ روپیہ تین سال کے لئے۔

پچاس لاکھ روپیہ سات سال کے لئے۔

ایک کروڑ روپیہ پانچ سال کے لئے۔

تیسس پچیس لاکھ کے آٹھ اجزاء دس دس سال کے لئے۔

دو کروڑ روپیہ چار سال کے لیے وغیرہ وغیرہ۔

بینک سڈر طلب کرتا ہے کہ جو شخص مقررہ رقم پر مقررہ مدت گزرنے کے بعد سرمایہ اور سرنے کا زیادہ سے زیادہ فیصد نفع دینے کی پیش کش کرے گا۔ تو اسے یہ رقم دے دی جائیگی۔ اس قسم کے معاملے کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

جواب : فیصد سے مراد نفع کی شرح کی تعین و شرط ہے تو چنانچہ

سود اور حرام ہے۔ ﴿كُلُّ قَرْضٍ جَنَاحٌ فَهُوَ بِبَابِ الْحَدِيثِ﴾ جس قرض میں نفع مشروط ہو وہ ربا و سود ہے ہاں اگر نفع و نقصان میں شراکت مراد ہے کہ عقد مضارب ہو یعنی ایک کا سرمایہ اور دوسرے کی محنت لیکن اگر سڈر طلب کرنے کا مقصد یہ کہ نفع کا تناسب رب المال کے حق میں زیادہ سے زیادہ ملے پستے مثلاً عام طور پر نفع اگر پڑے تو سڈر میں کوئی پڑ یا پڑ قس ملی پڑا دینے کی پیش کش کرے تو اسے سرمایہ دیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ خالص عقد مضارب ہو گا۔

بینک قرض مانگنے والے کو دس ہزار روپے

کی بجائے بارہ ہزار روپے کا قرض منظور

قرضہ میں شرط

کرے جس میں دس ہزار روپے مفروض اپنے کام میں لائے اور باقی دو ہزار اپنے نام سے اثاثہ جمع کرادے۔ ایک سال بعد مفروض بارہ ہزار روپے واپس کر دے جب کہ دو ہزار روپے جو اس کی طرف سے امانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں وہ پانچ سال بعد نکھولے۔

جواب : فقہاء فرماتے ہیں قرض صاریح شرط نہیں ہے اسخوہ شرط

جائز ہی ہو تو شرط فاسد کا صلح بھی بطریق اولیٰ نہ ہوگا۔ البتہ قرض نافذ ہوگا اور شرط باطل۔ درختا رہیں ہے۔

القرض لا يتعلق بالباطل من
الشرط فالفاصد منها اولیٰ ولا
یبطال دلالتہ یلغو شرط رد شیء
آخر (حد ۳۵۳)

قرض جائز شرط سے متعلق بھی نہیں
ہو سکتا تو شرط فاسد سے بطریق اولیٰ
متعلق نہ ہوگا اور قرض باطل نہ ہوگا۔
لیکن کسی آخر کے ٹٹا دینے کی شرط لغو

جائز ہے گی

لہذا صورت منلو میں قرض کا اجراء صبح سگر بارہ ہزار پر قبضہ کرنے کے بعد وہ
ہزار کو واپس امانت کے طور پر جمع کرنا مستقرضی کے لئے لازم نہیں ہاں اگر جمع کرنا
لئے تو اس کی خوشی پر منحصر ہے۔

مسئلہ الشورس (بیمہ)

بعض احباب کی خواہش پر الشورس (بیمہ) کا مسئلہ بھی آخر میں
درج کیا جاتا ہے۔ یہ سوال امام اہل سنت مجدد اعظم مولانا شاہ
احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا تھا۔ ہم نے
وہی سوال اور حضرت مجدد اعظم کا جواب نقل کر دیا ہے۔ یہ اس
زمانہ کی بیمہ پالیسی سے متعلق ہے۔ اگر آج کی بیمہ پالیسی میں کچھ تبدیلی
واقع ہوئی ہو تو جواب بھی اس کے مطابق ہوگا۔

کیا فرطین عیسائے حرام کو زندگی کا بیمہ کرنا شرعاً جائز ہے یا حرام عورت
اس کی یہ ہے جو شخص زندگی کا بیمہ کرنا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاجاتا ہے کہ
۶۰ سال یا ۵۰ سال کی عمر تک بیٹھ دو ہزار روپیہ چار یا پچھ روپیہ
ہو اس کے حساب سے تنخواہ میں سے وضع ہوتے رہیں گے۔ اگر وہ شخص ۵۵ سال
تک زندہ رہا تو خود اس کو اور اگر بعد ازاں مقررہ کے اندر مر گیا تو اس کے ورثہ
کو دو ہزار روپیہ یکمشت ملے گا۔ خواہ وہ جب کرنے کے بعد اور اس کی منظوری

آنے کے بعد فوراً ہی سر جائے اور اگر میعاد مقرر تک زندہ رہا تو بھی وہی دو
بیزار ملے گا۔ پھر گورنمنٹ کی جانب سے ہو رہا ہے، کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے
تعلق نہیں۔ بیٹو اتوجہ رہا۔

جواب: جب کہ یہ عہد صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے
نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کوئی خرچ نہیں، مگر شرط یہ ہے کہ اس
کے سبب اس کے ذمہ کسی خلاف شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے
روزوں یا حج کی ممانعت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت صفحہ ۱۸۱)
انعامی بانڈ: نیز انعامی بانڈ کی سکیم میں بھی عدم جواز کی
کوئی دلیل شرعی مسلم میں نہیں آئی اس لئے راقم
اسے ممنوع قرار نہیں دیتا۔

نوٹ

آخر میں ہم "فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات
کے آئینے میں" مصنفہ پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی مطبوعہ عمر محسنی علی
رضا لاہور کے اقباسات قدسے زیمہ و اضافہ کے ساتھ پیش کرتے
ہیں تاکہ قارئین فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی علمی وسعت اور فوری
کا اندازہ فرمائیں اور استفادہ بھی۔

مفتی غلام سید قادری

تمہید

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت و جماعت مجدد دین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ موجودہ صدی کی وہ بختی شہسخت ہیں جن کا مکمل تعارف وہی کرا سکتا ہے جو ان جیسا جامع العلوم ہو کسی فن کا ماہر جیسا انہیں اس فن میں گفتگو کرنے ہوتے دیکھنا ہے تو انکشت بد مذاں رہ جاتا ہے۔ موجودہ یعنی چودھویں صدی کا رابع اول وہ بلاخیز دور تھا کہ بڑے بڑے علماء اور لیدر ثابت قدم نہ رہ سکے ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے "تدبیر نلاج و نجات و اصلاح" کے نام سے امت مسلمہ کی معاشی بہبود کی خاطر جاریہ تجاویز پیش کی تھیں جو آج بھی اپنے اندر وزن رکھتی ہیں اور احمد رضا خاں بریلوی کی شرف نگاہی کی شاہد ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کا معاشی نظریہ ایک سچے مسلمان کی طرح وہی تاجہ زونم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تفسیر کیا جاتا ہے ارشاد الہیہ جاری رہنے والی کرتے ہیں کہ چاروں کی طرح ہمارا مقصد زندگی محض کھانا

پینا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی اطاعت ہے۔ عقائد ہوں یا اعمال، معاشیات ہوں یا سیاسیات، ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت مانگ کر رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی تعلیمات کا حاصل ہی یہ تھا کہ دامن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسے وابستہ ہو کر طاعت الہی اختیار کر لو، فکر معاش سے آزاد ہو جاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَتَحْنُ تَسَنَاتٍ بَيْنَهُمْ مَبْعَثَتْنَاهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (الزحرف رکوع ۳۷) ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان
دنیا کی زندگی میں بٹا دیا۔ وَعَامِينَ نَدْنُو فِي الْأَرْضِ الْأَعْلَى اللَّهُ دَرَكُهَا الْمَوَدَّ
رُكُوع ۱) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا ذوق اللہ کے ذمہ
کرم پر نہ ہو۔ (کنز الایمان)

موجودہ صدی کے آغاز میں یہ مسئلہ موضوع بحث بنارہا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ علماء کے ایک گروہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس بناء پر:

۱۔ مسلمانوں کے لئے ہندوستان سے ہجرت لازم قرار دی۔

۲۔ ہندوستان میں کفار سے سودی کاروبار جائز قرار دیا۔

تحریک ہجرت بڑے زور و شور سے چلی، ہزاروں افراد اپنی جائدادیں برائے نام قیمت پر فروخت کر کے افغانستان چلے گئے۔ وہاں اتنی گنجائش کہاں تھی، واپس آئے تو پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

سود ایک ایسی لعنت ہے جو افلاس اور بھالی کی راہ دکھاتا ہے، سود اترام

السیاست ختم کر دینا ہے اور جب سود کا پیکر چلتا ہے تو آدمی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمان پہلے ہی ہندوؤں کے سودی شیخیوں میں جکڑے ہوئے تھے اس فتوے نے یہی سہی کسر پوری کر دی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اگر اس فتوے کو پیش نظر رکھا جائے تو ہجرت کے سبب پیش آنے والی معاشی تباہی نہ آتی اور نہ ہی قوم سود کے چکر میں مبتلا ہو کر معاشی ابتری کا شکار ہوتی۔

محسن ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے "کذا الفتیۃ النہام فی احکام قحطاس الہذراہم" میں ایسی تدبیریں بیان فرمائی ہیں جن سے دی کا دوبارہ کیے بغیر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

گداگری ایسی آفت ہے جو قومی جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتی ہے یہ نہ صرف ذہنی انحطاط کی انتہا ہے بلکہ پوری قوم کے لئے ایک عظیم المیہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دنیا کو بیکار و خیر الامال فی حکم الکسب الاسوال میں مانگنے کی بھرپور مذمت بیان فرما کر محنت مزدوری اور کسب معاش کے دیگر ذرائع کی اچھوت بیان فرمائی جس سے انفرادی اور اجتماعی خوش حالی کے دروازے کھل جاتے ہیں

فاضل بریلوی کے معاشی نکات

جدید معاشیات آئینہ میں

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے چار نکات مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بد حالی کو دور کرنے کے لئے اپنے رسالے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" میں تحریر فرمائے۔ جو ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۱ھ کلکتہ سے شائع ہوئے۔ ان نکات کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے۔ مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدم بازی میں جو کہ وڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔ پس انداز ہو سکیں۔
 - ۲۔ بمبئی کلکتہ، رانگون، مدراس، حیدرآباد دکن کے تو نگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بیک کھولیں۔
 - ۳۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔
 - ۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔
- یہ چار نکات بظاہر بے حد مختصر ہیں، لیکن ان میں معاشی کا جو ذخیرہ پوشیدہ

ہے وہ اہل قہم حضرات پر روز و رشن کی طرح واضح ہے۔ وہ چار زکات اس
دین کامل کی فراست کامل کی حکمت کی عکاسی کرتے ہیں جس کے بابے میں علامہ اقبال نے
فرمایا ہے ۔

تقدیر اہم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

یہ بلاشبہ ایک مرد مومن کے اشارے ہیں اور مومن بھی کیسا مومن کہ جس کی
ہر سانس عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سطر تھی۔ ان اشاروں میں جہاں معنی
پوشیدہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ان زکات پر بحث کروں بطور تمہید کچھ
عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۱۲ء میں جب کہ زکات شائع ہوئے، برصغیر میں علم اقتصادیات کا
مطالعہ عام نہیں تھا۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً انگلینڈ، امریکہ، فرانس
اور جرمنی وغیرہ میں دانشوروں کا ایک مخصوص حلقہ اس علم کے کتاب کی طرف
مائل تھا۔ معاشیات پر باقاعدہ کتابیں لکھی جا چکی تھیں اور لکھی جا رہی ہیں، لیکن
عوام کی توجہ اور دلچسپی اس مضمون کے متعلق بہت کم تھی۔ طلباء اس مضمون کو
خشک سمجھ کر اس سے گریز کرتے تھے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ۱۹۲۹ء کی عظیم مالی سرِ بانداری
کے بعد معاشیات کی اہمیت میں جس تیزی سے اضافہ ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے
اس تمہید میری عرض صرف اتنی ہی ہے کہ ناظرین یہ ذہن نشین کر لیں کہ جدید
اقتصادی نظریات کی ابتدا ۱۹۲۹ء کو شروع ہوئی اور اس کے بعد زکات کو توجہ دینا شروع

ہے کہ نگاہ مرد مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء ہی میں لکھا
دی تھی۔ اگر ۱۹۱۲ء سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے زکات پر غور و فکر کیا جاتا اور
صاحب حیثیت مسلمانانِ ہند اس پر عمل کرتے تو ہندوستانی مسلمانوں کی حیثیت
معاشی اعتبار سے مستحکم ہوتی۔

آئیے اب ان زکات پر الگ الگ بحث کی جائے جب کہ عرض کیا گیا مولانا
بریلوی کے ان زکات کی تعداد چار ہے جس میں سے تین کا تعلق میرے نزدیک جدید
اقتصادیات کی روح سے ہے اور چوتھا علم دین کی ترویج و اشاعت سے
مستعلق ہے۔

۱۔ پہلا نکتہ ۔

”ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے
معاشرت بہ فیصلہ کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ
ہو رہے ہیں، پس انداز ہو سکیں۔“

اس نقطے میں اہم بات ”پس اندازی“ ہے، فضول خرچی کی مذمت جہاں سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیر سو سال قبل ہی کر دی تھی۔ جدید ناظرین
اقتصادیات فضول خرچی کی بچہ مذمت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک غیر پیداواری
کاموں پر کئے جانے والے اخراجات قطعاً غیر پیداواری حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر برصغیر
کے بیسویں صدی عیسوی میں پاکستان بننے سے پہلے ملک کی اقتصادی زندگی کا مطالعہ
کیا جائے، تو ہمیں معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے باہمی مفید مبادیوں پر کروڑوں روپے
خرانے کیے۔ یوں یہ تیشہ منہ سے پہلے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں

۱۴۱ھ فیصلہ تھی، لیکن اقلیت ہونے کے باوجود وہ ایک باعزت اور پر وقار زندگی گزار رہے تھے، مسلمانوں کی اقتصادیات اور ان کی خوشحالی کا انحصار زمینداری پر تھا۔

یو۔ پی میں مسلم نوابین، راجاؤں اور زمینداروں کی کسی نہ تھی۔ زمیندار اس صوبے میں دو افراد ہوتے تھے جو کم از کم ایک گاؤں کے مالک ہوتے تھے، لیکن میں اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ حضرات مقدمہ بازیوں میں پھنسے رہتے تھے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے مقدمہ بازی ان صاحبان کا دلچسپ ترین مشغله ہے، میرے ایک قریبی عزیز جو زمیندار تھے۔ بارہ برس سے مسلسل ہمارے گھر آتے رہتے تھے۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے ہم زلف سے مقدمہ بازی کے سلسلہ میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا، جب تک کہ تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں کے وزیر داخلہ لچر بھائی پٹیل نے یو۔ پی کے مسلمانوں کی میشت پر زمینداری کا خاتمہ کر کے بھرپور وار کیا۔ اور مسلمانوں کی اقتصادیات کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

فاضل بریلوی کے پہلے بچنے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ مقدمہ بازی پر کیے جانے والے اعتراضات کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے پہلی بات تو

یہ کہ اس طرح مسلمان آپس میں مخالفت پر تلے رہتے تھے۔ دوسری اور اہم بات یہ تھی کہ یہ کروڑوں روپیہ جو مقدمہ بازی کی غرور پر تھا کاشن کہ اگر بچایا جاسکتا

تو مسلمانوں کے کس قدر کام آتا۔ یہ اعتراضات قطعاً غیر ضروری بلکہ ناجائز تھے۔ اگر

مفاہمت اور سمجھ بوجھ سے کام لیا جاتا تو اکثر بیشتر مقدمات کی ضرورت باقی ہی نہ رہتی، اور معاملات باہمی صلاح و مشورے سے طے ہو جاتے اور مسلمانوں کا سرمایہ

غیروں کی تقویت کا باعث نہ بنتا۔

فاضل بریلوی نے ۱۹۱۲ء میں پس اندازی کی ہدایت فرمائی تھی، کیونکہ انہیں یہ معام تھا کہ مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی دور کرنے کا یہی بہترین علاج ہے کہ وہ غیر ضروری اور ناجائز اعتراضات یکسر ختم کر دیں اور اس طرح جو کچھ پس انداز ہو وہ اپنی صلاح و بہبود پر صرف کریں۔ ۱۹۲۲ء میں کینز نے اپنا نظریہ ”رورنگ ٹرائڈ“ پیش کر کے جدید اقتصادیات کی بنیاد مضبوط کی۔

موجودہ دور اقتصادِ منصوبہ بندی کا دور ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بناتے ہیں۔ ان منصوبوں کی میعاد عموماً ۵ سال ہوتی ہے۔

جہاں اقتصادِ منصوبہ بندی میں دیگر ادبائوں کا خیال رکھا جاتا ہے وہاں ماہرین اس بات کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں کہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے کن ذرائع سے رقم حاصل کی جاسکتی ہے، منصوبوں کے لئے رقم دو ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۔ ملکی بچت

۲۔ قرضے

ملک میں اگر بچت کی شرح اونچی ہے تو ملکی ذرائع ہی سے منصوبوں پر عمل شروع ہو جاتا ہے، لیکن بچت کی شرح کم ہونے کی صورت میں حکومت کو غیر ملکی قرضوں کا سہارا

بنا پڑتا ہے، منصوبہ بندی کی تکمیل کے لئے ایک تہہ بڑا طریقہ بھی ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سب ضرورت ملک کا مرکزی بینک نوٹ چھاپ چھاپ کر حکومت کے حوالے کر دے، لیکن یہ طریقہ آدراں ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بھی ہے۔ اس سے

حکام میں افراط نہ رہتا ہے اور اگر افراط نہ ہو حکومت جلد قابو نہ پاسکے تو پھر اس کے نتائج انتہائی سنگین ہوتے ہیں اور معیشت تباہ ہو جاتی ہے۔ لہذا اس کے آسان طریقے یہ ہے کہ ملک میں بچتوں کی ہمت افزائی کی جائے اور لوگوں کو بچت کرنے پر مجبور کیا جائے۔

ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ بیشتر ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ کاری کی شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ شرح ۵ فیصد سے ۸ فیصد ہے یعنی ترقی پذیر ممالک اپنی قومی آمدنی کا صرف ۵ سے ۸ فیصد حصہ سرمایہ کاری کے لئے خرچ کرتے ہیں، جبکہ اقتصادِ ترقی کا تقاضا ہے کہ قومی آمدنی کا کم از کم ۱۵ فیصد سرمایہ کاری کے لئے وقف کر دیا جائے۔

اگر بچتیں زیادہ ہیں تو سرمایہ کاری زیادہ ہوگی، لیکن بچتیں اگر کم ہیں تو اقتصادِ ترقی کی رفتار بہ حدست ہوگی۔ ۱۹۵۰ء میں ایک امریکی ماہر اقتصادیات کوئن گارڈ نے بھارت، چین اور پاکستان کے لئے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ان ممالک کی اقتصادِ ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہاں کے افراد کم از کم قومی آمدنی کا ۱۵ فیصد پس انداز کریں اور اسے سرمایہ کاری میں لگائیں۔ لہذا آج کل ہر ملک میں خواہ وہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ بچت میں اضافے کے لئے مختلف اسکیموں پر عمل کیا جاتا ہے۔ خود پاکستان میں ہماری حکومت نے ایسی بہت سی اسکیمیں رائج کر رکھی ہیں جن سے چھوٹی چھوٹی بچتوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ملک کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے ہمیں رقم کی ضرورت ہے اور اس رقم کو حاصل کرنے کا بہترین طریق بچت کے ذریعہ ہے۔

اب اہل دل اور اہل نظر فوراً اس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۳ء میں مولانا احمد رضا خان نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنیکی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ فیصد پس انداز کرنا اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ جبکہ حکومتیں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دوراندیشی کے کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں

دوسرا نکتہ :

۲۰۔ اب آئیے دوسرے نکتے کی طرف مولانا نے فرمایا :

”بھائی، کلکتہ، رانگوں، مدراس، حیدرآباد، دکن کے نوٹرو مسلمان بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔“

یہ نکتہ معاشی نقطہ نظر سے اس قدر اہم ہے کہ ہمیں مولانا احمد رضا خان کی اقتصادِ ترقی کو سمجھنا ہوگا کہ قائل ہونا پڑتا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان کے صرف چند بڑے شہروں میں بینک قائم تھے جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی۔ برصغیر میں ۱۹۱۳ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہ تھا۔ ۱۹۱۳ء میں بینک اور بینکوں کی اہمیت کا اندازہ لگانا کوئی آسان بات نہ تھی، لیکن مولانا کی نگاہوں سے معاشیات کے مستقبل کے اس اہم نوازے کی اہمیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور انہوں نے مالی دارمسلمانوں سے اس کی ذمہ داری اپنے بھائیوں کے لیے بینک قائم کریں۔

سود کی بے پناہ مضرت رمانیوں کے متعلق مولانا احمد رضا خان نے یہی دیکر

کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے : لہذا یہ امر واضح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی مراد ایسا بینک کاری نظام تھا جو غیر سودی بنیادوں پر استوار ہو۔ ایسا بینک بینک نظام ملکی معیشت کو تازہ و صحت مند خون فراہم کر سکتا ہے۔ بینک وہ ادارے ہیں جو لوگوں کی بچتوں کو پیداواری کاموں میں لگانے کا ذریعہ ہیں۔ آج کا معاشی نظام اس قسم کے بینکوں کے بغیر عضو معطل ہو کر رہ جائیگا۔ تو گویا ایسے بینکوں کی اہمیت موجود معاشرہ میں مسلم ہے۔

جدید ماہرین اقتصادیات نے پس اندازی کی دو قسمیں بتائی ہیں :

۱۔ بچت

۲۔ زر کی ذخیرہ اندوزی

اگر ایک فرد کی مالانہ آمدنی ۱۰۰ روپے ہے جس میں وہ اسی روپے اپنی ضروریات زندگی پر خرچ کرتا ہے تو اس کی مالانہ بچت میں روپے ہوگی۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ اگر قومی آمدنی قومی اخراجات کے مقابلے میں زیادہ ہے تو نتیجہ قومی بچت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

اس بچائی ہوئی رقم کو افراد بینکوں میں جمع کر سکتے ہیں یا بچت کی کسی اسکیم میں لگا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال بچت کہلاتی ہے، لیکن اگر لوگ بچائی ہوئی رقم کو اپنے ہی پاس رکھیں تو یہ صورت (Hoarding) کہلاتی ہے۔ بچت کا تصور ذخیرہ اندوزی کے تصور سے اس لیے مختلف ہے کہ موضوع الذکر تصور رضا لیس نفسیاتی ہے جس میں فرد کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ دولت زر کی شکل میں جمع کرے اور اسے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے۔

جب تک لوگ اپنی بچت غیر سودی کاروباری بینکوں میں جمع کر رہے ہیں کسی بچت کی اسلامی کاروباری اسکیم میں لگائیں گے اس وقت معیشت میں توازن برقرار رہے گا، لیکن جس وقت لوگوں میں زر کو ذخیرہ کرنے کی خواہش بڑھ جائے گی تو معیشت عدم توازن کا شکار ہو جائے گی ایسی صورت میں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے معیشت میں اتنا توازن پیدا ہو جائے گا یا کسی دباو زاری پھیل جائے گی اور ہزاروں افراد ملکی وسائل بے روزگار رہیں اور جو جائیں گے جس سے معاشرہ میں بے شمار سماجی برائیاں پیدا ہو جائیں گی۔

۱۹۴۷ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مستقبل میں جہانک دنیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف پس اندازی کی ہدایت کی بلکہ صاحب حیثیت اور دولت مند مسلمان ہند سے اپیل کی وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے بینک قائم کریں۔ وہ بینک جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان آجروں کو سرمایہ فراہم ہو سکے اور صنعت کاری کے میدان ہندوؤں کا مقابلہ کر سکیں۔

میں سوچتا ہوں کہ کاش ۱۹۴۷ء میں چند ایک ہی ایسے اہل دل مسلمان ہوتے جو مولانا احمد رضا خاں کے ارشادات پر عمل کر لیتے تو مسلمانوں کی اقتصادی تاریخ حیرت میں یقیناً مختلف ہوتی اور پاکستان کو انتہائی نامساعد معاشی مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ایسی گہری سوچ اور ایسے نکات جن کے نتائج اس قدر دور رس ہوں کسی عام انسان

کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف مرد مومن کا کمال ہے۔ اس مرد مومن نے تو ننگے
مسلمانوں کو دعوت دی کہ مسلمانوں کے لئے مسلمانوں کا بانک قائم کرو تاکہ مسلمانوں
کی اقتصادی حالت سنبھلے۔ یہی بات ۱۹۳۷ء میں قائد اعظم نے دیہرائی۔ اگر
۱۹۱۲ء میں سر آدم جی اور مرزا اصفہانی جیسے دو چار مرزا اور اعلیٰ بریلوی کی ہدایت
پر عمل کر لیتے اور اسلامی اصولوں پر مبنی کاروبار کر کے غیر سودی کاروباری بانک قائم
کر دیتے۔ تو مسلمانوں کا معاشی مستقبل بہت کچھ سنو رہا اور اس کے اقتصادی نتائج
نہ صرف چھوٹے مسلمانوں کے لئے بلکہ مسلمانان عالم کے لئے بے حد خوشگوار ثابت ہوتے
تیسرا نکتہ۔

اب ہم مولانا احمد رضا خاں کے تیسرے نکتے کی طرف آتے ہیں، آپ نے فرمایا تھا:
”مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں“

ذرا اس نکتہ پر غور فرمائیے۔ موجودہ عالمی اقتصاد کا ماحول کا جائزہ لیجیے اور
پھر یہ دیکھیے کہ مسلمانوں نے اس عالم دین کے اس زرخیز ماحول کو نہ تو سمجھا اور نہ ہی
اس پر عمل کیا۔ لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد مغربی یورپ کے بنائے گئے مناشروں والے
ممالک نے اس پر پورا پورا عمل کیا،

اور آج یہ ممالک اقتصادی طور پر دنیا کے مستحکم ترین ممالک سمجھے جاتے ہیں۔
لکھنؤ میں تے پنے سچپن میں جب کہ دوسری جنگ عظیم زور و شور سے جاری تھی
اکثر مسلمانوں کی دوکانوں پر یہ شعلہ چپاں دیجھا تھا ہے

زندگی عزت کی مسلم ہند میں چاہے اگر
تو یہ لازم ہے کہ سودا جو بھی لے مسلم کے

یہ غائبانہ فعل بریلوی کے اس نکتے کی حد سے بازگشت تھی۔ اس شعر نے مجھے حیرت
منا کر کیا تھا۔ لیکن صاحب حیثیت مسلمانوں کو میں نے ہندوؤں کی دوکانوں سے
ضروری و فروخت کرنے دیکھا مسلمانوں میں اس وقت بھی ماہرین اقتصادیات موجود
تھے۔ لیکن بد قسمتی سے ان کی نگاہیں مغربی معمرین کی جانب لگی ہوئی تھیں وہ اس بات
سے قطعاً بے خبر تھے کہ خود ان کا ایک عالم اقتصادیات کے بارے میں کیسے کیسے مونی
ان کے سامنے بکھیر گیا ہے۔ وہ اپنے غرضانے سے بے خبر رہے۔ لیکن مغربی خزانوں کی
حرف حسرت ویاس سے دیکھتے رہے اور کسی نے بھی مولانا کے اس نکتہ پر غور نہیں کیا
اور نہ ہی اسے سمجھا اور نہ ہی وضاحت کی ضرورت محسوس کی۔ اگر اس وقت کوئی بھی
مسلم ماہر اقتصادیات اس نکتے کے دور رس اثرات کی وضاحت کر دیتا اور مسلمان
صرف مسلمانوں ہی سے ضروری و فروخت کھتے کھتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان ہندوستان
میں معاشی اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں پست ہوتے۔

مشابہات میں اس بات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی ہے اور جس کا سلسلہ اب
تک جاری ہے کہ بین الاقوامی تجارت آزاد ہوئی چاہیے یا اس پر پابندیاں فوری
ہیں اور اس پابندی کو تاہین کہتے ہیں۔

آزاد عالمی تجارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مملکتوں کے مابین اشتیاء کی
آمد و رفت پر پابندیاں نہیں ہیں یا اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ اس کے برخلاف تاہین
وہ تحفظ ہے جو حکومت ملکی صنعتوں کو غیر ملکی مقابلے سے بچانے کے لئے دیتی ہیں۔

سب پر زور دلیل جو۔ میں کہتی ہیں وہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کی نو آئید
صنعتیں بیرونی مقابلے سے اس وجہ سے تحفظ کی مستحق ہیں کہ وہ مقبول طریقہ صنعتوں کا

اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں قطعاً متقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ان کی حفاظت حکومت کا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے سے قبل ہی بیرونی مقابلے کے سامنے دم توڑ دیں۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ تائین اس لیے ضروری ہے کہ ملک کی دولت ملک ہی میں رہتی ہے اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ جذبہ حب الوطنی کے فروغ کا باعث ہے۔

اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو تائین کے حق میں جیتے گئے ہیں مگر میں صرف ہندو جہ بالادو دلائل کے متعلق مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تیسرے نمبر کی روشنی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی نے برصغیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور انگریزوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ۱۹۱۷ء میں انگریزی حکومت ہندوستان میں منظم ہو چکی تھی۔ اس وقت کوئی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ صرف ۲۵ سال بعد فرنگی اس سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ جاتے گا۔

مسلمانوں کا اب اپنا کوئی ملک نہ تھا لیکن مسلم قوم اب بھی موجود تھی۔ جسے اس بات کا پورا پورا احساس تھا کہ انہوں نے کیا کم کر دیا حکومت ختم ہو چکی تھی مگر قوم اب بھی موجود تھی۔ اس قوم کی سماجی اندازگی اور معاشی بقا کے لیے مضبوط بنیادوں پر اہل نظر اور اہل علم مسلمانوں کی پالیسیاں وضع کرنی تھیں تعلیمی سیاسی اور معاشرتی میدان میں مسلم لیڈران سرگرم عمل تھے۔

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جدوجہد تیز تر ہونی چاہی تھی لیکن ہم دیکھتے

ہیں کہ اس موقع پر کسی نے بھی مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی اور اس سے نمٹنے کے لیے کوئی پالیسی وضع نہ کی۔ اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے معاشی نکات پیش کیے انہوں نے کہ ان پر مسلمانوں نے کوئی غور و فکر نہیں کیا۔ تب تو ہم یا ذیہ مسلمان اپنی راہبر کی گئے لے سفر فی علماء کا سہارا لے رہے تھے اور اس بات سے قطعاً ناچار تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کے درمیان ایک ایسے باد صفت انسان کو بھیج دیا ہے کہ جس کے ارشادات پر اگر مسلمان عمل کرتے تو کب کی اپنی عزت و اخلاص سے چھٹکارا حاصل کر کے با عزت زندگی بسر کرنے لگتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا نمبر میرے نزدیک معاشی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ وہ مسلمانوں کو معاشی تحفظ دینا چاہتے تھے۔ روزگار اور تجارت کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بہت آگے تھے۔ بیوں کی ذہنیست اور فطرت ہی یہ تھی کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ دوسرے کو ایذا پہنچائے۔ مسلمانوں کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا اور اگر مسلمان تجارت کرنا بھی چاہتے تو اول تو ہندو اپنے مقابلے میں انہیں میدان سے جھکا دیتے تھے اور دوسرے اپنوں کی بے اعتنائی ان کا دل توڑ دیتی تھی۔ فاضل بریلوی پر یہ باتیں روز روشن کی طرح عیاں تھیں۔ اس کا صرف ایک ہی علاج تھا اور وہ یہ کہ مسلمان مسلم تجارت پیشہ افراد کو تحفظ دیں اور خرید و فروخت صرف مسلمانوں ہی سے کریں۔ یعنی فاضل بریلوی نے جدید اقتصادی زبان میں مسلمان دوکانداروں کے لئے مسلمان بھائیوں سے تائین کی پالیسی کی مسلمان دوکانداروں کی مثال بالکل اس نوزائیدہ صنعت کی سی تھی جسے سخت ترین بیرونی مقابلے کا سامنا تھا اور ان کی بقا اسی صورت میں تھی کہ مسلمان ان کی سرپرستی کریں۔ یہاں کسی ملکی صنعت کو تحفظ

کرنا تھا لیکن انوس رائے کا تعین تو درکنار ہم نے اس شمع ہدایت کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اسے ہم صرف اپنی بد نصیبی اور کوتاہ بینی سے تعبیر کر سکتے ہیں یا پھر یہ کہ معاشرتی سیاسی اور تعلیمی اصطلاحات میں راہبران ملت ایسے اُلجھے کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جو یقیناً خیرت انجیز اور قابل انوس امر ہے جو اب کو ان کی ہدایت کے لئے اتنے واضح نکات مولانا احمد رضا خاں نے سلسلہ میں وضع فرما دیئے تھے۔

چوتھا نکتہ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا چوتھا نکتہ گو کہ اقتصادیات کے متعلق نہیں لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ اپنے فرمایا کہ:

۴۔ "علم دین کی ترویج و اشاعت کریں"

یہ وہ زمانہ تھا کہ سرسید کی تعلیمی اصلاحات کی کوششیں رنگ لارہی تھیں مسلمان مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ انگریزی تعلیم کا حصول بذات خود ایک اچھی بات تھی۔ مسلمانوں کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت ہے کہ طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن جو بات تشویش ناک تھی اور جسے مولانا کی ذات گرامی نے اسی وقت محسوس کر لیا تھا وہ یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ

لے یہ نقطہ بھی اس لحاظ سے اقتصادیات سے متعلق ہے کہ پہلے تین نکات پر عمل کا جذبہ قومی اور ملی تہذیب پیدا ہوتا اور قومی تہذیب و عصبیت کے لئے دینی تعلیم ضروری ہے تو بالواسطہ آخری نکتہ بھی اقتصادیات اسلامی سے متعلق ہے۔ (ادارہ)

بجادی گئی تھی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جرمنی کی "بند رہانٹ" ہوئی۔ ایک حصہ روسیوں کے پاس اور دوسرا اتحادیوں کے قبضے میں آیا۔ جرمنی دو حصوں میں تقسیم ہو کر مغربی جرمنی اور مشرقی جرمنی بن گیا۔ جرمنی کی اقتصادی و معاشی حالت بالکل تباہ ہو چکی تھی یہی حالت فرانس اور اٹلی کی تھی۔ لیکن جرمنی نے جلد ہی اپنی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ وہاں کے دانش مندوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ جرمنی کو اگر زندہ رکھنا ہے تو اقتصادی بحالی فوقیت کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ جنگ کی تباہی کے بعد مغربی جرمنی تنہا اپنی معیشت کو بحال نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اردوم میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے اور یورپین مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا جو چھ مغربی یورپی ممالک پر مشتمل تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عالمی سیاست میں امریکہ کا طلوعی بول رہا تھا اور عالمی معیشت میں امریکی ڈالر کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس منڈی کے قیام کے پس پشت جو فائدہ کار فرما تھا وہ بعینہ وہی تھا جس کی ہدایت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تیسرے نکتے میں فرمائی تھی یعنی مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔ معاہدہ اردوم جس کے تحت اس منڈی کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ان شرائط و ضوابط پر مشتمل تھا کہ منڈی کے اراکین ان اشیاء کو پیدا کریں گے۔ جن کی پیدائش پر انہیں دوسرے ممالک پر فوقیت حاصل ہے منڈی کے اراکین ممالک خود کو ایک وحدت خیال کریں گے۔ آپس میں تجارت آزادانہ ہوگی یعنی تجارت پر کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وسائل پیدائش کی منتقلی پر پابندیاں نہ ہوں گی۔ درآمدات پر بھاری ٹیکس لگائے جائیں گے اور برآمدات رعایتوں کی

مستحق ہوں گی۔ جو اشیاء (منڈی کے اراکین پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں باہر سے نہیں منگوا یا بنائے گا۔ زیادہ سے زیادہ خرید و فروخت آپس ہی میں ہوگی۔

منڈی کے قیام کے وقت، غالباً اراکین کو بھی اس کی کامیابی کا یقین نہ تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ دنیا نے حیرت سے دیکھا کہ یہ ادارہ انتہائی مستحکم اقتصادی ادارہ بن گیا۔ منڈی کے اراکین کی معیشت انتہائی مضبوط خطوط پر قائم ہوئی۔ مالی اعتبار سے اراکین کی حیثیت بے حد مضبوط ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ عالمی اقتصادیات میں امریکن ڈالر کی حیثیت ثانوی رہ گئی اور جرمن مارک دنیا کی مضبوط ترین کرنسی بن گیا۔

پاکستان، ایران اور ترکی کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اور جسے ہم آر۔ سی۔ ڈی کے نام سے جانتے ہیں۔ وہ بھی انہیں خطوط پر تھا۔ لیکن اس ادارہ کو وہ کامیابی نصیب نہ ہو سکی جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ آر۔ سی۔ ڈی کو کامیاب بنانے کے لئے تینوں ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس ۲۹ اپریل ۱۹۷۶ء کو ازمیر (ترکی) میں منعقد ہوئی تھی لیکن ابھی تک کوئی ثمرت نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اگر تینوں ممالک صدق دل اور نیک نیتی سے اس ادارے کی کامیابی کے لئے کوشش کریں۔ تو کامیابی نصیب نہ ہو۔

بہر حال اس تمام بحث سے غرض یہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جو نکتہ بیان فرمایا تھا اگر مسلمان صلیق دل سے اس پر عمل کرتے تو انہیں بھی یقیناً کامیابی ملتی جو برہمن شستر کہ منڈی کے حصے میں آئی۔ ہمارے ایک عظیم عالم دین نے ہمارے لئے پورا رخ جلا کر رکھ دیا تھا جس کی روشنی میں ہمیں صحیح راستے کا یقین

نہیں دینا تھا بلکہ اپنی قوم کی اس جماعت کی حفاظت مقصود تھی جو معاشی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے کوشاں تھی۔

اب اگر مسلمانان ہند فاضل بریلوی کے ارشاد پر عمل کرتے تو اس کے اقتصادی نتائج کیا ہوتے؟ مسلمانوں کا پیسہ مسلمان دوکانداروں کے پاس جاتا۔ اپنے طور پر یہ مسلمان تاجر مسلمان تھوک فروشوں سے زیادہ سامان حاصل کرتے۔ مسلم تھوک فروش مسلم صنعت کاروں سے زیادہ اشیاء خریدتے اور جب موثر طلب میں اس طرح اضافہ ہوتا تو مسلمان صنعت کار زیادہ اشیاء پیدا کرتے کیونکہ ان کی اشیاء کی طلب میں اضافہ ہوتا۔ اشیاء کو پیدا کرنے کے لئے وسائل پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یعنی زمین، محنت اور سرمائے کی مسلمان صنعت کار جب اشیاء کی پیداوار میں اضافہ کرتے تو یقیناً وہ بے روزگار مسلمان جو ناکام روزگار میں سرگرداں تھے ملازمتیں حاصل کر لیتے اور جب ان افراد کی آمدنیوں میں اضافہ ہوتا تو ان کی موثر طلب بڑھ جاتی اور معاشیات کا وہ پیکر شروع ہو جاتا جو کسی بھی معیشت کو خوش حال کر دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان صنعت کار سرمایہ کہاں سے لاتے تو اس کا جواب مولانا احمد رضا خاں کے پہلے دو نکات میں پوشیدہ ہے کہ مسلمان بچت کریں اور صاحب حیثیت مسلمان بزرگوار و بار پر مبنی بینک قائم کریں۔ بینک جن کا دلیق مقصد پیداواری کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ فاضل بریلوی کے اس نکتے پر مغربی دنیا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کتنا عمل کیا ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک مثلاً جرمنی، فرانس اور اٹلی وغیرہ اس جنگ میں تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ خصوصاً جرمنی اور اٹلی کی اینٹ سے اینٹ

ساتھ نوجوان نسل مغربی تہذیب کی بھی دلدادہ ہوتی جا رہی تھی یعنی کوٹاہنس کی پال اختیار کر رہا تھا جو کہ ایک غیر فطری بات تھی۔ فاضل بریلوی نے سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمان علم دین سے بے بہرہ ہو گئے تو وہ اپنی حیثیت و انفرادیت کو گم کر بیٹھیں گے۔ نئی تہذیب ان کی وحدت کو ختم کر دے گی اور ان کا وہی حال ہو گا کہ

نہ خدا ہی ملا نہ دھال صنم

نہ ادھر کے ہے نہ اُدھر کے ہے

اکبر الہ آبادی نے بھی یہ بات بخوبی محسوس کر لی تھی اپنی شاعری کے تیز و تند مضامین سے انہوں نے مسلمانوں کو اس خطرے کا احساس دلایا۔ انہیں سمجھایا کہ اپنی حیثیت مت بھولو تمہارا سب سے بڑا خطرہ تمہارا مذہب اور تمہاری تہذیب ہے لیکن یہ غلام کا پیکر آتا ہے تمہارا مسلمان اس طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور اکبر الہ آبادی نے فرمایا کہ

تبتہ اٹھے جو گزٹ یکے تو لاکھوں لائے

شیخ قرآن دکھاتے ہے پیسہ ملا

اور یہ کہ

رقیبوں نے ریٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبر نام بیٹا ہے خدا کا اسس زلنے میں

مغربی تہذیب نے ایسا رنگ جمایا اور نوجوانوں کو اپنی رنگینوں کا ایسا ستار بنایا کہ وہ اپنے معاشرے، تہذیب اور مذہب سے دور ہونے چلے گئے۔ اور فرنگی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے گئے۔

نہ سب بیگانگی نے برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ لیکن جب قائد اعظم محمد علی جناح نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا یا تو مسلمان پروانہ داران کے گرد جمع ہو گئے۔ اسلامی غیرت و حیثیت اس وقت بھی مسلمانان ہند میں موجود تھی جس کا نتیجہ تقسیم ہند کی صورت میں ملتا ہوا۔

مسلمانوں کو ایک نیا ملک نصیب ہوا جو اس بنیاد پر وجود میں آیا تھا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان کی ثقافت و تہذیب ہندوؤں اور انگریزوں سے مختلف ہے۔ مگر یہ فیسی تو ملاحظہ فرمائیں کہ اسلام کے نام پر علیحدہ مملکت تو وجود میں آ گئی۔ مگر ترویج دین کی طرف اہل اقتدار نے کوئی توجہ نہ دی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کو صحیح طور پر ایک اسلامی ملک بنایا جاتا۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہوتی۔ نوجوانوں کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرایا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ پاکستان کے لئے برصغیر کے مسلمانوں نے کس لئے جدوجہد کی تھی اور بے شمار قربانیاں کیوں دی گئیں تھیں۔ لیکن انہیں کہ اس طرف سے توجہ ہٹائی گئی۔ اقتدار کے لئے رنہ کشی شروع ہو گئی۔ ابھی ملک کی جڑیں مضبوط بھی نہ ہوئی تھیں کہ طوفان حوادث نے اسے اگھیرا۔ مذہب بیگانگی نے اور بھی غضب ڈھایا۔ ہم نے خود کو صوبوں سے خصوصیت دے لی اور برہمنوں کے کہ ہم اول و آخر صرف مسلمان ہیں۔

ہمارے ملک پر جو آفات نازل ہوئیں ان کا بنیادی سبب ہماری مذہب بیگانگی تھا۔ اگر ابتداء ہی سے علم دین کی ترویج و اشاعت پر زور دیا جاتا تو ہمیں یہ

بڑے دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتے۔

آج ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہماری نئی نسل کو جو مغرب کی تقلیدیں دیوانی ہوتی جا رہی ہے۔ اسلامی تعلیم، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر اس سلسلہ میں نیک نیتی سے کوششیں شروع کر دی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری نسل اپنی منزل کو نہ پالے۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ ع

ذرا تم ہو تو یہ سٹی بہت زرخیز ہے ساقی

تہذیب مغرب کے دلدادہ اور اسلامی تہذیب سے نااہل اپنی کوتاہ نظری پر رہے اور انہوہانے کی بجائے اسلام کو

اتمام حجت

مطمئن کرتے ہیں کہ اس کا اپنا کوئی معاشی و اقتصادی نظام نہیں ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ تہذیب مغرب کی بجائے اسلام کی تہذیب تمدن کا مطالعہ کریں عربی زبان سیکھیں اسلام کی تہذیب تمدن اور اس کے اقتصادی و معاشی نظام کی دولت لازوال اور عظیم سرمایہ عربی زبان میں ہے جسے بدرجہ مختلف زبانوں میں ڈھال جا رہا ہے۔ قرآن کریم، تفسیر، احادیث، نبویہ صحاح ستہ وغیرہ ان کی شروح، مکتب فقہ اور اسلامی آئین کے مجموعہ ڈائریکٹوری، درمختار، شامی، فتح القدیر، عالمگیری وغیرہ اسلام کے پاس ایسے عظیم الشان ذخائر جو اب نہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری دنیا کی تہذیب تہی و آئین نظر آتی ہے۔ راقم نے ان بے بہا ذخائر سے اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کے جو امہرین جن کو اس کتاب میں ایک جامع کر دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان لوگوں کی ذہنی اور قلبی اصلاح متوقع ہے جو عربی زبان

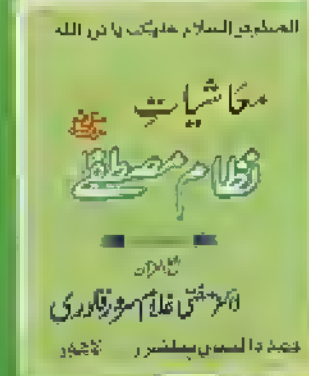
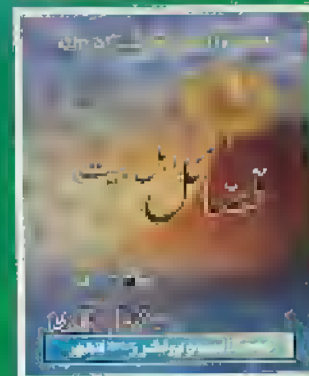
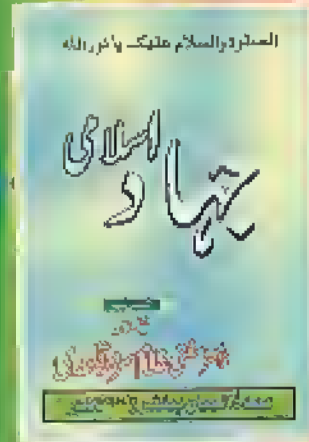
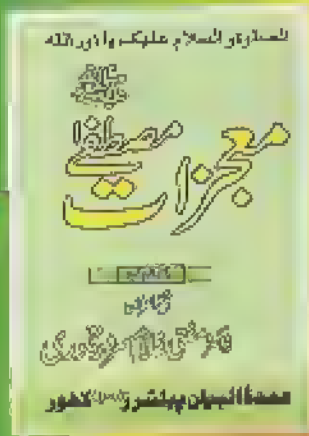
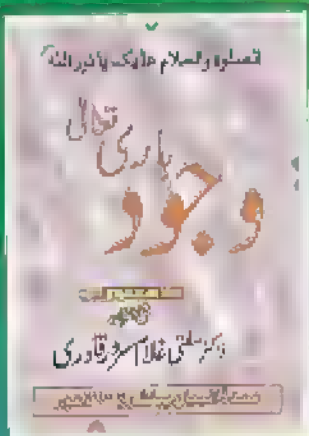
سے ناواقف ہونے کی بنا پر اسلام کے نظام معیشت کے مطالعہ سے بہرہ یاب نہیں ہو سکے اور ان حضرات کے معلومات میں اضافہ کی امید بھی ہے جو عربی زبان سے واقف ہونے کے باوجود گونا گوں اور طرح طرح کی معروضیات کی وجہ سے اسلام کے اقتصادی نظام کا کماحقہ مطالعہ کرنے کا موقع نہیں پاسکے۔ انشاء اللہ العزیز عام مطالعہ کے شائقین سے بے کردارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم اور اساتذہ تک کے لئے راقم کی یہ کوشش مفید ثابت ہوگی۔

نہ از ساقی نہ از پیماہ گفتم صحبت عشق ہے پاک نہ گفتم
شہیدم آنچه از پاکان امت ترا با شوخی زندانہ گفتم
انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ آتر جانے تیر سے دل میں میری آ

داستلام ————— ہتاج دعا

————— مفتی محمد اویس عیسیٰ سہروردی

شیخ القرآن ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی دیگر تصانیف



Designed By: Muhammad Asrar Qadri (0322-4611005), E-mail: asrar_qadri@yahoo.com

Distribute by SAW Publisher

0300-4826678
0322-4039497

